

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُلْطَانِ الْوَالِدِيْنَ كَاتِبِ الْوَالِدِيْنَ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْوَالِدِيْنَ

47

۷۷

بَارَةٌ وَعِظُونَ كَاتِبِ نَظْمِ مَجْمُوعَةٍ

وَالْعِظَةُ

کتاب خانہ پیامہ طیبہ کوٹلی لوہاراں ضلع میانکوٹ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شیطانِ العظیمین جناب مولانا ابوالنور محمد کبیر صاحب مدظلہ العالی
کے

بارہ وعظون کا نئے نظیر مجموعہ

المستجابہ
عظ

جس میں

انکار حدیث، رخص و خروج، ولایت و مرزائیت، الحاد و ارتداد، اور ماد پر آزادی،
وغیرہ۔ آجکل کے جملہ فتنوں کے رد و ابطال میں بارہ مفصل اور مدلل وعظ درج ہیں۔
جو علوم و خواہں سبھی کیلئے مفید ہیں اور جس میں علاوہ قرآن و احادیث اور ارشادِ اہل بیت
سلف کے شنیعی کی حکایات اور نتیجہ خیز لطائف بھی درج ہیں۔

بالحتم

صاحبزادہ عطار المصطفیٰ و صاحبزادہ غنیار المصطفیٰ

کتابخانہ مولانا ابوالنور محمد کبیر صاحب مدظلہ العالی

نانتہ

کتابخانہ مولانا ابوالنور محمد کبیر صاحب مدظلہ العالی

قیمت ایک روپیہ

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ^{بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ} ۲۹

قَالَ اِنَّ اَيْدِيَّ تَعَالَى

اُدْعُ اِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ
الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ - (پک ۲۲۶)

”اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر، اور اچھی نصیحت سے اور
ان سے اس طریقہ پر بحث کرو۔ جو سب سے بہتر ہو۔“

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّنْ
رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى
وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ - (پک ۱۱)

”اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی۔ اور
دلوں کی صحت، اور ہدایت و رحمت ایمان والوں کے لئے۔“

هَذَا بِسْمِكَ يَا اَللّٰهُمَّ
وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ - (پک ۱۱)

”یہ لوگوں کو بتانا اور راہ دکھانا۔ اور پرہیزگاروں کو نصیحت دینا ہے۔“

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ بِمَنْزِلَةِ وَفِيهِ عِلْمٌ لِكُلِّ بَصِيرَةٍ

پہلی نظر

مدت سے میری خواہش تھی۔ کہ وعظ کی ایک ایسی جامع کتاب لکھوں جو عوام و خواص سب کے لئے یکساں مفید ہو۔ اور جس سے مبتدی طلباء بھی فائدہ اٹھائیں۔ اور مشاق مقررین حضرات کے لئے بھی وہ سرمایہ وعظ و تبلیغ ہو۔ چنانچہ یہ مجموعہ میری اسی خواہش کا نتیجہ ہے۔ میں نے اسے بڑی محنت کے ساتھ اور بغیر کسی سخی کے لکھا ہے۔ اور دورِ حاضر کے اہم مسائل کو سامنے رکھ کر سادہ اور عام فہم طرز میں بہت کچھ لکھا ہے۔ انکارِ حدیث، ولاہیت، رفسدِ احاد اور باورِ پدرِ آزادی وغیرہ کے جس قدر بھی آجکل کے فتنے نظر آ رہے ہیں۔ ان سب کے رد و ابطال میں آپ اس مجموعہ میں مدلل وعظ پائیں گے۔ میں نے بہت سی کتابوں کا مطالعہ کر کے ان مواعظ کو مرتب کیا ہے۔ اور جو بات بھی لکھی ہے۔ اصل کتاب میں دیکھ کر لکھی ہے۔ چنانچہ ہر آیت، حدیث اور ارشاداتِ سلطنت اور مخالفین کی عبارات کا مکمل حوالہ لکھ دیا ہے۔ خدا کے فضل سے کوئی حوالہ غلط نہیں ہے۔ آپ ان حقائق کو ہر مجمع میں بلا خوف و خطر، اور دھڑکتے سے بیان کریں۔

اس مجموعہ میں جہاں قرآن و حدیث، اور ارشاداتِ سلطنت کی فیاض پاشیاں ہیں۔ وہاں حکایات و اشعار اور نتیجہ خیز لطافت کی دھپ پیاں بھی ہیں۔ حق یہ ہے۔ کہ تاہم حق اور تردید باطل میں یہ ایک کامیاب تالیف ہے اور اس کا اندازِ بیان ایک انوکھا۔ دلچسپ۔ اور مؤثر انداز ہے۔ مدلل ہونے کے ساتھ ساتھ یہ سادہ و عام فہم بھی ہے۔ جس سے ہر شخص مستفید ہو

سکے گا۔ اور جہاں سے علماء و طلباء پسند فرمائیں گے، وہاں عامۃ المسلمین،
 بھی اسے حرز جہاں بنائیں گے۔ اور جہاں دین سے مس رکھنے والے اسے
 چاہیں گے۔ وہاں دین سے بے نیاز افراد بھی اسے سہا رہیں گے۔ اور سبھی
 اس سے مستفید ہوں گے۔

الغرض یہ کتاب اہل سنت کے لئے ایک گرانقدر تحفہ ثابت
 ہوگی۔ انشاء اللہ۔ مجھے امید ہے کہ علماء عظام۔ طلباء کرام۔ عوام و خواص
 بلکہ اپنوں اور بیگانوں کی بھی نظر میں یہ مجموعہ قبولیت پائے گا۔
 اس لئے کہ

عشق میرا سا نہ سانی دل بلبلیں میں نہیں!
 میرے پھولوں میں جو بو ہے وہ کسی گل میں نہیں

ابوالنور محمد شہید

عمل کتابت

حکیم محمد یوسف خٹو سنوئیس ۱۴۱۱ ہجری لکھنؤ پورہ (دریں وٹ)

فہرست مضامین

مضامین	نمبر صفحہ	مضامین	نمبر صفحہ
خدا کو سب مانتے ہیں	۳۰	حمد باری تعالیٰ	۱۵
لا الہ الا اللہ	۳۱	نعت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم	۱۶
محمد رسول اللہ	۳۱		
دوسرا وعظ - رسالت		پہلا وعظ - توحید	
شہد سے بیٹھا مجید نام و نظم	۳۳	وجود باری کا عقلی ثبوت	۱۸
ایک نکتہ	۳۵	انبیاء و اولیاء کی تعریف	۱۸
دوسرا نکتہ	۳۵	خدا اپنے محبوبوں کی تعریف سے	خوش ہوتا ہے
پاکستان	۳۵	حماقت	
محمد کے معنی	۳۶	ایک دانا بڑھیا	۲۱
مذہم	۳۷	ایک فلسفی کی حکایت	۲۲
حضرت حسان رضی اللہ عنہ	۳۸	مشرکین کے خدا	۲۳
نعت خوانی	۳۸	لطیفہ	۲۴
حضرت عباس کے لئے دعا	۴۰	اکبر کا ایک مزیدار شعر	۲۵
سبھی نعت خواں	۴۱	توجید کیا ہے ؟	۲۶
شعر و شاعری	۴۱	قرآن کا ارشاد	۲۷
نعتیہ مشاعرہ	۴۳		۲۹

نمبر صفحہ	مضامین	نمبر صفحہ	مضامین
۶۶	ہماری حالت	۴۵	ارشاد حسان
۶۷	ایک مجوسی کی حکایت	۴۶	ہماری خلقت
۶۸	برادری کی خوشی	۴۷	مسلمانوں کا ایمان
۶۹	شیطان کے داؤ	۴۸	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کان مبارک
۶۹	ایک درزی کا قصہ	۴۸	قرآن کا ارشاد اور سلیمان
۷۱	شان رسالت	۴۸	علیہ السلام کا قصہ
۷۲	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم	۴۹	حضرت یوسف علیہ السلام اور آئینہ
۷۳	استن حنا کا قصہ	۵۱	ہمارے امام کی فقہیت
۷۵	احمد مختار	۵۲	سلیمان علیہ السلام اور چیونٹی کا مکالمہ
۷۶	حروف محمد صلی اللہ علیہ وسلم (نظم)	۵۳	حدیث کا ارشاد
		۵۴	برکات نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم
		۵۵	گناہوں کو مٹانے والا
		۵۵	جہنم سے بچانے والا
		۵۶	وہ جن کا یہ نام ہے
		۵۶	جامع کمالات
			لطیف
			رسول اللہ
			منکرین حدیث
			نماز اور زکوٰۃ کا حکم
			رسالت
			عزم و استقلال
			ابوطالب
			دھمکی
			دھمکی کا جواب
۸۰	ہمارا نبی (نظم)	۵۶	
۸۲	ایک مشاعرہ میں عیسیٰ کو جواب	۵۶	
	{ شاہ عبدالعزیز کا ایک	۵۷	
۸۲	{ عیسیٰ کو جواب	۵۹	
۸۳	مرزائی اور عیسیٰ	۶۰	
	{ عیسیائیوں کا ایک دوسرا اعتراض	۶۱	
۸۳	{ اور اس کا جواب	۶۲	
۸۵	موسیٰ علیہ السلام اللہ کے کلیم ہیں	۶۲	
	{ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم	۶۵	
۸۶	{ اللہ کے حبیب ہیں	۶۶	

تیسرا وعظہ فضائل رسول

صلی اللہ علیہ وسلم

نمبر صفحہ	مضامین	نمبر صفحہ	مضامین
۱۰۴	قرآن کا ارشاد	۸۶	محفل میلاد
۱۰۵	منکرینِ حدیث اور گندی چیزیں	۸۷	صحابہ کرام اور ذکر رسول
۱۰۵	شکاری	۸۷	گیسوئے مبارک
۱۰۶	شیر کی کھال میں گبھا		قبر میں حضور کا دیدار اور
۱۰۷	انکارِ حدیث کے کوششے	۸۹	ذکر رسول کا فائدہ
۱۰۸	قرآن کا حکم	۹۱	آج کل کے "صرف مسلمان"
۱۰۹	سور کا گوشت	۹۲	کسی فرقہ میں نہ ہونا بھی الگ ایک فرقہ ہے
۱۱۰	حدیث کا ارشاد		فقہِ عظیم کا ایک لازمہ ہے کہ
۱۱۱	تقویٰ الایمانی ایمان	۹۲	لا جواب جواب
۱۱۲	بکرے کے کپورے	۹۳	ترقی یافتہ مسلمان
۱۱۳	کالا کوا	۹۳	اندر سے مسلمان
۱۱۳	ہولی اور دیوالی کی پوری کچوری	۹۴	لطیفہ
۱۱۴	خلیل و حبیب میں فرق	۹۴	مثنوی شریف کی ایک حکایت
۱۱۵	بے نظیر آقا صلی اللہ علیہ وسلم	۹۶	قبر میں دیدار
۱۱۶	ہوقوفا	۹۸	ایک اعتراض کا جواب
۱۱۷	لطیفہ	۱۰۰	انا حبیب اللہ
۱۱۷	گستاخی رسول کی سزا	۱۰۰	کلیم و حبیب میں فرق
۱۱۸	خلیل و حبیب میں ترقی کی مزید تشریح	۱۰۱	تحویل قبلہ
۱۲۱	قرآن پاک	۱۰۲	کن کی کہنی
۱۲۲	اور سننے	۱۰۲	ایک گستاخ رسول کا انجام
۱۲۲	مرزا قادیانی	۱۰۳	بلا عذر بائیں لاکھ سے
۱۲۲	دو پاگلوں کا قصہ		کھانے والے کا انجام
۱۲۳	لطیفہ		حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا
۱۲۴	نور علیہ السلام	۱۰۳	ارشاد شریعت ہے

مضامین	نمبر صفحہ	مضامین
معراج شریف	۱۲۲	ہود علیہ السلام
مسلمانوں کے لئے رحمت	۱۲۵	بزرگوں کی بے ادبی جہدک ہے
کافروں کے لئے رحمت	۱۲۶	ایک مجذوب کا قصہ
کفار کی دعا	۱۲۷	پہلول دانا
خدا کا جواب	۱۲۸	شرعی ایمان
نوح علیہ السلام	۱۳۰	سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم
دنیا کی زندگی	۱۳۶	ربخ النور اور زلفِ معین
ہماری عمریں	۱۳۲	جامع الصفات
لطیفہ	۱۳۳	ایک مثال
انقلاب	۱۳۴	تواضع
مستر اور ملا		
لطیفہ		
ہم ملا ہیں		
دعا کے نوح علیہ السلام		
دعا کے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم	۱۳۸	عالمین
سلام	۱۳۹	چکی کی آواز
ہر چیز کے لئے رحمت	۱۴۰	تہیہ کی کلمات
دافع الیسار	۱۴۱	ماں کا دل
امر و نہی اور شارع	۱۴۳	ماں سے بھی زیادہ شفیق
حج	۱۴۴	کہو لا الہ الا اللہ
قدرت کا انتقام	۱۴۳	رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم
تقویتہ الایمان	۱۴۵	نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
بالکل سفید آنکھوں میں	۱۴۶	انبیاء کرام علیہم السلام
نور پیدا کر دیا	۱۴۷	ایک دوسری مثال

چوتھا و عظیم رحمتِ عالم

صلی اللہ علیہ وسلم

نمبر صفحہ	مضامین	نمبر صفحہ	مضامین
۱۸۳	آجکل کا جہیز	۱۶۷	بازخوں کو اچھا کر دیا
۱۸۳	لطیفہ	۱۶۷	ٹوٹی ہوئی ٹانگ درست کر دی
۱۸۵	خاتونِ جنت کا جہیز	۱۶۸	امام قسطلانی کو لا علاج بیماری سے شفا دے دی
۱۸۶	حضور علیہ السلام کی اولاد کرام		
۱۸۶	چار معجزات	۱۶۹	فقیرِ اعظم کو مرضِ فالج سے شفا دے دی
۱۸۷	روایاتِ شیعہ		
۱۸۸	ختمِ نبوت	۱۷۱	ایک پیاسے قافلہ کو سیراب فرما دیا
۱۸۹	مرزا یوں کا فریب	۱۷۲	جانوروں کے لئے بھی رحمت
۱۹۰	شانِ نزول	۱۷۲	ہرنی کا قصہ
۱۹۱	ذکرِ مصطفیٰ	۱۷۵	ہرنی کی موڈب اولاد
۱۹۲	حضرت عبدالمطلب کا خواب	۱۷۵	اونٹ کی فریاد
۱۹۳	کوثر کا معنی	۱۷۶	پھوپھیا کی فریاد
۱۹۴	تقویۃ الایمان	۱۷۶	مدرسہ دیوبند
۱۹۵	سب کو صدقہ عطا ہوا تیرا	۱۷۷	تعلیمِ رحمت
۱۹۵	چور	۱۷۸	فاروقِ اعظم کی ایک حکایت
۱۹۶	دسیلہ مصطفیٰ	۱۷۸	شاہ عبدالرحیم اور ایک کتے کی حکایت
۱۹۶	تاجر اور چور	۱۸۰	آجکل کی قومی ہمدردی
۱۹۶	حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ	<h2>پانچواں عرصہ - انا عطینا کی کوثر</h2>	
۱۹۸	منکوحہ عورت اور فاحشہ		
۱۹۹	ہمسری کے مدعی		
۱۹۹	آئینہ حق نمسا		
۲۰۱	لطیفہ	۱۸۳	بسم اللہ کی ب کا نقطہ
۲۰۲	کوثر	۱۸۳	ریلوے ٹائم ٹیبل کا نقطہ
۲۰۳	خداوند کریم کا ایک چلو	۱۸۴	ایک لڑکے سے باپ کی حکایت

نمبر صفحہ	مضامین	نمبر صفحہ	مضامین
۲۲۴	یارانِ ظلمت	۲۰۴	اختیار مصطفیٰ
۲۲۵	ہر شے سے پہلے نور محمد	۲۰۵	حضور مالک ہیں
۲۲۶	وصلی اللہ علیہ وسلم	۲۰۶	جنت کی ہر چیز پر حضور کا نام
۲۲۷	اللہ کے نور سے	۲۰۶	آسمانوں پر حضور کا نام
۲۲۸	گیس کی مثال	۲۰۶	ہر شے پر
۲۲۹	نہ خدا ہیں نہ جدا ہیں	۲۱۰	مالک جنت
۲۳۰	خدا کی پہچان حضور صلی اللہ علیہ وسلم	۲۱۱	ایک اور حدیث
۲۳۱	کے وسیلے سے	۲۱۲	منظوم لطیفہ
۲۳۲	لطیفہ	۲۱۳	عمل ضروری ہے
۲۳۳	سراج منیر	۲۱۳	ریلوے ٹکٹ
۲۳۴	اندھے	۲۱۴	حوضِ کوثر
۲۳۵	محمود غزنوی کی حکایت	۲۱۵	حشر میں حضور کی تلاش
۲۳۶	جبریل کی عمر	۲۱۶	فَمَنْ لِي بِرَبِّكَ وَآخِرُهُ
۲۳۷	حضرت آدم علیہ السلام کا مشاہدہ	۲۱۷	اخلاصِ عمل
۲۳۸	لطیفہ	۲۱۸	ایک عابد کی حکایت
۲۳۹	ظہور نور	۲۱۹	ایک بادشاہ اور رہقانی کی حکایت
۲۴۰	جیسا دیس ویسا بھیس	۲۲۰	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک حکایت
۲۴۱	لذرائع بشریت	۲۲۱	إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ
۲۴۲	ارشادِ رومی		
۲۴۳	حضور کا بول مبارک		
۲۴۴	حسن و جمالِ نور		
۲۴۵	تنویرِ نور		
۲۴۶	حسنِ مستور	۲۲۳	تاریخی و ظلمت
۲۴۷	حضرت یوسف علیہ السلام اور قحطِ سالی	۲۲۴	نورِ دافع السبائے ہوتا ہے

چھٹا و عطا نور مجسمہ
صلی اللہ علیہ وسلم

نمبر صفحہ	مضامین	نمبر صفحہ	مضامین
۲۶۱	وضو کا پانی	سائلوں اور جوابات معراج شریف	
۲۶۲	براق		
۲۶۳	دنیا و شیطان		
۲۶۳	قبر سے خوشبو		
۲۶۳	بیت المقدس		
۲۶۲	آسمانوں پر		
۲۶۵	تعظیم رسول		
۲۶۸	سدرۃ المنتہیٰ		
۲۶۹	رفوف		
۲۷۰	راز و نیاز		
۲۷۱	جنت کی سیر		
معمزہ		۲۶۷	بیوقوف عقلمند
اکھوں اور خطبہ و احکام الاصلوں		۲۶۹	بہالیہ کی چوٹی
		۲۶۹	چاند تک
		۲۵۰	اوپر جانا
		۲۵۱	برق رفتاری
		۲۵۲	حضور کی سواری
		۲۵۳	کرہ نارسے کیسے گزر گئے؟
		۲۵۴	آسمانوں سے عبور
		۲۵۵	بستر کا گرم رہنا
		۲۵۵	لطیفہ
		۲۵۶	سُبْحَاتِ
۲۵۶	اَنْسَرِیْہِ		
۲۵۷	بَعْبِیَا		
۲۵۷	لَبِیْلَا		
۲۵۸	مِنَ السُّجَّیَا الْحَرَامِ		
۲۵۸	اِلَى السُّجَّیَا الْاَقْصٰی		
۲۵۸	معراج کی حکمت		
۲۵۹	واقعہ معراج		
۲۶۱	نور ہی نور		
۲۶۱	جنت کے دو طہا		
۲۶۵	مسلمانوں کی شانِ امتیاز	۲۶۱	نور ہی نور
۲۶۶	ریشیم و سونا	۲۶۱	جنت کے دو طہا
۲۶۷	پانچویں چیز		
۲۶۸	جانِ امیمان		
۲۶۸	صحابہ کرام		
۲۶۹	ہجرت		
۲۷۰	شیخ نجدی		
۲۷۱	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے		
۲۷۱	پسینہ مبارک کی خوشبو		

نمبر صفحہ	مضامین	نمبر صفحہ	مضامین
۳۰۵	محبوب کے زماں کی قسم	۲۸۳	صدیق و علی
۳۰۵	محبوبہ کی زبان کی قسم	۲۸۳	ایمان مقدم ہے یا وطن؟
۳۰۶	محبوب کی جان کی قسم	۲۸۴	غدار
۳۰۶	اتباع	۲۸۴	صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایثار مال
۳۰۶	غلامی کی مثال	۲۸۴	ہماری ریس
۳۰۷	النَّاسُ عَلَىٰ دِينٍ مَّا كَانُوا كَافِرًا	۲۸۷	خدا کا پیغام صدیق کے نام
۳۰۹	بلاچون و چرا تعمیل حکم	۲۸۹	حضرت بلال رضی اللہ عنہ
۳۱۰	محمد از دور - خدا کی گرفت	۲۹۰	امتحان عشق یا کرتے کی داستان
۳۱۱	لطیفہ	۲۹۲	لطیفہ
۳۱۳	ناروق اعظم اور روم کا ایچی	۲۹۳	دنیا ایک کھیتی ہے
۳۱۵	حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ اور ایک جنگل کا شیر	۲۹۴	حضرت عمار بن یاسر اور ان کے دو بیٹے
۳۱۵	صحابہ کرام کا اتباع رسول	۲۹۷	نمازوں کی قسمیں
۳۱۶	کدو سے پیار	۲۹۷	ہمارے لیڈروں کی نماز
۳۱۷	درختوں کی اطاعت	۲۹۸	مومنین کی امداد غیبی
۳۱۹	غیر شرعی رسمیں - لطیفہ	۲۹۹	جبریل کا گھوڑا

سوال و جواب - خدا کی بندگی

سوال و جواب - اتباع رسول

۳۲۲	سب کچھ انسان کے لئے	۳۰۲	ایک بھینگے کا قصہ
۳۲۲	پانی	۳۰۳	شانِ نزول
۳۲۲	آگ	۳۰۴	محبوب کے انداز
۳۲۳	مٹی	۳۰۵	محبوب کے رخِ تاباں اور زلفوں کی قسم

نمبر صفحہ	مضامین	نمبر صفحہ	مضامین
۳۳۹	پرچمپنگی کی حکایت	۳۲۳	{ انسان کے لیے سب کچھ اور
۳۴۲	طوفانِ نوح اور ایک بڑھیا	۳۲۴	انسان کس لئے
۳۴۶	عبادتِ الہی کا ثمرہ	۳۲۴	نئی تہذیب کا جواب
۳۴۷	{ ایک بت پرست بادشاہ اور	۳۲۵	قرآن کا جواب
۳۴۸	ایک مسلمان عورت	۳۲۵	اشرف المخلوقات
۳۵۰	پانی پر حکومت	۳۲۶	جوتے نے کیا کہا؟
۳۵۱	شیخ سعدی اور ایک شیرسوار	۳۲۸	مشین کا پرزہ
۳۵۱	ازالہ شبہ	۳۲۸	ایک مثال
۳۵۱	{ ایک تہجد گزار بیوی اور	۳۲۹	عذاب سے پناہ مانگو
۳۵۱	اس کا شوہر	۳۲۹	ایک چھوٹے لڑکے کا خوف
۳۵۲	ایک عارف کی حکایت	۳۳۰	اللہ سے ڈر کر رونا
۳۵۳	لطیفہ	۳۳۱	فاروقِ اعظم کا خوف
		۳۳۱	لطیفہ
		۳۳۳	اللہ کی فوج
		۳۳۳	مچھر اور مکھیاں
		۳۳۴	عاجز انسان
		۳۳۴	ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
۳۵۷	نادان عاشق	۳۳۵	اللہ کا ایک سپاہی
۳۵۸	دنیا اچھی ہے	۳۳۵	دیوار اور کیل
۳۵۹	حضرت ابراہیم علیہ السلام	۳۳۶	غفلت
۳۶۰	لطیفہ	۳۳۶	ندامت کے آنسو
۳۶۱	مردار دنیا	۳۳۷	ایک نجومی کی حکایت
۳۶۳	نامہ اعمال	۳۳۸	غضبِ الہی بچھانے کا نسخہ
۳۶۵	مادہ پرستوں کو جواب	۳۳۹	قومِ یونس علیہ السلام کا واقعہ
۳۶۶	انگوٹھے کی مثال		

گیارہواں وعظ - دنیا

نمبر صفحہ	مضامین	نمبر صفحہ	مضامین
۳۸۹	حضرت غوث اعظم اور آئینہ چینی	۳۹۶	شاہد بنی
۳۹۰	مولوی آزاد ہی کے مخالف نہیں	۳۹۷	ایک انگریز اور ایک بھکاری
۳۹۰	عاقبت کا خوف	۳۹۹	دنیا میں دل نہ لگاؤ
۳۹۱	حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر	۳۷۰	عربی اشعار
۳۹۲	اولیاء کی نظر	۳۷۰	عبرت ناک اشعار
۳۹۳	بایزید علیہ الرحمۃ کی نظر	۳۷۲	مغربی قومیں
۳۹۵	محمد آدمی کے دل کی	۳۷۲	لطیفہ
	بائیں جان جاتے ہیں	۳۷۳	ترقی کا ہیضہ
۳۹۶	پدید کا قصہ	۳۷۴	بے وفا دنیا
۳۹۷	تکمیل اسلام	۳۷۶	سلطان ابراہیم بن ادہم
۳۹۸	ہرچہ خواہی پوشش		کی حکایت
۳۹۸	برق کلیسا		
	غوث اعظم رحمہ اللہ عنہ کا		
	قطبہ عسید		
۴۰۱	لہو و لعب		
۴۰۲	موت کو یاد رکھو	۳۸۱	کمال تقویٰ
۴۰۳	حضرت خلیل علیہ السلام	۳۸۲	علماء کرام
	اور ملک الموت	۳۸۳	لطیفہ
۴۰۳	حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ	۳۸۴	اسلاف کا خوف
	رحمت اللہ علیہ	۳۸۵	سلطان الاعضا و دل
۴۰۴	الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ	۳۸۶	ارشاد رومی
۴۰۵	مثنوی شریف کی ایک حکایت	۳۸۷	حاکم ملک اور اسکے کارندے
۴۰۶	نتیجہ	۳۸۸	دل میں خدا کا خوف
		۳۸۹	آزادی

بارہ ہواں غوث اعظم تکمیل اسلام

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حمدِ باری تعالیٰ

اے خدائے مہرباں مولائے من
اے کریم کارساز بے نیاز
اے کہ نامتِ راحتِ جانِ دلم
ماخطا آریم و تو بخشش کنی
اللہ اللہ زینِ طرفِ ہر دمِ چہنما
اے خدایا بہر جنابِ تمہیں
اے انیسِ خلوتِ شہائے من
و اتم الاحسانِ شہِ بندہ نواز
اے کہ فضلِ تو کفیلِ مشکلم
نصرہ اذی و غفور زنی
اللہ اللہ زانِ طرفِ جم و عطا
چار بار پاک و آلِ با صفا

پسین از مقصدِ نبی و امان ما!
از تو پد رفتن زما کردن دعا

اعلیٰ حضرت قدس سرہ

تزی اس شان کے قربان یا غفار یا اللہ
مجھے ٹونے دیا عشقِ شہِ ابرار یا اللہ
تیرے فضلِ و کرم نے کی یہ میری عزت افزائی
بنایا مجھ کو مدارجِ شہِ ابرار یا اللہ

نسیب القادی

منوعات

رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ

وہ کیا جو دو کرم ہے شہ لطفی تیرا
 نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
 دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
 تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا
 فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جائیں
 خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھر میرا تیرا
 میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہواک کے حبیب
 یعنی محبوب و محبت میں نہیں میرا تیرا
 تیری سرکار میں لانا ہے رضا اسکو شفیع
 جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ وَسَلَّمَ

مُحَلَّا وَعَظًا و تَوْحِيدًا

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَمِّينَ وَالصَّلَاةُ
وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ
أَمَّا بَعْدُ

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ (پتھ)
”فرا دو وہ اللہ ایک ہے“

حضرات! اس وقت توحید باری کے متعلق کچھ عرض کرنے کو حاضر ہوا ہوں۔
مجھے یہ بتانا ہے۔ کہ اللہ ایک ہے۔ اور اس کی ذات و صفات میں دو سوا کوئی شریک
نہیں۔ یہ حقیقت بیان کرنے سے پہلے وجود باری کے متعلق بھی کچھ عرض کرنا
ضروری ہے۔ یعنی پہلے یہ جان لیا جائے۔ کہ اللہ ہے اور یقیناً ہے۔ میرے
بھائیو! اس لمحہ دور میں کئی بے دین ایسے بھی ہیں۔ جو سرے سے ہستی باری ہی
کے منکر ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ خدا ودا کوئی نہیں (معاذ اللہ) اور پھر لطمہا یہ۔ کہ یہ
لوگ اپنے آپ کو پڑھے لکھے اور عقلمند بھی گمان کرتے ہیں۔ حالانکہ وجود باری کا
انکار ساری جہالتوں سے بڑھ کر جہالت اور ساری حماقتوں سے بڑھ کر حماقت ہے
ایسے ہی لوگوں کو میں جو قوت عقلمند کہا کرتا ہوں۔ وجود باری تعالیٰ کا ثبوت نقلاً

تو ہے ہی۔ عقلاً بھی ہے۔ اور عقل کا بھی یہ اقتضا ہے۔ کہ اس کائنات کا خالق و مالک یقیناً ہے :

وجودِ باری کا عقلی ثبوت دیکھئے! آپ اگر ایک میز یا کرسی کو دیکھتے ہیں۔ تو اس میز یا کرسی کے بنانے والے

کا تصور یقیناً آپ کے دماغ میں آ جاتا ہے۔ اور جب آپ اس کی تعریف کرتے ہیں۔ تو یوں کہتے ہیں۔ خوب ہے صاحب یہ کرسی اور بڑا مضبوط ہے یہ میز۔ کمال ہی کر دیا ہے بنانے والے نے۔ گویا بنانے والے کا ذکر کرنا ہی پڑتا ہے۔ اس لئے کہ عقل کا یہ فتوے ہے۔ کہ مصنوع کے لئے صنایع کا ہونا ضروری ہے۔ اور یہ ہو نہیں سکتا۔ کہ ایک بنی ہوئی چیز ہو۔ مگر اس کا بنانے والا کوئی نہ ہو۔ بغیر فاعل کے فعل کا صدور کب ممکن ہے اور اگر اس کرسی ہی کی آپ تعریف کئے جائیں۔ بنانے والے کا بظاہر چاہے نام نہ بھی لیں۔ تو بھی ساری تعریف واصل اس بنانے والے ہی کی تعریف ہوتی ہے۔ مثلاً آپ یوں کہتے ہیں۔ کہ واہ وا کیسی خوبصورت کرسی ہے، کیسی اچھا ڈیزائن ہے۔ کس قدر مضبوط ہے۔ کیسی نفیس رنگ ہے۔ تو یہ سارے تعریفی جملے دراصل اسی کرسی کے بنانے والے ہی کی تعریف میں ہیں۔ کہ بنانے والے کا ہی تو یہ کمال ہے۔ کہ اس نے ڈیزائن بھی اچھا بنایا ہے۔ مضبوط بھی بناٹی۔ اور رنگ بھی اچھا کیا۔ ورنہ کرسی کا خود اپنا ذاتی کمال تو کوئی ہی نہیں :

انبیاء و اولیاء کی تعریف بنسیر گو! یہاں یہ بات بھی سمجھ لیجئے۔ کہ خالق کائنات نے جو کچھ بھی پیدا فرمایا

ہے۔ اس میں سے ہم جس مخلوق کی بھی تعریف کریں گے۔ وہ تعریف وصال اسی خالق کائنات کی ہوگی۔ مثلاً ہم ایک گلاب کے پھول کو دیکھ کر اسکے رنگ و بو کی تعریف کریں۔ تو یہ درحقیقت گلاب کو رنگ و بو بخشنے والے کی تعریف ہے۔ کسی خوبصورت پرندے یا کسی دوسرے جانور کو دیکھ کر اس کی تعریف کریں۔ تو یہ بھی دراصل اس کے خالق کی تعریف ہے۔ اسی طرح

خدا کی جس مخلوق کی بھی تعریف کی جائے گی۔ وہ دراصل اسی ربِّ کائنات کی تعریف ہوگی۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے :-

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

یعنی "سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں۔ جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔" — گویا مخلوق کی تعریف خالق کی تعریف ہے۔

تقریباً اسی طرح اللہ کے نبیوں، ولیوں اور اس کے مقبولوں کی بھی جس قدر تعریف کی جائے گی وہ تعریف بھی سب اللہ ہی کی تعریف ہوگی۔ آپا حسن یوسف کی تعریف کرتے ہیں۔ تو یہ تعریف دراصل حسن یوسف کے خالق کی تعریف ہے۔ اس لئے کہ اَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ آپا م عیسیٰ کی تعریف کرتے ہیں۔ تو یہ تعریف بھی دراصل عیسیٰ علیہ السلام کو یہ اعجاز بخشنے والے کی تعریف ہے۔ اس لئے کہ الحمد لله رب العالمین۔ آپا یدر بیضارِ موسیٰ کی تعریف کرتے ہیں۔ تو یہ تعریف بھی موسیٰ علیہ السلام کو یدر بیضار عطا فرمانے والے کی تعریف ہے۔ اس لئے کہ الحمد لله رب العالمین۔ اسی طرح آپا اپنے آقا و مولے حضور سرورِ عالم عیسیٰ اللہ علیہ وسلم کے حسن بیشتال اور جمال و کمال کی تعریف کرتے ہیں۔ یا آپا کے علم ماکان و مایکون اور آپا کے قدرت و اختیار کی توصیف کرتے ہیں۔ یا آپا کے ان بے مثل و بے نظیر اوصاف و کمالات کی جو خدائی بھر میں کسی دوسرے میں نظر نہیں آتے۔ تعریف کرتے ہیں۔ بشر میں تعریف کرتے ہیں۔ یا حضور کی جامع کمالات ذات منبع البرکات کو دیکھ کر اعلیٰ حضرت کی طرح نظم میں تعریف کرتے ہیں۔ اور یوں کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں :-

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے	باغ خلیل کا گلِ زیبا کہوں تجھے
حرام نصیب ہوں تجھے امید کہ کہوں	جان مراد و کانِ ثنا کہوں تجھے
بے داغ لالہ یا تیرے کلفت کہوں	بے خار گلین چمن آرا کہوں تجھے
مجرم ہوں اپنے عفو کا ساماں کروں شہا	یعنی شفیع روزِ جزا کا کہوں تجھے
اس مردہ دل کو مزدہ حیاتِ ابرکادوں	تاب و توانِ جان مسیحا کہوں تجھے

تیرے تو وصف عیب تھا ہی سے ہی بری جیسا ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضا نے ختم سخن اس پر کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا مولا کہوں تجھے

تو یہ سب تعریفیں بھی درحقیقت اس اللہ کی ہی تعریفیں ہیں جس
نے اپنے محبوب کو اس قدر فضائل و کمالات عطا فرمائے۔ اس لئے کہ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

خدا اپنے محبوبوں کی تعریف سے خوش ہوتا ہے | دوستو! اس مثال
سے یہ حقیقت بھی

ظاہر ہے۔ کہ کسی کاریگر کی بنی ہوئی چیز کی جب تعریف کی جائے۔ تو
کاریگر اپنی مصنوع کی تعریف سے خوش ہوتا ہے۔ دیکھئے جب آپ کرسی
کی تعریف کریں گے۔ تو تعریف کرسی کی ہو رہی ہے۔ اور خوش کرسی کا بنانے
والا ہو رہا ہے۔ اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ تعریف دراصل میری ہے۔ اور
اگر آپ اس کرسی میں نقص نکالنے لگیں۔ اور یوں کہنے لگیں۔ کہ یہ کس قدر
بھونڈی ہے۔ اس کا رنگ اچھا نہیں۔ اس کی فلاں جگہ خراب ہے۔ تو اس
تنقیص سے کرسی کا تو کیا بگڑے گا۔ کاریگر کو غصہ آئیگا۔ تو بلاشبہ جو لوگ
انبیاء کرام و اولیاء عظام کی تعریف میں رطب اللسان رہتے ہیں۔ ان کی
اس تعریف سے انبیاء و اولیاء کا خالق خوش ہوتا ہے۔ اور جو گستاخ ان اللہ
والوں کی تنقیص میں لگے رہتے ہیں۔ کہ ان میں یہ خوبی بھی نہیں۔ یہ کمال
بھی نہیں۔ ان کی اس تنقیص سے خدا ناراض ہوتا ہے۔ اور اپنے جلال
میں یوں فرماتا ہے :-

ذَمِّیْ وَالْبُکْیٰ بَیْنَ — (پتہ ۱۳) یعنی دیا رسول اللہ

تھوڑے دیکھتے مجھے اور ان جھٹلانے والوں کو :-

گویا ان بے دین گستاخوں کا مقابلہ خدا سے ہوتا ہے۔ اسی لئے

اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے۔

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے :- یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

حماقت

اور یہیں سے اندازہ کر لیجئے۔ اس حماقت کا بھی۔ جو ہمیں یہ کہا جاتا ہے۔ کہ یہ اہل سنت تو نبیوں اور ولیوں کی اس قدر تعریف کرتے ہیں۔ اور انہیں اتنا بڑھا دیتے ہیں۔ کہ انہیں خدا ہی بنا ڈالتے ہیں۔ حالانکہ جو مخلوق ہے۔ اس کی چاہے کتنی تعریف کی جائے۔ وہ خالق بن ہی نہیں سکتی۔ کیوں صاحب! اگر کوئی کرسی کی جی بھر کے تعریف کرے۔ اور ایک احمق اس کی اس تعریف کو سن کر یوں کہنے لگے۔ کہ دیکھئے صاحب! آپ نے تو کرسی کی اس قدر تعریف کر ڈالی ہے کہ اس کرسی کو بڑھتی بنا ڈالا ہے۔ یا اگر کوئی کسی کوٹ یا واسکٹ کی تعریف کرے اور کوئی بیوقوف کہنے لگے۔ کہ صاحب آپ نے تو اس کوٹ اور واسکٹ کو درزی بنا ڈالا ہے۔ تو فرمائیے! تعریف کرنے والا غلطی پر ہے یا یہ اعتراض کرنے والا جاہل و بیوقوف ہے؟ یقیناً یہ معترض ہی احمق ہے۔ جو نہیں سمجھتا کہ مصنوع کی چاہے کس قدر تعریف کی جائے۔ وہ صانع بن ہی نہیں سکتی۔ تو اسی طرح کسی بنی یا ولی کی چاہے کتنی تعریف کی جائے۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ بنی یا ولی خدا بن جائے۔ مگر کسی نے خوب کہا ہے۔

خدا جب دین لیتا ہے حماقت آہی جاتی ہے

تو میں کہہ رہا تھا کہ ایک کرسی کو دیکھ کر اس کے بنانے والے کا تصور خواہ مخواہ آ جاتا ہے۔ اسی طرح ایک زیور کو دیکھ کر سنار کا تصور آ جاتا ہے۔ ایک تالے کو دیکھ کر لوہار کا تصور آ جاتا ہے۔ آپ ایک جنگل میں جا رہے ہوں۔ اور آپ کو زمین پر انسانی پیروں کے نشان نظر آئیں تو ان نشانوں کو دیکھ کر آپ کی عقل یہ فتویٰ دیتی ہے۔ کہ یہاں سے ضرور کوئی انسان گزرا ہے۔ اور آپ عقل کے اس فتویٰ کو تسلیم کر لیتے ہیں اور اس گزرے ہوئے انسان کو بغیر دیکھے بھی مان لیتے ہیں۔ کرسی کے بنانے والے کو دیکھا نہیں۔ مگر مانتے ضرور ہیں۔ زیور کے بنانے والے کو دیکھا نہیں۔ مگر مانتے ضرور ہیں۔ تالے کے

بنانے والے کو دیکھا نہیں۔ مگر مانتے ضرور ہیں۔ تو میرے بھائیو! جب کرسی کا بنانے والا ہونا ضروری ہے۔ زیور و تالا بغیر بنانے والے کے نہیں بن سکتا اور ان بنانے والوں کو بغیر دیکھے بھی عقلاً تسلیم کر لیتے ہو۔ تو یہ اتنی بڑی زمین اور یہ اس قدر بلند و رفیع آسمان اور یہ کائنات کے عجائب و غرائب جو تمہارے سامنے ہیں۔ کیا ان کا بنانے والا کوئی نہیں؟ کیا وہ عقل جو ایک معمولی تالے کے لئے اس کے بنانے والے کا وجود ضروری بتاتی ہے اتنے بڑے جہان کے بنانے والے کا وجود ضروری قرار نہ دے گی؟ دے گی اور ضرور دے گی۔ اور دو جہان کے خالق پر بن دیکھے بھی ایمان لے آئیگی یہ ایچ چیزے خود بخود چیزے نہ شدہ، ایچ آہن خود بخود تیتھے نہ شدہ
 اس سبب اور نظر پر دلا استہ و حقیقت فاعل ہر شے خدا است

دوستو! خدا کے منکروں اور دو دو تین تین خدا ماننے
ایک دانا بڑھیا والوں کی عقل تو ایک بڑھیا کی عقل سے بھی مقابلہ

نہیں کر سکتی۔ ایک دانا بڑھیا کی حکایت ہے۔ کہ وہ بیٹھی چرخہ کات رہی تھی۔ کہ کسی عالم نے اس سے دریافت کیا: "بڑھیا! ساری چرخہ ہی کاتے میں گزری یا کوئی خدا کی پہچان بھی حاصل کی؟" بڑھیا نے جواب دیا: "بیٹا خدا کا شکر ہے۔ کہ تھوڑی بہت اس کی پہچان ہے" عالم نے پوچھا: "اچھا بتاؤ تو خدا ہے یا نہیں؟" بڑھیا نے جواب دیا: "ہاں اور یقیناً ہے" عالم نے پوچھا: "دلیل کیا ہے؟" بڑھیا بولی: "دلیل یہ میرا چرخہ: عالم نے پوچھا: "یہ کیسے؟" وہ بولی: "جب تک میرے اس چرخے کو کوئی چلانے والی نہ ہو، یہ نہیں چلتا تو میں نے اس سے یہ سمجھ لیا۔ کہ جب میرے چھوٹے سے چرخے کو کسی چلانے والے کی ضرورت ہے۔ اور یہ بغیر چلانے والے کے چل نہیں سکتا۔ تو زمین و آسمان کا اتنا بڑا چرخہ بغیر کسی چلانے والے ہی کے چل رہا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا چلانے والا بھی ہے۔ مولوی صاحب یہ جواب سن کر بڑے خوش ہوئے۔ اور پھر پوچھا۔ اچھا اب یہ بتاؤ۔ کہ آسمان کا چرخہ چلانے والا ایک ہے یا دو؟" بڑھیا نے جواب دیا: "ایک ہے" مولوی صاحب نے پوچھا۔

یہ کیسے؟ وہ بولی۔ یہ ایسے کہ چرخہ چلانے کے لئے اگر دو عورتیں بیٹھ جائیں۔ تو یا تو وہ دونوں ایک ہی طرف کو چرخہ چلائیں گی۔ اور یا ایک ایک طرف اور دوسری، دوسری طرف، پہلی عورت میں چرخہ معمول سے زیادہ تیز چلنے لگے گا۔ اور دوسری صورت میں یا ٹرک جائے گا۔ یا ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر اسے چلانے والی ایک ہوگی۔ تو اپنی مرضی سے اسے معمول کے مطابق ایک ہی طرف کو چلاتی رہے گی۔ تو اس سے میں نے یہ سمجھ لیا۔ کہ اگر زمین و آسمان کے چرخے کو چلانے والے دو خدا ہوتے۔ اور اگر وہ اس چرخے کو ایک طرف چلاتے۔ تو اس کی رفتار میں معمول سے زیادہ تیزی پیدا ہو جاتی۔ دن رات بجائے چوبیس گھنٹے کے دس بارہ گھنٹے کے رہ جاتے۔ ان کے نظام میں فرق آ جاتا۔ اور اگر ایک خدا اس کو ایک طرف، اور دوسرا دوسری طرف چلاتا۔ یعنی ایک کہتا کہ میں آج مینہ برسائوں گا۔ دوسرا کہتا۔ نہیں میں تو آسمان صاف رکھوں گا۔ ایک کہتا کہ میں زہر کا مرض دور کر کے آئے شفا دوں گا۔ دوسرا کہتا۔ میں تو اس کے پاس تک الموت بھیج رہا ہوں۔ تو اس صورت میں یہ زمین و آسمان کا چرخہ ٹوٹا پھوٹتا جاتا۔ مگر چونکہ ایسا نہیں ہوا۔ لہذا ثابت ہوا۔ کہ خدا ہے اور ایک ہے۔ مولوی صاحب بڑھیا کے یہ ایمان افروز دلائل سن کر بڑے عوش ہوئے۔ دیکھئے! اس دانا بڑھیانے اپنے چرخے سے کیا کچھ حاصل کر لیا۔ یہی وہ مبارک عقل ہے۔ ہوتا ہوا آج کل کے لحدین اور دہریوں کے پاس نہیں ہے۔ اور جو سولہ آہ (لا یثقلین) کے مصداق ہیں۔ یہ لوگ اپنی حماقت سے اپنی برائے نام عقل اور سائنس پرنازوں کو کر خدا تعالیٰ کی ہستی کا انکار کر دیتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کو بعض اوقات اس دنیا میں بھی سزا مل جاتی ہے۔ پناہ حضرت مولانا ابوالفی علیہ الرحمۃ سے مثنوی شریف میں لکھا ہے۔ کہ

ایک فلسفی جا رہا تھا۔ راستے میں اس نے
ایک تازی سے قرآن کی یہ آیت سنی۔

مَلَأَ آرَءَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَیْرًا
فَمِنْ یَّأْتِیْكُمْ بِمَاءٍ مَّعِیْنٍ - (پہا ۲)

”تم فرما دو بھلا دیکھو تو اگر صبح کو تمہارا پانی زمین میں دھنس جاتے تو وہ کون ہے جو تمہیں پانی لادے۔ نگاہ کے سامنے بہتا ہے۔
خدا تمہارے لئے نے اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ان تمہارے پانیوں کو میں اگر زمین میں دھنسا لوں۔ اور تمہارے کنوئیں کا پانی اگر اس قدر نیچے چلا جائے۔ کہ کوئی ڈول و دل وہاں تک نہ پہنچ سکے۔ پانی کو بالکل خشک ہی کر دوں تو وہ کون ہے۔ جو اس پانی کو واپس لے آئے۔ واقعی یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ خدا کے سوا کوئی بھی وہ پانی پھر واپس نہیں لا سکتا۔ مگر وہ فلسفی جسے اپنے آلات سائنس پر ناز تھا۔ یہ آیت سن کر طنزیہ ہنسی ہنسا اور کہنے لگا ہے
 ما بزخم بیل و تیزی تبرا: آب را آریم از پستی زبر
 ”اس پانی کو ہم اپنے آلات سے اوپر لے آئیں گے۔ اس میں کونسی مشکل بات ہے“

شب بخفت دید آں یک شیر مرد: زد طماچہ بر دو چشمش، کور کرد
 ”فلسفی رات کو سویا۔ تو خواب میں اُسے ایک بہادر اور قوی شخص نظر آیا اس شخص نے آتے ہی اس فلسفی کو زور سے ایک طماچہ دے مارا۔ طماچہ لگتے ہی فلسفی کی دونوں آنکھوں میں سے جو نور کے قطرے تھے۔ بہ نکلے اور وہ اندھا ہو گیا۔ اور پھر اس قوی شخص نے کہا ہے

گفت زین دو چشمہ چشم شقی: با تر نورے بیار ارسادقی
 ”اے فلسفی! اگر واقعی تو سچا ہے۔ اور تیرے آلات سائنس کچھ ایسا ہی کمال رکھتے ہیں۔ تو پہلے اپنی ان دو آنکھوں کے چشموں کا پانی اُپس لا کر دکھا۔ وہ فلسفی صاحب صبح اٹھے۔ تو اندھے تھے۔ اور ان کی ساری سائنس دھری دھرائی رہ گئی۔

مشترکین کے خدا | میرے بھائیوں! وجود باری تسلیم کر لینے کے بعد بعض گمراہوں نے دو دو اور تین تین خدا قرار دے لئے ہیں۔ اور بعض نے اس سے بھی زیادہ۔ ان ہندوؤں کو دیکھئے۔ انہوں نے کئی کئی دیوتا اور خدا بنا رکھے ہیں۔ سانپا ان کا دیوتا ہے۔ بندر ان کا دیوتا۔

پانی ان کا خدا۔ آگ ان کا خدا۔ ایک شاعر نے کیا خوب لکھا ہے کہ
 جو حقہ پئیں تو ہویدا خدا ہو۔ جو چوہیا جلائیں تو پیدا خدا ہو
 ذرا اس خدا پر جو انڈیلیں پانی تو مخلوق باقی اور اللہ خانی
 یونہی آگ بھی ان کا خدا اور پانی بھی ان کا خدا۔ اب ان دونوں کی
 جنگ کا نظارہ چوہے پر دیکھتے۔ ایک دیوتا نیچے چل رہا ہے۔ اور ایک
 اوپر ابل رہا ہے۔ اگر نیچے والا دیوتا زیادہ گرم ہو جائے۔ تو اوپر والے دیوتا
 کا معاملہ صاف اور اگر اوپر والے دیوتا صاحب جوش میں آجائیں اور باہر
 نکل کر نیچے والے دیوتا کے اوپر آکھیں۔ تو نیچے والے دیوتا کا معاملہ صاف
 تو فریٹے یہ بھی کوئی عقل ہے۔ کہ ایسی چیزوں کو دیوتا مانا جائے۔ مگر
 یہ واقعہ ہے کہ یہ ہندو ان چیزوں کو دیوتا مانتے ہیں۔ میرے خیال میں
 جو چیز ان لوگوں کو زیادہ طاقتور، مہیب یا عجیب نظر آتی ہے۔ اسے
 جھٹ یہ لوگ دیوتا تسلیم کرنے لگ جاتے ہیں۔

مجھے خوب یاد ہے۔ ایک مرتبہ پہلی کے ایک جلسہ میں مولانا
 محمد شفیع صاحب المعروف بہ دہن میاں نے اپنی تقریر میں یہ

بات سنائی۔ کہ دلی میں جب پہلی مرتبہ ریل گاڑی آئی ہے۔ ان دنوں میں
 اپنے ایک بوڑھے ہندو دوست کے ساتھ بٹرنس سیر والی سے کچھ دور نکل
 گیا۔ اتفاقاً ریلوے لائن قریب آگئی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے ریل
 گاڑی گزری۔ میرے ہندو دوست نے اس سے پہلے کبھی ریل گاڑی نہ
 دیکھی تھی۔ جب اس نے زور شور سے گاڑی کو گزرتے دیکھا۔ تو فوراً سجدہ
 میں گر کر کہنے لگا۔ "بے پھپھ پھپھ اتی تیری جے ہو" دیکھا آپ نے
 شرک و کفر نے انسان کو کس قدر ذلیل کر دیا۔ کہ ہندوؤں، درختوں،
 اور گاڑیوں کے آگے جھکا دیا۔

اسی طرح جو لوگ تین خدا مانتے ہیں۔ وہ بھی مشرک ہیں۔ اور یہ
 سب بے عقلی۔ اور گمراہی کی باتیں ہیں۔ اسلام نے آکر ان حماقتوں جہالتوں
 گمراہیوں اور ذلتوں کو مٹایا۔ اور اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سے کہلوا یا۔ کہ میرے محبوب قلّٰ هو اللّٰهُ اَحَدًا۔ تو کہہ دے کہ اللّٰہ ایک ہے۔ سبحان اللّٰہ! اپنی توحید کا اعلان اپنے محبوب سے کرایا جاتا ہے۔ اور فرمایا جاتا ہے۔ پیارے تو کہہ دے۔ گویا اسے محبوب ہزاروں پیغمبروں نے میری توحید کا ڈنکا بجایا۔ مگر یہ گمراہ اور مشرک پھر بھی شرک و گمراہی سے باز نہیں آئے۔ اب اسے محبوب تو کہہ دے۔ کہ اللّٰہ ایک ہے۔

قل کہہ کے اپنی بات بھی منہ سے تری سنی: اللّٰہ کو ہے اتنی تری گفتگو پسند چنانچہ حضور صلّے اللّٰہ علیہ و سلّم نے علی الاعلان فرما دیا: اللّٰہ ایک ہے۔ میرے آقا و مولیٰ صلّے اللّٰہ علیہ و سلّم کی یہ مبارک آواز مشرق و مغرب، جنوب و شمال میں گونجی۔ دنیائے کفر و شرک میں لرزہ طاری ہوا بت منہ کے بل اوندھے گرے۔ شیطان اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا۔ گویا

وہ کڑکا ہٹا بجلی کا یا صوٹا ہادی

عرب کی زبیں جس نے ساری ہلا دی

حضور کی اس مبارک آواز کا یہ اثر دیکھا کہ دنیا کی توجہ توحید کی طرف ہونے لگی۔ مشرکین میں سے بعض لوگ توحید کو اپنلنے لگے۔ چنانچہ آجکل کے ہندوؤں میں سے آریہ اور سکھ بزمِ خویش توحید پرست ہیں۔ اور سناتن دھرمیوں کے اسی لئے خلاف ہیں۔ کہ وہ مورتی پوجا کرتے ہیں۔ عیسائیوں میں بھی ایک ایسا فرقہ پیدا ہو گیا ہے۔ جو مریم و عیسیٰ علیہما السلام کی تصویروں کی پوجا کا مخالف ہے۔ تو یہ سب کچھ میرے آقا و مولیٰ صلّے اللّٰہ علیہ و سلّم کے اعلانِ توحید کا کرشمہ ہے۔ مجھے یہاں اکبر الہ آبادی کا ایک مزیدار واقعہ یاد آ گیا ہے۔

اکبر کا ایک مزیدار شعر | اکبر الہ آبادی ایک انگریز افسر سے ملنے کے لئے دفتر میں گیا۔ انگریز کے آفس میں جو گھڑی

لگ رہی تھی۔ خراب تھی۔ تین بجے کا ٹائم تھا۔ اور اس گھڑی کی سوئی جب تین کے نشان پر آئی۔ تو بجائے تین کے اس نے ایک بجایا۔ اکبر کی رگیا ظرافت پھر کی اور جھٹ بولا۔

”ثلیث کے قائل نے کہا مجھ سے خدا ایک“

یعنی یہ انگریز کی گھڑی ہے۔ جو عیسائی ہے۔ اور تین خداؤں کا قائل ہے تو اس ”ثلیث“ کے قائل کی گھڑی نے بھی اس وقت جبکہ تین ہی بچے کا ٹائم ہے۔ بجائے مین کے ایک بجایا ہے۔ گویا تین خداؤں کے قائل نے آج ایک خدا ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔

”ثلیث کے قائل نے کہا مجھ سے خدا ایک اور اگلا مرحلہ سنئے کیا خوب ہے تھی تین پر سوئی میری ہیبت سے بچا ایک

یعنی اس عیسائی کی گھڑی نے تین پر سوئی ہونے کے باوجود ایک کیوں بجایا؟ اس لئے کہ اس نے دیکھ لیا کہ ایک ”محمدی“ آ بیٹھا ہے۔ بس یہ میری ہیبت تھی۔ کہ وہ عیسائی گھڑی تین نہ بجا سکی۔ اور میری ہیبت سے بچا ایک۔ تو میرے بزرگو! یہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے اعلان توحید کی برکتیں ہیں کہ آج فرزندان توحید کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔

میرے بزرگو! اب دیکھنا یہ ہے کہ توحید کہتے کسے ہیں۔

توحید کیا ہے؟ اس زمانہ میں کئی عیسائی۔ آریہ اور سکھ بھی بظاہر توحید کو اپناتے نظر آتے ہیں۔ مگر کیا وہ موحد ہیں؟ مومن ہیں؟ ہرگز نہیں یاد رکھیے اللہ کو ایک ماننا اور لاشرک جانا اور اسے اس کی صفات سمیت ماننا۔ یہ توحید ہے۔ اب جو اللہ کو ایک تو مانے۔ مگر اس کی کسی صفت پر ایمان نہ لائے۔ تو وہ موحد و مومن نہیں۔ بلکہ بے ایمان ہے۔ مثلاً یوں کہے کہ اللہ ہے اور ایک ہے۔ مگر وہ رازق نہیں۔ یا وہ مالک نہیں۔ یا یوں کہے کہ اللہ ہے اور ایک ہے مگر وہ قادر نہیں۔ عالم نہیں۔ تو اس کا اللہ کو ایک کہنا بیکار ہے۔ اور وہ اللہ کی کسی ایک صفت کا بھی انکار کر کے مومن و موحد ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بے ایمان کا بے ایمان ہے۔

تو میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ کی بے شمار صفات ہیں سے ایک صفت مُرسِلِ مُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ و سلم) بھی ہے۔ یعنی وہ اللہ ﷺ صلی اللہ علیہ و سلم کا بھیجے والا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ كُنُوْا الَّذِي

ارْسَلْنَا رَسُوْلًا - تو جو شخص اللہ کو مانے۔ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو نہ مانے۔ تو اس نے خدا کی ایک صفت "مرسل محمد" کا انکار کر کے خدا کو نہیں مانا۔ اور وہ موجد و مومن ہرگز نہیں ہوا۔ بلکہ کافر کا کافر ہی بنا۔ موجد و مومن وہ ہے۔ جو اللہ کو مانے اور اس کے رسول کو بھی مانے۔

بعض لوگ ایمان باللہ کے بعد ایمان بالرسول کو ضروری نہیں سمجھتے۔ اور اپنے دعویٰ کے ثبوت میں قرآن کی یہ آیت پیش کرتے ہیں:-

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صٰلِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (پہلے ۸)

یعنی جو لوگ ایمان والے ہیں۔ اور جو لوگ یہودی اور عیسائی، اور ستارہ پرست ہیں۔ ان میں سے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائیں۔ اور نیک کام کریں۔ ان کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے۔ اور انہیں کچھ اندیشہ ہے۔ اور نہ کچھ غم۔

اور کہتے ہیں۔ کہ دیکھ لو۔ اس آیت میں صرف ایمان باللہ۔ اور ایمان بالقیامت ہی کا ذکر ہے۔ ایمان بالرسول کا کوئی ذکر نہیں۔ تو اسے میرے بھائیو! یہ کہنا بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ اس آیت میں جو ایمان باللہ کا ذکر ہے۔ اسی میں ایمان بالرسول بھی آجاتا ہے۔ بات دراصل وہی ہے جو میں کہہ چکا کہ اللہ کو اس کی ساری صفات کے ساتھ جب تک نہ مانا جائے۔ ایمان کا وقوع ناممکن ہے۔ تو اللہ کی ایک صفت یہ بھی ہے۔ کہ وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی اور رسولوں کا سردار بنا کر بھیجے والا ہے۔ تو جو اللہ کو مانے گا۔ اسے یہ بھی ماننا پڑے گا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول۔ اور رسولوں کے سردار ہیں۔ تو آیت مذکورہ میں مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ کا مطلب صاف ہو گیا۔ کہ عیسائیوں، یہودیوں اور ستارہ پرستوں میں سے جو اللہ اور اسکے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔ اور قیامت پر بھی ایمان لائیں۔ اور پھر شریعت محمدیہ کے مطابق نیک عمل کریں۔ تو اُن

کے لئے نجات ہے ورنہ نہیں !

بھائیو! حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے علاوہ دوسرے پیغمبروں کا بھی بیٹہ والا اللہ ہی ہے۔ وہ آدم کا بیٹہ والا ہے۔ نوح کا بیٹہ والا ہے۔ ذکریا کا بیٹہ والا بھی ہے۔ موسیٰ کا بیٹہ والا بھی ہے۔ عیسیٰ کا بیٹہ والا بھی ہے (علیہم السلام) تو یہ حقیقت ہے۔ کہ اگر کوئی شخص اللہ پر ایمان لائے۔ مگر اللہ کے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں سے کسی ایک رسول کی بھی رسالت کو نہ مانے۔ تو اس نے اللہ کو ہرگز نہیں مانا۔ جو اللہ پر ایمان لانے گا۔ اسے اللہ کے سارے رسولوں پر ایمان لانا پڑے گا۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں۔ کہ یہ تو اللہ کے پیارے مقرب اور رسول ہیں۔ مجھ کو دیکھتے ایک گنہگار امتی ہوں۔ مگر یہ حقیقت ہے۔ کہ اگر کوئی شخص اللہ پر ایمان لائے۔ اور ساتھ ہی وہ یہ کہہ دے۔ کہ اللہ بشیر کا خالق نہیں (معاذ اللہ) تو یہ کہنے سے بھی وہ مومن باللہ نہ رہے گا۔ اس کا ایمان صحیح ہوگا۔ جبکہ وہ اللہ کو خالق بشیر بھی مانے۔ تو بھائیو! جو شخص زید۔ عمر۔ بکر کے متعلق کہے۔ کہ یہ اللہ کی مخلوق نہیں اور اللہ نے انہیں پیدا نہیں کیا وہ ایماندار نہیں ہو سکتا۔ تو جو اللہ کے محبوب اور سارے نبیوں کے سردار حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و سلم کی رسالت کو نہ مانے اور کہے۔ کہ یہ اللہ کے رسول نہیں۔ اور اللہ ان کا مرسل نہیں۔ (معاذ اللہ) تو وہ بے ایمان "مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ" میں کیسے آ سکتا ہے؟

دوستو! قرآن اپنی تفسیر آپ بھی فرماتا ہے۔ آیت اس

قرآن کا ارشاد

یہ دیکھتے ارشاد ہوتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ

عَلَيْكُمْ رَأُيُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ مِنْ تَبْلُ - (پیت ۱۷)

"اے ایمان والو! اللہ کو مانو اور اس کے رسول کو مانو۔ اور اس

کتاب کو مانو۔ جو اللہ نے اپنے رسول پر اتاری۔ اور اس کتاب

کو مانو جو اس نے پہلے اتاری۔

کڑھ لکھیے! اس جگہ صاف صاف ارشاد ہو رہا ہے۔ کہ اللہ کو مانو۔ اور اس کے رسول کو مانو۔ اور جو کتاب حضور پر اس نے اتاری اس کو بھی مانو۔ اور جو کتاب پہلے اتری اس کو بھی مانو۔ ہے اَمَّنْ بِاللّٰهِ كِيْ پوری تفسیر۔ اب ذرا اس آیت کو پڑھنے سے سننے کے بعد نجدی توحید کا اعلان پھر سنئے۔ کہ "اللہ کے سوا کسی کو نہ مانو اور انصاف کیجئے۔ کہ کیا توحید اسی کا نام ہے مگر گروہی این است لعنت بروہی۔

حضرات! آج کسی عیسائی۔ سکھ۔ آریہ سے بھی خدا کو سبک مانتے ہیں پوچھئے۔ تو وہ خدا کا انکار نہ کریں گے۔ اور یہی کہیں گے۔ کہ ہم خدا کو مانتے ہیں۔ اور اسی طرح پہلے کافر بھی اللہ کے منکر نہ تھے۔ وہ اللہ ہی کو زمین و آسمان کا خالق مانتے تھے۔ اور اللہ ہی کو مینہ برسانے والا اور دیگر نعمات فرمانے والا جانتے تھے۔ دیکھ لیجئے خدا خود فرماتا ہے۔۔

وَلَيْتَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلَنَّ اللّٰهُ — یعنی اگر تم ان مکہ کے کافروں سے پوچھو کہ یہ آسمان اور زمین کس نے بنائے ہیں تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔

وَلَيْتَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَامْتٰ بِهٖ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلَنَّ اللّٰهُ۔ (پا ۴۷) اور جو تم ان سے پوچھو۔ کہ آسمان سے پانی کس نے اتارا اور اس کے سبب زمین زندہ کر دی مگر پیچھے تو ضرور کہیں گے۔ اللہ نے۔

ان آیات سے ثابت ہوا۔ کہ کافر اللہ کو مانتے تھے۔ مگر باوجود اس ماننے کے کافر کیوں قرار دیتے گئے؟ صرف اس لئے۔ کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان نہ لائے۔ گویا انہوں نے اسی تقویۃ الایمانی توحید کا مظاہرہ کیا۔ کہ اللہ کے

سوا کسی کو نہ مان : تو اس قسم کی توحید انہیں لے ڈوبی ۔

پس یاد رکھئے کہ صرت ■ الا الا اللہ کہہ لینے سے ایمان،
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی کبھی تکمیل نہیں ہوتی ۔ اور نجات کبھی حاصل نہیں

ہوتی ۔ اگر ایسا ہوتا تو کافر اپنی موجودہ تعداد سے دنیا میں بہت کم تعداد
 میں ہوتے ۔ اس لئے کہ لا الہ الا اللہ کو کسی نہ کسی رنگ میں سب ہی
 مانتے ہیں ۔ تو یہ کفر و اسلام میں ماہہ الامتیاز جو چیز ہے ۔ وہ ہے حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت، اور لا الہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ

پس خوب یاد رکھو ۔ کہ بجز حضور صلی اللہ علیہ وسلم
مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ کے توحید، توحید نہیں، ایمان، ایمان نہیں۔ اور

جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر خدا کو پانا چاہے گا ۔ ہرگز
 نہ پاسکے گا کہ سے

خدا کے سب ہیں بندے پر خدا ملتا نہیں ان کو
 خدا ملتا ہے ان کو جو بنے بندے سمجھنے کے

دوسرا وعظ رسالت

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ
مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ

اَمَّا بَعْدُ

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ

محمد اللہ کے رسول ہیں (پہلے ۱۱)

حضرت! اس آیت کریمہ میں آپ نے سن لیا کہ کس کا نام نامی اور
اسم گرامی لیا گیا ہے۔ اور یہ آیت کون سے پیارے نام کے
شروع ہوتی ہے؟ سبحان اللہ! یہ وہ نام پاک ہے جس کے متعلق
اعلیٰ حضرت نے کیا خوب لکھا ہے کہ
لب پہ آجاتا ہے جب نام جناب منہ میں گھل جاتا ہے شہد نایاب
وجد میں ہو کے ہم لے جان بیتاب اپنے لب چوم لیا کرتے ہیں
یہ وہ نام پاک ہے۔ کہ جس کو سن کر بھی مسلمان کی روح
وجد میں آجاتی ہے۔ اور اس کا داغ فرش سے عرش تک جا پہنچتا
ہے۔ اس نام پاک کی لذت کو اہل ایمان جانتے ہیں اور اہل ایمان

ہی جان سکتے ہیں۔ خدا کی قسم! اس نام پاک میں بڑی لذت، بڑا کیف اور
بڑا ہی سرور ہے۔ مگر ایمان شرط ہے۔ دیکھیے قرآن میں خدا نے دودھ کے متعلق
فرمایا ہے :-

لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ ۝ دیکھ ۱۵۴

”خالص دودھ اور پینے والوں کے لئے گلے سے سہل اترنے والا

یعنی مزے دار“

مگر جس شخص کو پیریا کا بخار ہو اور اسے دودھ پلایا جاتے تو وہ
یہی کہے گا۔ اَخ تَقْوُ۔ کڑوا ہے اور گلے سے نہیں اترتا۔ تو فرمائیے خدا تو
دودھ کو مزیدار فرما رہا ہے۔ مگر یہ کہہ رہا ہے کہ بد مزہ ہے۔ تو کیا یہ حقیقت
نہیں کہ خدا کا فرمان تو سچا ہے۔ اور دودھ واقعی مزیدار ہے۔ مگر بخار زدہ کا
خود اپنا منہ ہی کڑوا اور بد مزہ ہے۔ تو اسی طرح نام نامی اسم گرامی **محمد** علی
اللہ علیہ وسلم۔ خدا کی قسم بڑا ہی مزیدار اور میٹھا نام ہے۔ مگر شرط یہ ہے
کہ مزاج صحیح ہو۔ ایمان موجود ہو۔ اور اگر کسی کو اس نام میں مزہ نہیں ملتا
اور نعرہ رسالت کڑوا معلوم ہوتا ہے۔ تو وہ اپنی فکر کرے کہ کہیں اس کا
اپنا مزاج ہی خراب نہ ہو۔ سچ ہے سے

بے عشق محمد جو پڑھاتے ہیں بخاری

آتا ہے بخار اُن کو بخاری نہیں آتی

تو میرے مسلمان بھائیو! تقریب سے پہلے آؤ مل کر اس نام پاک کا ورد
کر لیں۔ میں نے اس نام پاک کے متعلق ایک نظم لکھی ہے جس کا
عنوان ہے :-

”شہد سے پیٹھا محمد نام“

اس نام پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چار حروف ہیں۔ ”م، ح،
م، د“۔ میں نے انہیں چار حرفوں کے متعلق چند شعر لکھے ہیں۔ سنئے اور
سردھنئے! اس نظم کا مطلع ”شہد سے پیٹھا محمد نام“ آپ سب کے سب
ذوق شوق کے ساتھ میرے ساتھ ساتھ کہیں۔ اور باقی کے اشعار
خاموشی سے سنیں :-

شہد سے بیٹھا محمد نام
 "میم" مٹے توحید پلے اور "ح" حق سے آکے ملائے دوسری میم مراد دلالت
 اور "دال" محمد یارو دور کرے... آلام شہد سے بیٹھا محمد نام
 شہد سے بیٹھا محمد نام شہد سے بیٹھا محمد نام
 "میم" سے ہیں ہر دکھ کے ہلوا "ح" سے حامی ہر بچارہ دوسری میم "میم" کی بلجا
 "دال" بچا کر دوزخ سے فردوس کا درے پیغام شہد سے بیٹھا محمد نام
 شہد سے بیٹھا محمد نام شہد سے بیٹھا محمد نام
 "میم" سے ہیں محبوب رب کے "ح" سے حاکم عجم و عرب کے دوسری میم "میم" سے الگ سب کے
 "دال" سے دانا دونوں جان کے جو دہے ان کا عام شہد سے بیٹھا محمد نام
 شہد سے بیٹھا محمد نام شہد سے بیٹھا محمد نام
 "میم" محبت کی مے لایا "ح" نے حق کا جام پلایا دوسری میم "میم" نے مست بنایا
 "دال" سے دہیں شیر کے انکی یاد سے صبح و شام شہد سے بیٹھا محمد نام
 شہد سے بیٹھا محمد نام شہد سے بیٹھا محمد نام
 درود شریف پڑھئے :-

صَلِّ اللَّهُ عَلَيْكَ وَ سَلِّمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ!

صَلِّ اللَّهُ عَلَيْكَ وَ سَلِّمْ يَا حَبِيبَ اللَّهِ!

حضرات! اس آیت کریمہ میں اللہ نے اپنے محبوب کا نام لے کر ان کی رسالت کا ڈنکا بجایا ہے۔ آپ میرے پیلے وعظ میں سن چکے ہیں کہ اللہ نے اپنے محبوب سے فرمایا۔ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ۔ اے محبوب آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید حق کا اعلان فرمایا اور لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا نعرہ لگایا۔ تو اس آیت کریمہ میں اللہ نے "محمد رسول اللہ" فرما کر گویا اس امر کا اظہار فرمایا ہے۔ کہ محبوب! تم نے ہماری توحید کا ڈنکا بجایا اور یوں کہا۔ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" اور ہم تمہاری رسالت کا ڈنکا بجاتے ہیں۔ اور یوں فرماتے ہیں۔ "محمد رسول اللہ" گویا تم تمہارے اور ہم تمہارے سے

جناب محمد برائے الہی جناب الہی برائے محمد

ایک نکتہ | کلمہ طیبہ انہیں دو جملوں سے بنا ہے۔ ایک جملہ تو اعلانِ مصطفیٰ ہے۔ اور وہ ہے لا الہ الا اللہ، اور دوسرا جملہ

اعلانِ کبریا ہے۔ اور وہ ہے محمد رسول اللہ۔ اور یہ خدا کی شان اور اس کی محبت ہے اپنے محبوب سے کہ کلمہ طیبہ میں اپنے محبوب کے اعلان کو پہلے رکھا۔ اور اپنے اعلان کو مؤخر کر دیا۔ اور ایک دوسرا نکتہ بھی ہے۔

دوسرا نکتہ | جو مولانا حسن میاں علیہ الرحمۃ نے پیدا فرمایا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ کلمہ طیبہ۔ اذان۔ تشہد میں اور ہر جگہ ذکر حق کے ساتھ

ساتھ ذکر مصطفیٰ موجود ہے۔ لیکن ہے ذکر حق کے بعد۔ مثلاً اسی کلمہ طیبہ میں دیکھ لو۔ پہلے ذکر حق ہے۔ "لا الہ الا اللہ" اور اس کے بعد ہے ذکر مصطفیٰ "محمد رسول اللہ" اس کی وجہ کیا ہے؟ چنانچہ لکھتے ہیں :-

اذان کیا جہاں دیکھو ایمان والو!

پس ذکر حق ذکر ہے مصطفیٰ کا

تو اس "پس ذکر حق ذکر ہے مصطفیٰ کا" کی وجہ لکھتے ہیں اور کیا خوب لکھتے ہیں

کہ پہلے زباں حمد سے پاک ہوئے

تو پھر نام لے وہ حبیبِ خدا کا

سبحان اللہ! کیا ہی ایمان افزہ بات لکھی ہے کہ خدا نے چاہا کہ جو

میرے محبوب کا پاک نام لینا چاہے وہ پہلے میرا نام لے کر اپنی زبان پاک

کر لے۔ پھر میرے پاک محبوب کا نام لے۔ اس لئے "لا الہ الا اللہ" سے پہلے

ہے اور "محمد رسول اللہ" بعد میں ہے۔

بھائیو! اس موقع پر مجھے اپنا ایک شعر یاد آ گیا۔ پاکستان سینے

پاکستان | سے پہلے، جب کہ "لے لے کے رہیں گے پاکستان" کے نعرے

مسلمانوں کے دلوں کو گرا رہے تھے۔ اور پاکستان بنانے کی خاطر مسلمان ایشیا

سے بمبئی اور کراچی سے کلکتہ تک متحد اور منظم ہو چکے تھے۔ انہیں

دلوں الہ آباد یو۔ پی میں میری ہر روز تقریریں ہو رہی تھیں اور وہیں میں

ایک یہ شعر کہا تھا۔

پاک اللہ۔ پاک احمد۔ پاک جسم و جان ہو

کیوں نہ پھر رہنے کو اپنا گھر بھی پاکستان ہو

مطلب یہ کہ ہمارا اللہ پاک ہے۔ ہمارا رسول پاک ہے۔ ہمارا دین پاک ہے اور اسلام کی بدولت ہمارا جسم اور ہماری روح بھی پاک ہے۔ تو پھر ایسے لوگوں کے لئے جو وطن ہو۔ اس کا نام بھی پاکستان ہی ہونا چاہیے۔

مگر میرے بھائیو! افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ ہم نے اس نام کی

لاج نہیں رکھی۔ اور پاکستان کے باشندے ہو کر ہم نے جو بھی ناپاک کام ہے

اسے اپنا رکھا ہے۔ فریٹے شراب، جوا، زنا، چوری، رشوت، بدلیک، بے حجابی

و بے حیائی وہ کونسی ناپاک چیز ہے۔ جسے ہم نے اپنے ملک سے نکال دیا

ہے۔ سبھی کچھ بے پاکستان میں۔

لندن میں ۱۹۷۷ء کے یوم اقبال کی تقریب میں ہمارے پاکستانیوں نے

عین رمضان شریف کے مہینہ میں یہ تقریب مناتے ہوئے عصر سے پہلے چائے

نوشی کی۔ اور اس مقصد کے لئے کچھ دیر کے لئے اجلاس کی کارروائی ملتوی کی

گئی۔ اسی واقعہ کے پیش نظر مرزا رہبر ایم۔ اے نے ایک نظم لکھی۔ جو

نوائے وقت لاہور، ۳۰ اپریل ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئی۔ رہبر صاحب لکھتے ہیں

دیکھ اے اقبال تیرے جشن رحمت بار میں کیا مزہ آیا ہمیں سہ پہر کے افطار میں

دیکھ کیا رکھا ہے تیری مذہبی تکرار میں کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں

دیکھ پاکستان کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ

دیکھ اے اقبال اپنے خواب کی تعبیر دیکھ

میٹ گئی قیدِ حرم آزاد ہر انسان ہے ہر طرف جلوے ہی جلوے ہیں خدا کی شان ہے

میکدہ ہی میکدہ ایمان ہی ایمان ہے دیکھ اے اقبال یہ اسلام پاکستان ہے

پی کے ٹی ہم مارتے ہیں نعرہ تکبیر دیکھ

دیکھ اے اقبال اپنے خواب کی تعبیر دیکھ

تو میرے عزیزو اور بزرگو! پاکستان لیا ہے تو اب خود بھی پاک بنو۔ ورنہ تمہارا

پاکستانی کہلانا ایسا ہی ہوگا۔ جیسا بھنگی کو ہتھ رکھ لیا جائے۔ یا کسی جاہل کا نام محمد فاضل رکھ دیا جائے۔

ہاں تو اللہ نے فرمایا ہے "مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔" محمد اللہ کے رسول ہیں خداوند کریم نے اپنے محبوب کا نام نامی لے کر ان کی رسالت کا اعلان فرمایا ہے۔ آئیے پہلے نام نامی

”مُحَمَّدٌ“

— کا ذکر پاک کریں۔ اور دیکھیں کہ محمد کا معنی کیا ہے؟

محمد کا معنی تو میرے بھائیو! ”محمد“ حمد سے مشتق ہے۔ اور اسم مفعول ہے۔ اور اس کا معنی ہے الَّذِي يُحْمَدُ حَمْدًا بَعْدَ حَمْدٍ۔

جو بار بار اور متواتر تعریف کیا جائے۔ اور ہر آن ہر زبان جس کی نعت پڑھی جلتے۔ یعنی جو وجود باوجود سزا پار حمد و تعریف کے لائق ہو۔ اور ہر لمحہ و ہر ساعت جس کی حمد و ثنا بیان کی جاتی رہے اور جو عیوب و نقائص سے پاک ہو وہ مُحَمَّدٌ ہے۔

میرے دوستو! خدا کو علم تھا۔ کہ ایسے لوگ بھی پیدا ہونگے جو میرے محبوب کے بزعم خویش نقائص بیان کیا کریں گے۔ اور ہمیشہ بگو اس ہی کیا کریں گے۔ خدا تعالیٰ کی حکمت دیکھتے کہ اپنے محبوب کا نام ہی رکھ دیا ”مُحَمَّدٌ“ کہ اگر کوئی بے دین میرے محبوب کی بدگوئی کرنے لگے گا۔ تو میرے محبوب کا نام ہی تولے کر کچھ بکے گا۔ تو اللہ نے محبوب کا نام ہی ایسا رکھا۔ کہ کوئی بے دین جب بھی یہ نام لے کر کچھ بکنے لگے۔ تو بدگوئی سے پہلے وہ محمد کہہ کر اس امر کا اقرار کر لے کہ ہے تو یہ ذات حمد و ثنا ہی کے لائق۔ اور عیوب و نقائص سے پاک ہی۔ مگر آگے جو کچھ میں بکنے لگا ہوں۔ وہ میری اپنی ذاتی بے ایمانی کا مظاہرہ ہے۔

وہ قسم اپنی وجہ ہے کہ کفار قریش نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بجائے محمد کے عَزَّمْ رُكْحًا لِيَا قَتَا (مرقاۃ) ان کا خیال تھا کہ جب محمد کو محمد مان لیا تو پھر جھگڑا کیا باقی رہ گیا۔ پھر تو گویا ہم نے اُسے سب

کچھ مان لیا۔ حمد و ثنا کے لائق اور، محبوب و نقالین سے پاک تسلیم کر لیا۔ بنا بریں وہ لوگ حضور علیہ السلام کی جناب میں گستاخیاں کرتے وقت سرکار کا نام بجائے محمد کے مذمم لیتے اور گالیاں دیتے۔ صحابہ کرام کو جب یہ بات معلوم ہوئی۔ اور انہوں نے حضور سے یہ بات عرض کی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

يَشْتَمُونَ مُذَمَّمًا وَيَلْعَنُونَ مُذَمَّمًا وَ اَنَا مُحَمَّدٌ - (مشکوٰۃ شریف)

یعنی وہ گالیاں کسی مذمم کو دیتے ہیں اور ہم تو محمد ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم - دیکھا آپ نے! اللہ نے اپنے محبوب کو بے ایمانوں کی گستاخیوں سے کس طرح بچایا۔ تو میرے دوستو! جو محمد ہے۔ وہ گویا ہر عیب سے محفوظ و معصوم ہے۔ اور ہمارا یہ ایمان ہے۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے ہر عیب سے پاک پیدا فرمایا ہے۔ اور یہ ہمارا ہی ایمان نہیں۔ بلکہ ہر صاحب ایمان کا یہی ایمان ہے۔ چنانچہ آئیے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے درباری شاعر و نعت خواں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی نعت خوانی ملاحظہ فرمائیے :-

حضرت حسان رضی اللہ عنہ | حضرت حسان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقبول شاعر اور نعت خواں

تھے۔ یہ حضور کے سامنے حضور کی نعت خوانی کیا کرتے تھے۔ اور حضور خوش ہو کر دعا فرمایا کرتے تھے :-

اللَّهُمَّ أَيُّدَاكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ - (مشکوٰۃ شریف)

اے اللہ! حسان کی روح قدس کے ساتھ امداد فرما۔ دیکھیے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نعت خواں کے لئے کیسی پیاری دعا فرما رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ سرکار کا نعت خواں مقبول بارگاہ ہے اور مؤید من اللہ ہے۔ میرے بزرگو! یہ جو آجکل کہا جاتا ہے۔ کہ نعت خوانی بدعت ہے۔ ان بدعت کہنے والوں کو یہی آیت جو میں نے ابتراد و عنایت میں پڑھی ہے۔ یعنی "محمد رسول اللہ" دیکھ لینی چاہیے۔ کہ

نعت خوانی

یہ آیت خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے۔ اور یہ نعت پڑھنے والا خود خداوند کریم ہے۔ نعت کس چیز کا نام ہے؟ اور نعت خوانی میں کیا ہوتا ہے؟ یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات کا بیان و اعلان! تو آیت "محمد رسول اللہ" میں بھی حضور کے نام نامی اور آپ کی رسالت کا بیان و اعلان ہے۔ تو یہ آیت بھی نعت رسول نہ ہوئی تو اور کیا ہوئی؟ اجی یہ تو پورا جملہ ہے۔ آپ صرف نام نامی "محمد" کو ہی لیجئے۔ یہ نام پاک خود نعت کے مفہوم کو لئے ہوتے ہیں۔ ابھی ابھی آپ سن چکے کہ محمد کے معنی ہیں تعریف کیا گیا۔ نعت پڑھا گیا۔ اَلَّذِي يُحَمِّدُ حَمْدًا بَعْدَ حَبِّ۔ جو بار بار اور متواتر تعریف کیا جائے۔ اور ہر آن ہر زمان جس کی نعت پڑھی جائے۔ تو جو شخص محمد کہے گا۔ وہ گویا یہ نام لینے کے ساتھ ساتھ حضور کی نعت خوانی کا اقرار کرے گا۔ پھر کس قدر حماقت ہے۔ ان لوگوں کی جو حضور کو محمد بھی کہتے ہیں اور آپ کی نعت خوانی سے بھی روکتے ہیں۔ اسی طرح کلمہ طیبہ میں ہر مسلمان محمد رسول اللہ کہہ کر حضور کی نعت خوانی کرتا ہے۔ گویا مسلمان وہ ہے جو حضور کی نعت خوانی کرے۔ پھر جو نعت خوانی سے روکتا ہے۔ کس قدر بیوقوف ہے۔ کہ کلمہ بھی پڑھتا ہے۔ اور نعت خوانی سے بھی روکتا ہے۔۔۔ بھائیو! اگر ہماری نعت خوانی بدعت ہے۔ تو پھر کلمہ طیبہ کو بھی بدعت کہنا پڑے گا۔ اور اگر یہ کہا جائے۔ کہ نعت میں ردیف و تافیہ کا وجود موجب بدعت ہے تو یہ بھی غلط ہے۔ اول تو کلمہ طیبہ کے دونوں جملوں ہی کو دیکھ لیجئے۔ دونوں میں ردیف "اللہ" ہے۔ یونہی قرآن پاک کے اسلوب کلام کو بھی دیکھ لیجئے۔ بالعموم آیات قرآنیہ ہم تافیہ الفاظ پر ختم ہوتی ہیں۔ مثلاً اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ فِي "تفیل"۔ "ابابیل"۔ "سجیل"۔ اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكُوْثُرَ فِي "وانحر" اور "انبار"۔ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" میں "حمدا" اور "اولدا"۔ "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" میں "وسواس"۔ "مخماس" اور سورۃ الزخمن کو پڑھئے تو آخر تک قیامی الآیہ رَتَبْنَا نَكِّدًا بَاتِ کی مقدس تکرار کے ساتھ ساتھ ہم تافیہ الفاظ پر اختتام آیات فصاحت و بلاغت پر چار

چاند لگا کر کیا ہی روحانی کیفیت ۔ سرور پیدا کرتا ہے۔
میرا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ قرآن میں اشعار ہیں۔ مجھے تو یہ بتانا ہے
کہ ہمارے اشعار نعتیہ میں وجودِ قافیہ کوئی ناجائز چیز نہیں ہے۔ بلکہ اچھی ہے۔
ہاں یہ دوسری بات ہے۔ کہ کسی مردود کا نفس نعت ہی سے قافیہ تنگ ہو
تو ایسے بد بخت کا تو کلمہ پڑھنا بھی بیکار ہے۔ اور ایسے ہی کے لئے اعلیٰ حضرت
نے فرمایا ہے ۔

ذِيَابٌ فِي ثِيَابِ لَبٍ بِه كَلِمَةٌ دَلَّ فِي كَسَاخِي

سَلَامِ اسْلَامِ مُحَمَّدٍ كُو كَه تَسْلِيمِ زَبَانِي هِي

تو روایت قافیہ کی پابندی کے ساتھ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی
مدح و تعریف کوئی نئی بات یا بدعت نہیں ہے۔ بلکہ ایسی نعت خوانی حضور
کے سامنے ہوتی رہی۔ اور حضور سنا کرتے اور اپنے نعت خواں کے لئے دعا فرمایا
کرتے تھے۔ جیسا کہ آپ سن چکے۔ کہ حضور نے حضرت حسان کے لئے دعا فرمائی
کہ اے اللہ اس کی روح قدس سے امداد فرما۔ اسی طرح

ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں
بھی حضور نے دعا فرمائی تھی۔ اور یہ وہ موقعہ

حضرت عباس کیلئے دعا

تھا۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے۔
اور آپ صحابہ سمیت جب مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ تو حضرت عباس
نے آگے بڑھ کر عرض کیا۔ حضور مجھے اجازت دیجئے۔ میں نعت خوانی کروں
حضور نے فرمایا :-

— قُلْ لَا يُفْضِضُ اِلٰهٌ فَاك - رواہ اب لدنیہ ص ۱۲۰

”اے عباس! اجازت ہے کہہ جو کہنا ہے اللہ تمہارے منہ کو سلامت رکھے۔“

اس کے بعد دیکھ لیجئے مواہب لدنیہ کو کہ حضرت عباس نے ایک طویل

نعت پڑھی۔ تو مبارک ہو حضور کے نعت خوانوں کے حضور نے ان کے لئے

”منہ سلامت رہے“ کی دعا فرمائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منکرین نعت کے

منہ کالے اور ٹیڑھے ہی نظر آتے ہیں۔

منکرینِ نعتا ہیں کامل سیہ

ان کے چہرے ہیں سیہ اور دل سیہ

بزرگو! حضرت امام بوسیری علیہ الرحمۃ کا قصیدہ بردہ شریف
 سبھی نعت خواں

ایک مشہور و معروف ایمان افروز قصیدہ نعتیہ ہے۔
 حضرت امام بوسیری علیہ الرحمۃ کو مرض فالج ہو گیا تھا۔ کوئی علاج مفید و کارگر
 نہ ہوتا تھا۔ آخر انہوں نے یہ قصیدہ نعتیہ لکھا۔ رات کو خواب میں حضور صلی اللہ
 علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حضور نے یہ قصیدہ خود امام بوسیری سے سنا۔ اور پھر
 انعام میں اپنی چادر عطا فرمائی۔ اور فالج سے شفا بھی۔ اسی طرح بڑے بڑے صحابہ
 کرام، اولیاء عظام حضور کی نعت خوانی میں رطب اللسان رہے اور ہیں۔ فاروق اعظم
 امام اعظم، غوث اعظم، مولانا جامی، مولانا رومی، اعلیٰ حضرت وغیرہم رضی اللہ
 عنہم ان سب بزرگوں نے نعتیں لکھیں۔ اور پڑھیں۔ سنیں اور سناں۔ گویا
 سبھی حضور کے نعت خواں ہیں۔ اور جو حضور کا نعت خواں ہیں وہ مسلمان ہی
 ہی نہیں، حضور کی نعت نظم میں یا اثر میں مسلمان کے لئے ایک بڑی نعمت
 ہے۔ اور بھلائیوں کا کارو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نعت رسول پڑھتے رہنے کی توفیق

بخشنے۔ اور نعت رسول پڑھتے ہوئے ہی ہمارا دم نکلے۔

بشیر ان کی ثنا کرتے ہوئے گرتا دم نکلے

فرشتے غسل دیں لاشے تیرے کا آب زمزم سے

بزرگو! اور دوستو! آج کل شعر و شاعری کا بڑا چرچا و
 شعرو شاعری

رواج ہے۔ مگر یاد رکھو کہ شعر و شاعری بھی وہی محمود
 ہے۔ جس کا موضوع بھی نعتِ رسول یا حمد باری ہو۔ یا کوئی دوسرا اچھا
 موضوع ہو۔ شاعری بذاتہ کوئی بُری چیز نہیں ہے۔ اگر موضوع بُرا ہو۔ تو
 بُری ہے۔ اور موضوع اچھا ہو تو اچھی ہے۔ گویا یہ ایک گلاس ہے۔ جس
 میں شراب ڈالنے تو گلاس ناپاک، اور دودھ ڈالنے تو پاک ہے یا ایک تلوار
 ہے جس سے کفار کے ساتھ جہاد کیجئے تو اچھی ہے اور کسی بے گناہ پر اٹھائیے تو بری ہے میرے
 بھائیو! آج کل کی جو شاعری ہے۔ وہ کچھ اسی قسم کی شاعری ہے۔ کہ گل و

بلبل کی تعریف، بجز و وصال کے جھوٹے قصے۔ اور حسن فانی کی خیالی تعریفیں اور مبالغہ آمیز دعاوی اس کے موضوع خاص ہیں۔ اور یہ لوگ جس قدر زیادہ جھوٹ بولتے ہیں۔ اسی قدر شعر کو زیادہ معیاری اور بلند سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں کی مبالغہ آرائی اور سرتاپا دروغ و کذب کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیے۔ ایک مجلس مشاعرہ میں ایک شاعر صاحب اٹھے اور بولے میں نے عرض کیا ہے۔

ہم رونے پہ آجائیں تو دریا ہی بہا دیں

شبنم کی طرح سے ہمیں رونا نہیں آتا

دیکھا آپ نے؟ شاعر صاحب کی آنکھیں نہ ہوتیں ٹیوب ویل ہو گئیں۔ کس قدر جھوٹ ہے۔ اس شعر پر واہ واہ ہوئی۔ تو دوسرے شاعر صاحب اٹھے۔ اور بولے۔ اور میں نے عرض کیا ہے۔

رات کو رویا ہوں میں اس قدر بھر پار میں

سو سمندر۔ نو سونائے۔ لاکھ ندیاں بہ گئیں

لیجئے صاحب! ۱۹۵۵ء کا فلڈ آگیا۔ یہ جو سیلاب کی روک تھام کے لئے

مختلف منصوبے تیار کئے جاتے ہیں۔ سب فضول ہیں۔ اصل منصوبہ تو یہ ہونا

چاہیے۔ کہ شاعر صاحب کو چپ کرایا جائے۔ اور انہیں رونے نہ دیا جائے۔

اس شعر پر اور بھی واہ واہ ہوئی۔ تو تیسرے حضرت اٹھے اور کہا تو کیا سچ

کو پامال ہی کر کے رکھ دیا۔ بولے۔ اور بندے نے عرض کیا ہے۔

رونے پہ باندھ لے جو مری چشم تر مگر

کیسی زمیں فلک پہ ہو پانی..... مگر مگر

جَلَّ جَلالہ! گویا طوفان نوح بھی تو آخر زمین پر ہی رہا تھا۔ مگر شاعر

صاحب اگر رونا شروع کر دیں۔ تو زمین کے علاوہ آسمان پر بھی مگر پانی ہو جائے

استغفر اللہ! یہی وہ شاعری ہے جو مذموم ہے۔ اور جس کے علمبرداروں کے

لئے خود حالی شاعر ہی نے لکھا ہے کہ ع۔

جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے

اور مسلمانوں! ایک شاعری وہ ہے۔ جس کا میں تذکرہ کر رہا ہوں۔ یعنی

وہ شاعری جس کا موفوع نعت رسول ہو۔ سبحان اللہ! یہ وہ شاعری ہے جو محمود ہے۔ اور جس کے علمبردار انشا اللہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے زیر علم جنت کی سیر کریں گے۔

نعتیہ مشاعرہ | آپ نے مذموم شاعری کا مشاعرہ ملاحظہ فرمایا۔ آئیے اس محمود شاعری کا بھی ایک مشاعرہ سنتے جائیے۔ اعلیٰ حضرت

فاضل ہریوی قدس سرہ کا قصیدہ نور۔ سبحان اللہ! ایمان والوں کے لئے موجب صد سرور قصیدہ ہے۔ اس کا ایک ہی شعر پڑھتے ہوئے جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ آپ نے اس قصیدہ میں ایک جگہ فرمایا ہے۔

باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا

مست بوہی بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا

حضرت مولانا اسیر بدایونی علیہ الرحمۃ اعلیٰ حضرت کے تتبع میں اٹھے اور فرمایا ہے

مرحبا آیا محجب موسم سہانا نور کا!

بلبلیں گاتی ہیں گلشن میں ترانہ نور کا

اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے

پشت پر ڈھلکا سر انور سے شملہ نور کا

دیکھیں موسیٰ طور سے اترا صحیفہ نور کا

حضرت بدایونی نے فرمایا ہے

نور کا سر پر عمامہ اور شملہ نور کا

اڑ رہے عرش اعظم پر پھر یا نور کا

شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب جنت کا دواہا بنایا گیا۔ تو

اس وقت کے نظارہ نور کا نقشہ اعلیٰ حضرت نے یوں کھینچا۔

کیا بنا نام خدا آسرا کا دوٹھا نور کا

سر پہ سہرا نور کا بر میں شہانہ نور کا

اور حضرت بدایونی نے نقشہ یوں کھینچا ہے

معنی نور علی نور شب اسری کھلے

چہرہ پر نور پر باندھا جو سہرا نور کا
 ”دوشالہ“ کا لفظ دیکھتے اعلیٰ حضرت نے کس طرح نبھایا ہے حضرت
 عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں حضور کی دو صاحبزادیاں آئیں۔ اس چیز
 کو اعلیٰ حضرت اس شعر میں بیان فرماتے ہیں۔

نور کی سرکار سے پایا دوشالہ نور کا
 ہو مبارک تجھ کو ذوالنورین جوڑا نور کا

حضرت مولانا اسیر بدایونی علیہ الرحمۃ نے اس دوشالہ کو جس طرح
 نبھایا ہے۔ وہ بھی دیکھئے۔

حَبَّتًا صَلَّىٰ عَلٰی حَسَنِ كَاذِبُوْنَ پَر سَوَار
 مَرْحَبًا دُوشِ بَنِي پَر هَي دُوشَالَه نُوْر كَا

لفظ ”پسینہ“ کو بھی اعلیٰ حضرت اور مولانا بدایونی نے نبھایا ہے اور
 بڑے ہی ایمان افروز طریقے سے، قرآن پاک کی جلد پر سونے کا پانی چڑھایا
 جاتے۔ تو جلد سنہری، اور خوبصورت نظر آتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 کے رخ انور پر پسینہ آتا ہے۔ تو اعلیٰ حضرت اس کا ذکر اس طرح فرماتے

ہیں۔
 آبِ زَر بِنْتَا هَي عَارِضٍ پَر پَسِينَه نُوْر كَا
 مَصْحَبِ اعْجَازٍ پَر چَرَّهْتَا هَي سَوْنَا نُوْر كَا

یعنی سرکار کا چہرہ انور قرآن ہے۔ اور یہ جو اس چہرہ انور پر پسینہ آتا
 ہے۔ یہ سونے کا پانی ہے۔ جو اس قرآن پر چڑھایا جا رہا ہے۔ سبحان اللہ
 حضرت بدایونی نے پسینہ آنے کا ذکر یوں فرمایا ہے

آگیا ریش مبارک پر پسینہ نور کا
 نور کے خوشے میں ہے ہر دانہ دانہ نور کا

الغرض یہ وہ شاعری ہے جو کلیدِ درِ جنت ہے اور ہمارے اسلاف
 علیہم الرحمۃ نظم و نثر میں حضور کی نعت خوانی کرتے رہے تو خود ہی فیصلہ
 کر لیجئے۔ کہ یہ نعت خوانی بدعت ہے یا سنتِ اسلاف؟ تو بھائیو! ہم تو
 حضور کے نعت خواں تھے۔ ہیں، اور رہیں گے اور بقول اعلیٰ حضرت سنہ

خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضاً
دم میں جب تک دم ہے ذکر انکا سنا تے جائینگے

ہاں تو میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا ذکر کرنے لگا تھا اور
ارشادِ حسان | یہ بتانے لگا تھا۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے

عیب ہیں۔ اور یہی ہمارا ایمان ہے۔ اور نہ صرف ہمارا بلکہ ہر صاحبِ ایمان کا
یہی ایمان ہے۔ چنانچہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے آقا کی
ان لفظوں سے تعریف فرمائی ہے

وَ أَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي ۖ وَ أَكْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِيَبِ النِّسَاءَ

”یعنی یا رسول اللہ! میری ان آنکھوں نے آپ سے زیادہ حسین
و جمیل کسی کو نہیں دیکھا۔“

اور پھر عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ! شاید کوئی یوں کہہ دے۔ کہ تمہاری
آنکھوں نے نہیں دیکھا۔ تو یہ تمہاری آنکھوں کا قصور ہے۔ ممکن ہے حضور سے
زیادہ حسین و جمیل کوئی دوسرا بھی ہو۔ تو اس امکان کی دوسرے مصرعہ میں
تردید کر دی کہ — وَ أَكْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِيَبِ النِّسَاءَ — یعنی حضور آپ
سے زیادہ کامل حسین و جمیل کسی ماں نے جنا ہی نہیں، گویا وہ
رخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا کوئی اور آئینہ
نہ ہماری چشمِ خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں
آگے سنئے حضرت حسان کیا کہتے ہیں

خَلَقْتَ مُبْرَأً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ ۖ كَمَا نَكَ قَدْ خَلَقْتَ كَمَا تَشَاءُ

حضور! آپ ہر عیب سے پاک پیدا فرمائے گئے ہیں۔ گویا جیسے آپ نے
خود چاہا ویسے ہی اللہ نے آپ کو بنا دیا۔“

سبحان اللہ! دیکھا آپ نے صحابہ کا عقیدہ! قرآنِ جاہل اس ایمان
افروز اور باطل سوز شعر پر کیا ہی پیارا ارشاد ہے کہ حضور! آپ کو تو اللہ
نے آپ کی منشاء کے مطابق بنایا ہے۔ میرے دوستو! آؤ اس شعر کو سمجھنے
کے لئے پہلے اپنی خلقت کے متعلق قرآن کا ارشاد سنو!

مجھے اور آپ سب کو بھی اللہ ہی نے بنایا ہے۔ مگر
ہماری خلقت ہمارے لئے خدا کا ارشاد ہے :-

هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ۔ (پ ۹۴۳)

”وہی ہے جو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تمہاری تصویر بناتا ہے جیسی چاہے“
 یعنی ہمیں جب اللہ نے پیدا فرمایا تو ہماری شکل و صورت کو اس نے
 جیسا کہ خود چاہا بنا دیا۔ کسی کو خوبصورتی دے دی۔ کسی کو نہ دی۔ کسی کو
 رنگ کالا دے دیا۔ کسی کو گورا رنگ عطا فرما دیا۔ کسی کا قد لمبا رکھا۔ کسی
 کو پست قد بنا دیا۔ اسی لئے فرمایا كَيْفَ يَشَاءُ۔ جیسا کہ اس اللہ نے چاہا۔
 ویسا بنا دیا۔ تو میرے بزرگو! آیت کے اس کَیْفَ یَشَاءُ کو سامنے رکھو۔
 اور پھر حضرت حسان کا یہ مصرعہ پڑھو۔

”مَا نَأْتِكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ“

اور اس میں ”کما تَشَاءُ“ کو دیکھو اور پھر دیکھو کہ حضرت حسان کیا کہہ گئے ؟
 فرماتے ہیں کہ یا رسول اللہ! ساری مخلوق کو تو اللہ نے اپنی مرضی سے
 بنایا۔ مگر جب آپ کو بنایا۔ تو آپ سے پوچھ لیا تھا۔ کہ پیارے تو خود
 بتا کہ تجھے کیسا بناؤں ؟

سبحان اللہ! کیا بات کہہ گئے۔ گویا محبوب سے اگر پوچھ کر اس کی
 صورت کو بنایا جائے گا۔ تو محبوب کب چاہے گا۔ کہ اس میں کوئی عیب
 بھی رکھا جائے۔ تو چونکہ ہمارے حضور سے پوچھ کر اللہ نے آپ کو بنایا
 ہے۔ لہذا ہمارے حضور میں کوئی عیب نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے فرمایا۔
 خُلِقْتَ مَبْرَأً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ۔ اور اسی لئے اعلیٰ حضرت نے بھی
 یوں فرمایا کہ ۵

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں

یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

کیوں دوستو! سمجھو آپ کا کہ ”محمد“ کسے کہتے ہیں۔ خوب یاد رکھو۔ اور

اس حقیقت پر ایمان رکھو کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو

بے عیب خدانے — بے عیب پیدا فرمایا ہے۔ اور یہ واقعہ ہے۔ کہ کسی مسلمان کے دل میں یہ خیال بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ کہ معاذ اللہ حضور میں کوئی عیب تھا۔ بلکہ ہر مسلمان کا ایمان یہ کہتا ہے۔ کہ ہمارے حضور کا بال بال شریف بے عیب ہے۔ کیوں مسلمانو! کیا ہے

مسلمان کا ایمان

کوئی ایسا مسلمان؟ جو یہ کہے کہ معاذ اللہ حضور میں

کوئی عیب تھا۔ تو یہ! تو یہ! کسی کی مجال نہیں۔ کہ ایسا کہہ سکے۔ جس سے پوچھو یہی کہے گا۔ کہ حضور کا وجود باجود سرتاپا کمال ہی کمال اور نور ہی نور ہے۔ آپ کے کسی عضو انور میں کوئی عیب نہیں۔ حتیٰ کہ حضور کے لباس انور میں بھی کوئی عیب نہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں :-

میل سے کس قدر سُخڑا ہے وہ پتلا نور کا

ہے گلے میں آج تک کورا ہی کرتا نور کا

تو بھائیو! جن کے لباس انور تک میں کوئی عیب نہیں۔ ان کے کسی عضو

انور میں کوئی عیب ہو سکتا ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں!!

تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا!

تو فرمائیے جو شخص حضور کے بال شریف میں کوئی عیب بتائے! حضور کے

چہرہ انور میں کوئی عیب بتائے یا حضور کے کانوں میں کوئی عیب بتائے یا حضور

کی نظر میں کوئی عیب بتائے۔ کیا ایسا شخص مسلمان ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں!!

تو آئیے لگے آنکھوں پر مسئلہ بھی سمجھ لیجئے کہ کانوں کا عیب کیا ہوتا ہے۔ یہی

نا ا کہ دُور کی آواز نہ سن سکیں۔ آنکھوں کا عیب کیا ہوتا ہے۔ یہی نا ا کہ

دور کی چیز نہ دیکھ سکیں۔ تو فرمائیے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ ہمارے نعرہ

رسالت یا درود شریف کی آواز حضور کے کان نہیں سن سکتے۔ انہوں نے

حضور کے کانوں میں عیب ٹھہرایا یا نہیں؟ اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور

کی چشمان مقدس دیوار پچی کی چیز کو بھی نہیں دیکھ سکتیں۔ انہوں نے حضور

کی مبارک آنکھوں میں عیب ٹھہرایا یا نہیں؟ یقیناً ان لوگوں نے حضور کی

سماعت و بصارت میں عیب ٹھہرایا اور یہ حقیقت ہے کہ اہل سنت ہی

ایک ایسی جماعتِ حقہ ہے۔ جو حضور کو ہر عیب سے پاک جان کر اس حقیقت کا اعتراف کرتی ہے۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کان مبارک | کان مبارک وہ شان رکھتے ہیں۔ کہ دور و نزدیک کی آوازیں سن لیتے ہیں۔ ۵

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کان لعل کرامت پہ لاکھوں سلام

حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں :-

إِنِّي أَرَى مَا لَا تَرَوْنَ وَ أَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُونَ - (ترمذی۔ ابن ماجہ
خصائص ص ۱۵۰) میں وہ دیکھتا ہوں۔ جو تم نہیں دیکھتے۔ اور وہ
سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے :-

حضور کے اس اپنے ارشاد سے صاف ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ جو آوازیں ہمارے کان نہیں سن سکتے ان آوازوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک کان سن لیتے ہیں۔ بہت ممکن ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات کے دشمن یہ حدیث سن کر ضعیف و صحیح کا قصہ چھیڑ دیں۔ اور اپنے کمزور اور ضعیف بلکہ بالکل مردہ اور براٹھے نام ایمان کا مظاہرہ کرنے لگیں اس لئے آئیے پہلے قرآن سے آپ کو بتائیں کہ نبوت کے کان کیا شان رکھتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی زبردست حکومت اور وسیع
سلطنت کو کون نہیں جانتا؟ **سُبْحَانَ اللَّهِ!** جن تک
آپ کے محکوم تھے اور ہوا بھی آپ کی خادم تھی۔ آپ کو
جہاں جانا ہوتا۔ ہوا کو حکم دیتے وہ آپ کا تخت اڑا

قرآن کا ارشاد
اس
سلیمان علیہ السلام کا قصہ

کر وہیں لے جاتی۔ اللہ اکبر! کیا شان ہے انبیاء کرام علیہم السلام کی۔ اور اسے
نبیوں کو اپنی مثل کہنے والوں ایک تم بھی ہو کہ تمہیں گدھا بھی اپنی پشت پر
نہیں بیٹھنے دیتا۔ پھر کس منہ سے تم ان ارفع و اعلیٰ ہستیوں سے مماثلت

کا دم بھرتے ہو۔ ۵

خدا کی شان تو دیکھو کہ کلچری گنجی !

حضور بلیل بستاں کرے نوا سنجی !

تو حضرت سلیمان علیہ السلام ایک مرتبہ اپنے تخت عالی پر تشریف فرما تھے۔ اور جن و انس اور پرندے سب آپ کی بارگاہ میں حاضر تھے۔ اور یہ تخت بڑی شان و شوکت سے اڑ رہا تھا۔ اس شان و شوکت کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے دیکھا۔ تو آپ کے دل میں یہ خیال آیا۔ کہ میری بڑی شان ہے۔ اس شان کا اس وقت کوئی دوسرا تو نہ ہوگا۔ علامہ عبدالرحمن صفوری علیہ الرحمۃ زہمتہ المجالس میں لکھتے ہیں۔ کہ اس خیال کے آتے ہی تخت کچھ ٹیڑھا ہو گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دیکھا تو جلال میں آکر تخت کو حکم دیا **اِسْتَقِمْ اَیُّهَا الْعَرْشُ۔** اے تخت سیدھا ہو، اسی وقت تخت سے یہ آواز آئی۔ **وَاسْتَقِمْ قَلْبُكَ۔** اور آپ بھی اپنے دل کو سیدھا کریں۔ یہ آواز سنتے ہی سلیمان علیہ السلام فوراً سجدہ میں گر گئے۔ اور خدا کی عظمت و بڑائی بیان کرنے لگے۔ میرے بھائیو! اللہ کے مقرب و مقبول بندوں کی یہ شان ہے۔ کہ ان کے دلوں میں اس قسم کا کوئی معمولی سا خیال بھی آجائے۔ تو خداوند کریم فوراً ان کے صاف و شفاف آئینہ دل سے اس قسم کی معمولی سی گرد کو بھی جھاڑ دیتا ہے۔ اور کوئی دھبہ نہیں پڑنے دیتا۔ اور ایک ہم بھی ہیں۔ کہ دن میں ہزاروں اس قسم کے بلکہ اس سے بہت زیادہ اور کبر و غرور کے خیال آتے ہیں۔ اور یہاں کوئی گرفت نہیں ہوتی۔ اس کی مثال یہ ہے۔ کہ ایک سفید چادر پر معمولی سا بھی سیاہی کا دھبہ برا لگتا ہے۔ اور فوراً دھو لیا جاتا ہے۔ اور جو چادر خیر سے ہو ہی ساری کی ساری سیاہ اس پر پوری دوات بھی اندیل دیجئے تو بھی کچھ پتہ نہیں چلتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک مرتبہ آئینہ دیکھا۔ اور جب اپنا بیشل حسن و جمال ملاحظہ

سیدنا محمد علیہ السلام
حضرت یوسف اور آئینہ

۵۔ یہ خیال اپنے اللہ کے انعام و اکرام پر شکر یہ کے طور پر آیا۔

فرمایا۔ تو دل میں اتنا خیال سا پیدا ہوا۔ کہ دنیا بھر کے خزانے بھی میرے
حسن و جمال کی قیمت نہیں ہو سکتے۔ اس خیال کے آنے پر خدائے بے نیاز
نے اپنی بے نیازی یوں دکھائی۔ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے
سالارِ قافلہ کے ہاتھ حضرت کو معمولی قیمت پر بیچ دیا۔ چنانچہ قرآن میں ہے
وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ۔ یعنی بھائیوں نے انہیں چند
کھوٹے اور گنتی کے روپوں پر بیچ دیا۔ اس کے بعد مصر کے بازار میں حضرت
یوسف علیہ السلام کے بچنے کو سالارِ قافلہ نے ان لفظوں کے ساتھ اعلان کیا۔
مَنْ يَشْتَرِي غُلَامًا حَسِينًا جَمِيلًا لَيْسَ كَمِثْلِهِ فِي الدُّنْيَا۔ یعنی کون
خریدتا ہے ایک ایسے غلام کو جو بڑا حسین و جمیل ہے۔ جس کی
مثال دنیا بھر میں نہیں۔

یوسف علیہ السلام نے یہ اعلان سنا۔ تو آپ کو اپنا آئینے میں چہرہ دیکھ کر
آنے والا خیال یاد آ گیا۔ اور آپ نے سالارِ قافلہ سے فرمایا۔ میرا اعلان ان
لفظوں سے کرو۔

مَنْ يَشْتَرِي غُلَامًا مَظْلُومًا غَرِيبًا لَيْسَ كَمِثْلِهِ فِي الدُّنْيَا۔ کون
خریدتا ہے۔ ایک ایسے غلام کو جو بڑا مظلوم اور غریب ہے۔ جس
کی مثال دنیا بھر میں نہیں۔

بس حضرت کا یہ فرمانا اور آپ کی یہ تواضع اللہ کو پسند آگئی۔ اور پھر
جو زوج و وقار حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ نے عطا فرمایا۔ وہ آپ
جانتے ہیں۔ تو معلوم ہوا۔ کہ اللہ والوں کے دل میں کوئی معمولی سا بھی خیال آ
جاتے۔ تو اللہ تعالیٰ فوراً انہیں کسی آزمائش میں مبتلا فرما کر ان کے دلوں کو
صاف فرما دیتا ہے۔

ہاں! تو میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی بات کر رہا تھا۔ کہ آپ ایک
مرتبہ انسانوں۔ جنوں اور پرندوں کے زبردست لشکر کے ساتھ اپنے تخت پر
تشریف فرما تھے۔ اور تخت اٹ رہا تھا۔ تو قرآن پاک فرمایا ہے۔

حَتَّىٰ إِذَا الْوَاغِلُ وَادَى السَّيْلِ قَالَتْ نَمَلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا

مَسَاكِنِكُمْ اَوْ يَخْطُبَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَسْعُرُونَ زُلْفَاهُمْ

”یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کی وادی پر آئے ایک چیونٹی بولی۔
اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں چلی جاؤ۔ تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان
اور ان کے لشکر بے خبری میں!“

یعنی یہ تخت ایک ایسے مقام پر پہنچا۔ جہاں چیونٹیاں بہت کثرت سے تھیں
ان چیونٹیوں کی ملکہ نے اپنی رعایا کو حکم دیا کہ سب اپنے اپنے بلوں میں گھس
جاؤ ایسا نہ ہو کہ یہ لشکر تمہیں پیروں تلے مسل دے۔

دوستو! اس موقع پر ہمارے امام۔ امام اعظم رضی
اللہ عنہ کی فقہانہت بھی سنتے چلئے۔ حضرت

ہمارے امام کی فقہانہت

قتادہ کو فہم میں داخل ہوئے۔ اور کوفہ کی خلقت آپ کی گرویدہ ہوئی۔ تو آپ
نے لوگوں سے کہا۔ جو چاہو مجھ سے پوچھو۔ میں جواب دوں گا۔ ہمارے امام
نے ان سے دریافت کیا کہ فرمائیے! حضرت سلیمان علیہ السلام کے وادی النمل
پر تشریف لانے پر جس چیونٹی نے سب چیونٹیوں کو اپنے اپنے بلوں میں داخل
ہو جانے کا حکم دیا تھا۔ وہ چیونٹی نہ تھی یا مادہ؟ حضرت قتادہ اس سوال پر
خاموش ہو گئے۔ امام اعظم نے فرمایا۔ وہ مادہ تھی۔ قتادہ نے پوچھا؟ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟
فرمایا! قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔ قَالَتْ نَمْلَةٌ۔ اگر نہ ہوئی۔ تو یوں ارشاد ہوتا۔ قَالَتْ
نَمْلَةٌ (رخزائن العرفان) سبحان اللہ! اس سے ہمارے امام ہمام کی شان علم معلوم
ہوتی ہے۔ تو وہ چیونٹی ان چیونٹیوں کی ملکہ تھی۔ اور اس نے حکم دیدیا۔ کہ سب چیونٹیاں
اپنے اپنے بلوں میں گھس جائیں۔ اب آگے بیٹے۔ قرآن کیا فرماتا ہے۔ فرمایا:-

فَتَبَسَّهٖ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا۔ تو سلیمان علیہ السلام اس چیونٹی

کی اس بات سے ہنس پڑے۔

دیکھ لیجئے۔ حضرات! قرآن سے کس طرح عبادت طور پر یہ بات ثابت ہو
رہی ہے۔ کہ سلیمان علیہ السلام نے اس چیونٹی کی بات سن لی۔ اور ہنس پڑے
مفسرین کرام علیہم الرحمۃ نے لکھا ہے۔ کہ سلیمان علیہ السلام نے اس چیونٹی
کی یہ بات تین میل دور سے سن لی تھی۔ (رخزائن العرفان) تو فرمائیے! آج

ہم میں سے کس کے ایسے کان ہیں کہ تین میل دُور سے نہ سہی - چیونٹی کے منہ سے لگ کر بھی اس کی بات سُن سکیں ؟

علامہ عبدالرحمن صفوری نے نزہتہ المجالس ص ۲۵۳ جلد ۱
میں سلیمان علیہ السلام اور اس چیونٹی کا پر لُطف
مکالمہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں - حضرت سلیمان علیہ السلام
نے اس چیونٹیوں کی ملکہ سے سلام فرمایا - تو اس ملکہ

سلیمان علیہ السلام
اور چیونٹی کا
پر لُطف مکالمہ

نے سلام کا جواب عرض کیا - اور پھر کہا - "حضور! آپ یہ نہ سمجھیں کہ آپ ہی صاحبِ امر و نبی اور مالکِ تخت و تاج ہیں - میں ایک ضعیف چیونٹی ہوں - مگر خدائے بزرگ و برتر نے میرے ماتحت بھی چالیس سپہ سالار کر رکھے ہیں - اور ہر سپہ سالار کے ماتحت چالیس چالیس ہزار چیونٹیوں کی بے حد طویل صفیں ہیں - ان سب پر میں حاکم ہوں" سلیمان علیہ السلام نے فرمایا - "اچھا اے ملکہ! یہ تو بتا کہ تمہارا لباس سیاہ کیوں ہے؟" وہ بولی! حضور! دنیا مضمیتوں کا گھر ہے - اور دنیا والے اہل مصائب، اور اہل مصائب کا لباس اسی رنگ کا ہوتا ہے - سلیمان علیہ السلام نے فرمایا - اچھا اب یہ بتاؤ - کہ تمہارے جسم کے وسط میں یہ گہرائی کیوں ہے؟" اس نے عرض کیا - عَالِیَجَاہِلًا! یہ بندگی کا پٹکا ہے - خدا کی اطاعت و عبادت کے لئے میں نے کمر کس رکھی ہے - سلیمان علیہ السلام نے پھر پوچھا - "اور تم مخلوق سے دور کیوں رہتی ہو - اور یہ باہر جنگل میں ڈیرا کیوں لگا رکھا ہے؟" وہ بولی اے اللہ کے رسول! سلام ہو تم پر! دنیا والے خدا سے غافل ہیں - اور غافلوں سے دوری ہی اچھی ہے - سلیمان علیہ السلام نے پھر پوچھا - اور یہ تو بتاؤ کہ تم ننگی کیوں رہتی ہو؟ اس نے جواب دیا - حضور! اس لئے کہ دنیا میں آئے بھی ننگے اور جانا بھی ننگے ہی ہے - پھر تھوڑی سی مدت کے لئے لباس کی کیا ضرورت؟ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا تم اپنے کھانے کے لئے کس قدر بوجھ اٹھا لیتی ہو؟ وہ بولی! زیادہ سے زیادہ ایک دائہ گندم - فرمایا - اتنا کم؟ بولی قبلہ! اس لئے کہ میں مسافر ہوں - اور مسافر کے لئے جتنا بوجھ کم ہو بہتر ہے - سلیمان علیہ السلام نے پوچھا - تمہارا

نام؟ بولی بندی کا نام مُنْبِرَةٌ ہے۔ یعنی ڈرانے والی — اُنْفَادُ اَصْحَابِي عَنِ
الدُّنْيَا السَّاجِرَةِ وَارْتِبَهُمْ فِي الْآخِرَةِ — میں اپنے ملنے والوں کو اس جادوگر
دنیا سے ڈراتی اور آخرت کی رغبت دلاتی ہوں۔“

کیوں بھائیو! اے ترقی یافتہ لوگو! اے اپنی سائنس پر ناز کرنے والے
جنگلیوں! اے کوئی تم میں سے ایسا جس کے کان چیونٹی کی باتیں سن سکیں
اگر ہے تو دکھاؤ۔ ورنہ اس بات پر ایمان لاؤ۔ کہ جن باتوں کو ہمارے کان نہیں
سن سکتے۔ ان کو بنی کے کان سن لیتے ہیں۔ اور بھائیو! یہ تو سلیمان علیہ السلام
کے کان ہیں اور ہمارے حضور تو سلیمان کے بھی سردار ہیں (علیہم السلام) پھر
حضور کے اس ارشاد میں کسی کو شبہ کیوں ہو کہ اَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُونَ — میں
وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے، بیشک، بیشک یا رسول اللہ! آپ سنتے
ہیں۔ پاکستان کی سنتے ہیں۔ ہندوستان کی سنتے ہیں۔ زمین و آسمان کی
سنتے ہیں۔ بلکہ ہر دو جہاں کی سنتے ہیں۔

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان

کان لعل کرامت پہ لاکھوں سلام

بیچے لگے ہاتھوں ایک حدیث اور بھی سن لیجئے۔ طبرانی
شریف کی حدیث ہے۔ حضرت ام المومنین میمونہ رضی

اللہ عنہا فرماتی ہیں :-

بَاتَ عِنْدِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نَقَامَ لِيَتَوَضَّأَ
لِلصَّلَاةِ فَسَمِعْتُ يَقُولُ فِي مَتَوَضَّأِهِ بِاللَّيْلِ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ
نُصِرْتَ نُصِرْتَ نُصِرْتَ — حضور نے اللہ علیہ وسلم ایک رات
میرے ہاں سوئے۔ آپ نماز تہجد کے لئے اٹھے اور مقام وضو پر
بیٹھے۔ تو میں نے سنا کہ آپ نے کسی سے جیسے کوئی پاس ہوتا
ہے۔ تین بار فرمایا۔ لبیک! لبیک! لبیک!!! اور نُصِرْتَ نُصِرْتَ
نُصِرْتَ۔ یعنی حاضر ہوں، حاضر ہوں، حاضر ہوں۔ تم مدد کئے
کئے۔ مدد کئے کئے۔ مدد کئے کئے۔

اُمّ المؤمنین فرماتی ہیں۔ میں نے حضور سے دریافت کیا۔ حضور! آپ یہ کسے فرما رہے تھے۔ یہاں تو کوئی نہ تھا۔ تو حضور نے جواب میں فرمایا :-

هَذَا رَاجِزُ بَنِي كَعْبٍ وَهُمْ بَطْنٌ مِنْ خَزَاعَةَ يَسْتَصْرِخُنِي وَيُرْعَمُ
إِنَّ قُرَيْشًا أَعَانَتْ عَلَيْهِمْ بَنِي بَكْرِ - یہ بنی کعب کا راجز رجو

اس وقت مکہ میں تھے۔ اور حضور یہاں مدینہ منورہ میں (مکہ سے فریاد کر رہا ہے۔ کہ قریش عہد کو توڑ کر بنی بکر کی مدد کر کے ہم کو قتل و غارت کرنے پر آمادہ ہیں۔ اور میں اسے لبیک کہہ رہا تھا۔ (ظہران شریف ص ۲۱)

گویا مظلوم مکہ معظمہ میں حضور سے فریاد کر رہا ہے اور حضور مدینہ منورہ میں اس کی آواز سن کر لبیک فرما رہے ہیں۔ تو دوستو! پھر ہم کیوں نہ کہیں کہ

فریاد امتی جو کرے حالِ زار کی!

ممكن نہیں کہ خیر بشر کو خیر نہ ہو

اور کیوں نہ مل کر اس شر کا درد کریں سے

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان!

کانِ نعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام

میرے بزرگو اور دوستو! اس نام پاک کا معنی تو آپ

سُن چکے۔ اب آئیے اس نام پاک کے فیوض و برکات

سنئے۔ یہ واقعہ اور حقیقت ہے کہ دنیا و مافیہا -

برکاتِ نامِ محمد
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عرش و فرش۔ جنان و مافی الجنان اور زمین و آسمان کا قیام و بقا اسی نام پاک کی بدولت ہے۔

نبض ہستی تپشِ آمادہ اسی نام سے ہے

خیمہ افدک کا استادہ اسی نام سے ہے

آدم علیہ السلام کی توبہ اسی نام کے صدقہ میں قبول ہوئی۔ نوح علیہ السلام کی

کشتی اتنے بڑے طوفان میں اسی نام کی برکت سے محفوظ رہی ہے

اگر نام محمد را نیاوردہ شفیع آدم !

نہ آدم یافتے تو بہ نہ نوح از غرق نجات

حضرت علامہ بہمانی علیہ الرحمۃ نے حجۃ اللہ علی

العالمین میں یہ روایت درج فرمائی ہے کہ بنی اسرائیل

میں ایک شخص تھا جس نے دو سو سال خدا کی نافرمانی کی۔ وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی لاش کو روڑی (گندری جگہ) پر پھینک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ تم اُسے وہاں سے اٹھا کر با عزت دفناؤ۔ اور اس کے لئے ہم سے دعائے مغفرت کرو۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ لوگ تو اس کے گندہ گار اور نافرمان ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ ارشاد ہوا۔ کہ ٹھیک ہے وہ واقعی گندہ گار اور نافرمان تھا۔

إِلَّا إِنَّهُ كَانَ كَلْبًا نَشَرَ التَّوْرَةَ وَ نَظَرَ إِلَىٰ اسْمِ مُحَمَّدٍ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبْلَهُ وَ ضَعَهُ عَلَىٰ عَيْنَيْهِ وَ صَلَّى

عَلَيْهِ فَشَكَرْتُ لَهُ ذَلِكَ وَ مَغْفَرْتُ ذُنُوبَهُ۔ (حجۃ اللہ علی العالمین) ص ۱۲۴

”مگر وہ جب تورات کھولتا اور میرے محبوب محمد کا نام دیکھتا

تو وہ اس نام کو چومتا اور اپنی آنکھوں پر لگاتا تھا۔ اس نے

مجھے وہ پیارا لگتا ہے۔ میں نے اس کے دو سو سال کے گندہ

بخش دیتے۔“

دلائل النبوة میں یہ حدیث مروی ہے کہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَعِزَّتِي وَ جَلَالِي لَا أُعَذِّبُ أَحَدًا تَسْتَشِي بِاسْمِي فِي النَّارِ۔

مجھے میری عزت و جلال کی قسم! جس شخص کا نام پھینکا ہوگا

اُسے کبھی جہنم میں نہ ڈالوں گا۔“

دیکھا مسلمانو! ہمارے آقا کا پیارا نام کس قدر مفید و نافع اور

بلاؤں کا دافع ہے۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے کہ

اے صل علی نام ہے کیا نام محمد

گرتوں کو یہ لیتا ہے بچا نام محمد

یہ نام کوئی کام بگڑنے نہیں دیتا

بگڑی کو بھی لیتا ہے بنا نام محمد

وہ جن کا یہ نام ہے | میرے بھائیو! مقامِ غور ہے کہ یہ تو اس نام کا فیض و کمال ہے۔ کہ یہ دو سو سال کے

گناہوں کو مٹا دے۔ جہنم سے بچائے۔ تو وہ جن کا یہ نام ہے۔ وہ خود کس قدر فیوض و برکات کے مالک ہوں گے۔ جب نام اتنا رافع و نافع ہے۔ تو نام والا کیوں نہ رافع و نافع و شافع ہوگا؟ خوب فرمایا اعلیٰ حضرت نے۔

جلتی آگ بجھاتے یہ ہیں

روٹی آنکھ ہنساتے یہ ہیں

چھوٹی نبضیں چلاتے یہ ہیں

ہلتی نیویں جھاتے یہ ہیں

کیا کیا رحمت لاتے یہ ہیں

رافع نافع ، دافع شافع

جامع کمالات | بزرگوار! تقریر سابق سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا۔ کہ "محمد" کہتے ہی اسے ہیں۔ جو

بے عیب ہو۔ اور جامع کمالات ہو۔ پھر وہ لوگ جو حضور کو محمد بھی کہتے ہیں۔ اور معاذ اللہ حضور کے علم میں آپ کے اختیار میں، آپ کے تصرفات و دیگر کمالات میں عیب بھی بیان کرتے ہیں۔ کس قدر جاہل اور گمراہ ہیں۔ ان لوگوں کو چاہیے۔ کہ یا تو حضور کو محمد کہنا چھوڑ دیں یا پھر حضور کے جملہ کمالات کو بھی مانیں۔

لطیفہ | کہتے ہیں۔ رمضان کی تیسویں تھی۔ اور شام کے وقت مرد عورتیں سب اپنے اپنے چھتوں پر عید کا چاند

دیکھ رہے تھے۔ ایک عورت اپنے چھوٹے بچے کو پاخانہ کرا رہی تھی۔ کہ ایک دم شور اٹھا کہ چاند ہو گیا۔ چاند ہو گیا۔ یہ عورت چاند دیکھنے کی خاطر جلدی میں اٹھی۔ اور اسی افزا تفری کے عالم میں بچے کی پیٹھ صاف کرتے ہوئے اس کی انگلی کو نجاست لگ گئی۔ کوٹھے پر گئی اور عورتوں

کی عادت کے مطابق اپنی وہی نجاست آلود انگلی ناک پر رکھ کر چاند دیکھنے لگی۔ اُدھر چاند نظر آیا۔ اور ادھر اس کی نجاست آلود انگلی سے اس کی ناک میں بدبو پہنچی۔ تو حیران رہ کر اپنی سابقہ والی عورتوں سے کہنے لگی۔ "ہینو! چاند تو واقعی ہو گیا۔ مگر یہ کیا بات کہ اس سال کا چاند سب سے بڑا سٹرا ہوا۔ کہ اس سے بڑی بدبو آرہی ہے۔ اُن عورتوں نے جب یہ بات سنی۔ تو غور سے دیکھ کر کہنے لگیں۔ بے وقت! چاند اور بدبو؟ یہ کب ممکن ہے۔ یہ دیکھ تیری اپنی ہی انگلی نجاست آلود ہے۔"

تو میرے بھائیوں! "محمد" اور علم نہ ہو؟ "محمد" اور اختیار نہ ہو؟ "محمد" اور نصرت فی الکون نہ ہو؟ "محمد" اور جمیع کمالات نہ ہوں؟ یہ کب ممکن ہے۔ اسے بدبخت منکر! خود اپنے نجاست آلود ایہانوں کو دیکھو کہ خود تمہارے ایہان ہی نجاست آلود ہیں۔ پڑھتے درود شریف۔

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ!
الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَيْرَ بَشَرٍ أَلْمَسَتْهُ أَرْضٌ!

رَسُوْلُ اللهِ

اسم پاک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بیان ختم ہوا۔ اب آئیے: رسول اللہ کے متعلق کچھ عرض کروں تو سنئے! اس آیت شریفہ میں اللہ نے اپنے محبوب کی رسالت کا ڈنکا بجایا ہے۔ اور فرمایا ہے: مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ۔ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم و بیش پیغمبر شریف لائے۔ اور سب نے ہی اعلان کیا کہ اللہ ایک ہے۔ مگر آہ! دنیا نے کما حقہ خدا کی ہستی و وحدانیت کو تسلیم نہ کیا۔ حتیٰ کہ خدا نے اپنے آخری پیغمبر "محمد رسول اللہ" کو مبعوث فرمایا۔ اور فرمایا اسے پیار سے! ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر دنیا میں آئے۔ اور سب نے یہی درس دیا۔ کہ اللہ ایک ہے۔ مگر ان لوگوں نے میری توحید کو تسلیم نہیں کیا۔ (الاستشار اللہ) پیار سے تمہو سے اب تو اپنی زبان سے میری توحید کا اعلان کر اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ۔ کہہ

دے۔ اللہ ایک ہے: تیرے اعلان سے ہی میری توحید کا پرچم لہرائے گا۔ چنانچہ حضور کے اعلان توحید سے یہ انقلاب نظر آیا کہ ع
ادھر سے ادھر پھیر گیا رخ ہوا کا!

کے مطابق نہ صرف یہ کہ بت پرست بلکہ خود بت بھی۔ "اللہ ایک ہے"۔
"اللہ ایک ہے" کا نعرہ لگانے لگے۔ تو اللہ تعالیٰ "قل ہو اللہ احد" کا حکم
فرا کر گویا یوں فرما رہا ہے کہ پیارے تم کہو: "اللَّهُ أَحَدٌ" اللہ ایک ہے اور
میں کہتا ہوں: "محمد رسول اللہ" محمد اللہ کے رسول ہیں۔ تم میری توحید کا
پرچم لہراؤ۔ اور میں تمہاری رسالت کا ڈنکا بجاتا ہوں۔ گویا تم میرے اور میں
تمہارا۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے سہ

جناب محمد برائے الہی جناب الہی برائے محمد

میرے بھائیو! دیکھا آپ نے اللہ کو اپنے محبوب سے کس قدر پیار ہے۔ اور
کس طرح اپنی توحید کا اعلان اپنے محبوب کی زبان سے کرا رہا ہے۔ اسی لئے
ہم کہتے ہیں۔ کہ توحید وہی توحید ہے۔ جو بزبان رسالت اور وسیلہ رسول سے
ہمیں ملی۔ اور وہ توحید جس میں رسالت کا دخل نہ ہو۔ شیطانی توحید ہے۔
ہم ایسی توحید کے قائل نہیں۔ معرفت الہی کی دولت ہمیں در رسالت ہی سے
حاصل ہوئی ہے۔ اور اسی در سے سب کچھ ملتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے "محمد
رسول اللہ" کہہ کر حضور کی رسالت کا ڈنکا بجا کر پھر ہمیں اپنے اس رسول کا
ہی دست نگر بنایا ہے۔ اور یوں حکم دیا ہے کہ:-

مَا آتَاكُمْ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (پہلے ۲)

جو کچھ رسول تمہیں عطا فرمائیں لے لو اور جس چیز سے روکیں رک جاؤ!

گویا "محمد رسول اللہ" اللہ کی نعمتوں کے قاسم ہیں۔ اور حضور ہمیں دیتے ہیں اور
ہم لیتے ہیں۔ خدا کی طرف سے جو کچھ ہمیں ملتا ہے اسی در سے اور جو اس در

سے محروم ہے۔ وہ پھر محروم ہی ہے۔ اس کے لئے کچھ بھی نہیں ہے

خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقرر!!

جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

منکرین حدیث میرے بزرگو! اور عزیزو! اس آیت میں دیکھ لیجئے۔ خدا تعالیٰ نے کس شان سے اپنے محبوب کا نام لے کر ان کی رسالت کا اعلان فرمایا ہے۔ مگر اس لمحہ دور میں کچھ لوگ ایسے بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ جو "رسالت" کے منکر ہیں۔ اور قرآن کا لبادہ اوڑھ کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات با برکات اور آپ کے ارشادات سے برگشتہ کرنے کی ناپاک کوششوں میں ہیں۔ یہ لوگ "رسالت اور حدیث" کے خلاف منظم طور پر سازش کر رہے ہیں۔ مگر۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَ
لُكُورَةَ الْكَافِرُونَ ۝ (نور ۹۴) یہ لوگ اللہ کے نور کو اپنے
موتوں سے بجھانا چاہتے ہیں۔ اور اللہ اپنے نور کا پورا کر نیوالا
ہے۔ اگرچہ کافر برا متا ہیں۔

اللہ تعالیٰ جب اپنے محبوب کی رسالت کا ڈنکا بجا رہا ہے۔ تو یہ
منکرین رسالت اور دشمنان حدیث بھلا خدا کا کیا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ وہ
عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑاتی لیتے!

یہ گھٹائیں اُسے منظور بڑھانا تیرا

سلمانو! ان لوگوں نے محض دھوکا دینے کے لئے اپنے آپ کو مسلمان
مشہور کر رکھا ہے۔ حالانکہ جانِ اسلام اور روحِ ایمان یعنی رسالتِ مصطفیٰ صلی
اللہ علیہ وسلم کا ان کے دل میں وقار ہی نہیں۔ اور وہ حضور سرورِ عالم
صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ضرورت ہی نہیں سمجھتے (معاذ اللہ) چنانچہ ان
لوگوں نے صاف صاف یہ لکھ دیا ہے کہ :-

"قرآن کی تشریح و توضیح کے لئے کسی خارجی سہارے

کی ضرورت نہیں ہے" (طلوع اسلام ص ۲۶ نومبر ۱۹۵۲ء)

دیکھا آپ نے! یہ "خارجی سہارے" سے ان کی کیا مراد ہے؟ اس سے
مراد ان کی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ گویا ان کے لئے قرآن
ہی بس ہے۔ اس کے بعد اب "رسول" کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ یہی قرآن

ہمیں رسول کے دروازے پر لا رہا ہے۔ اور یہی قرآن ہمیں - اطاعتِ رسول کا درس دے رہا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ قرآن کی تعلیم پر بجز ارشادِ رسول کے عمل ہو ہی نہیں سکتا۔

نماز اور زکوٰۃ کا حکم | مثلاً نماز اور زکوٰۃ ہی کو لے لیجئے۔ قرآن فرماتا ہے:-
اَتِمُّوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ۔

نماز قائم کرو۔ اور زکوٰۃ دو۔ اور رسول کی فرماں برداری کرو۔ (سورۃ نساء ۱۳)
دیکھ لیجئے! اجمالاً فرما دیا کہ نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو۔ مگر نماز کی ہیئت اور تفصیل؟ زکوٰۃ کی تفصیل و تشریح؟ یہ قرآن میں نہیں ہے۔ یہ تو فرما دیا کہ نماز پڑھو۔ مگر نماز میں کیا کیا پڑھیں؟ کس کس وقت پڑھیں؟ اور کس طرح پڑھیں! — زکوٰۃ کون دے، کون نہ دے؟ کب دے کس کس چیز کی دے؟ اس کی تفصیل قرآن میں نہیں ہے۔ بھائیو! یہ سوچنے کی بات ہے، کہ اگر اللہ تعالیٰ نماز اور زکوٰۃ کی پوری پوری تفصیل بھی قرآن میں بیان کر دیتا۔ تو یہ قرآن بجائے تیس پانچوں کے اگر اکٹیں پارے بھی ہو جاتا تو کیا ہرج مہاجم؟ تفصیل تو سمجھ میں آجاتی، مگر اس نے ایسا نہیں کیا، اور ایسا کیوں نہیں کیا؟ صرف اس لئے کہ لوگ اس کے رسول سے بے نیاز نہ ہو جائیں۔ بس اتنا فرما دیا کہ "اَتِمُّوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ" نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ اور جب ہم نے یہ سوال کیا کہ الہی نماز پڑھیں کیسے اور زکوٰۃ دیں کیسے؟ تو سادگی ہی یہ فرما دیا "وَاطِيعُوا الرَّسُولَ"۔ اور رسول کی فرماں برداری کرو۔ گویا تفصیل درکار ہے۔ تو میرے رسول سے پوچھو۔ نماز و روزہ کا اجمالی حکم میں نے دے دیا۔ اور اس کی مکمل تفصیل تشریح میرا رسول کرے گا۔

بھائیو! دیکھ لو۔ خود قرآن ہی کس واضح طریق پر اپنی تفصیل و تشریح کے لئے رسول کی ضرورت بیان کر رہا ہے۔ مگر یہ لوگ کس ناعاقبت اندیشی سے یوں کہہ رہے ہیں کہ ہمیں کسی "خارجی سہارے کی ضرورت نہیں"۔
ہاں صاحب! آپ کو چونکہ اسلامی قیود و ضوابط اور شرعی پابندیوں

ہی کی ضرورت نہیں۔ اس لئے آپ کو رسالت و ارشادات رسالت کی بھی ضرورت نہیں۔ کہ یہ ساری پابندیوں کی تفصیل تو ہمیشہ ہی میں ہے۔ اور "اجمال قرآن" میں آپ اپنی من مانی کارروائیوں کی تفصیل اپنے لئے جملہ چہیتی راہیں کھول سکتے ہیں۔ اور خود قرآن ہی کی زبان سے یہ سرٹیفیکیٹ حاصل کر سکتے ہیں۔ کہ **يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا** یعنی (ارشادات نبویہ کو چھوڑ کر) قرآن کے ذریعہ خدا بہت سوں کو گمراہ بھی کر دیتا ہے۔

رسالت | ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ اللہ نے اپنے محبوب کا نام لے کر آپ کی رسالت کا اعلان فرما دیا۔ اور یوں کہا۔ **مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ**۔ "محمد اللہ کے رسول ہیں"۔ میرے بزرگو! ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانہ میں مبعوث ہوئے ہیں۔ اس وقت ساری دنیا میں شرک و کفر کا اندھیرا چھا رہا تھا۔ لوگوں نے اپنے اللہ سے منہ موڑ کر انبیاء سے رشتہ جوڑ رکھا تھا۔ بالخصوص تک عرب میں شرک و ضلالت کا بڑا زور تھا۔ سینکڑوں ان کے معبود تھے۔ حتیٰ کہ استنجنہ کے ڈھیلوں تک کو وہ پوج لیا کرتے تھے۔ کئی ایک بت تھے۔ جو انہوں نے بڑی بڑی محنتوں سے خود بنائے تھے۔ اور پھر ان کے آگے سجدے بھی کرتے تھے۔ اس قدر پستی و ذلت میں وہ لوگ گھر چکے تھے۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تاج رسالت پہنے ہوئے جلوہ افروز ہوئے۔ اور اس شان سے کہ آپ کے تشریف لاتے ہی سارا جہان تاریک بقعہ نور بن کر چمک اٹھا۔ بقول شاعر سے

جہاں تاریک تھا ظلمت کہہ تھا سخت کالا تھا!

کوئی پردے سے کیا نکلا کہ گھر گھر میں اجالا تھا

حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عالم میں جو اپنا قدم مبارک رکھا۔ تو دنیا سے شرک و کفر اور عالم بتا کہہ میں ایک زبردست انقلاب پیدا ہوا۔ حضور کی باطل شکن ندائے حق سے شیطان تھرا اٹھا۔ اور دنیا سے بت پرستی لرز اٹھی۔

تری آمد تھی کہ بیت اللہ مجھے کو جھکا !

تری ہیبت تھی کہ ہر بیت تھر تھرا کر گر گیا

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ :-

يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ — (پتہ ۳۴)

اے کافرو! یہ جنہیں تم پوجتے ہو۔ میں ان کو نہیں پوجتا!

یہ تمہارے معبود! لات! ہیل اور عزیٰ — نادالوں! ان کے

آگے کیوں جھکتے ہو۔ آؤ! میری سنو! اور ایک اللہ کو پوجو۔ کافرو! تم

ایسے "خداؤں" کو مت پوجو جنہیں خود تم نے بنایا۔ بلکہ آؤ اس خدا

کو پوجو۔ جس خدا نے تم کو بنایا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ — (پتہ ۳۴)

اے لوگو! تم اس رب کی عبادت کرو۔ جس رب نے تمہیں بنایا!

حضرات! ہمارے حضور کی یہ آواز رسالت زمین و آسمان میں گونج اٹھی

اور سر زمین عرب میں اس آواز حق کا یہ اثر ہوا کہ

وہ کڑکا کھا بجلی کا یا صوتِ ہادی!

عرب کی زمیں جس نے ساری ہادی!

بت پرست اپنے اپنے طلسم پاش پاش ہوتے دیکھ کر گھبرا اٹھے۔

اور حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درپے آزار ہو گئے۔

چنانچہ ان لات و عزیٰ کے پیچاریوں نے جب دیکھا کہ "محمد" (صلی اللہ

علیہ وسلم) نے ہمارے "خداؤں" کو جھوٹا اور ہمیں کافر کہنا شروع کر

دیا ہے۔ تو ان لوگوں نے ایک میٹنگ کی۔ اور سب

نے یہ مشورہ کیا۔ کہ چلو سارے مل کر محمد (صلی اللہ

علیہ وسلم) کے چچا ابوطالب کے پاس چلیں۔ اور ابوطالب سے کہیں

کہ وہ اپنے بھتیجے کو اس کام سے روکے۔

دوستو! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ابوطالب

کے پاس ہی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین

ابوطالب

کہ میں رضی اللہ عنہا چونکہ وصال فرما چکے تھے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کے پاس مقیم تھے۔ اور اس بات سے کوئی یہ نہ سمجھے۔ کہ ابوطالب نے حضور کو اپنے پاس رکھ کر حضور پر کوئی احسان کیا تھا۔ حاشا وکلاً! ہمارے حضور پر بجز اللہ کے اور کسی کا احسان نہیں ہے اور نہ ہی اللہ کو یہ بات منظور تھی۔ کہ کسی دوسرے کا اس کے محبوب پر کوئی احسان ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عرب کے غیر سرسبز علاقے میں ہوئی۔ تاکہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے۔ کہ حضور جو اس قدر علوم و امرار کے مالک ہیں۔ یہ تاثیر زمین کے باعث ہے۔

چنانچہ حضور کے لئے اللہ نے ایک ایسی زمین کا انتخاب فرمایا جس کے متعلق قرآن "بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زُرْعَةٍ" فرماتا ہے۔ یعنی بالکل غیر آباد اور غیر سرسبز علاقہ تو حضور پر اس علاقہ کا کوئی احسان نہیں۔ بلکہ حضور ہی کا اس علاقہ پر بھی احسان ہے۔ کہ آپ کی بدولت یہ خطہ مبارک اور متبرک ہو گیا۔ بعض اوقات مجلس اور سوسائٹی کا بھی اثر ہوتا ہے۔ ایک شخص کراچی یا بمبئی سے آئے۔ اور اپنے علوم اور معلومات کا ذکر کرے۔ تو کہنے والا کہہ سکتا ہے۔ کہ چونکہ یہ شخص کراچی یا بمبئی جیسے مرکزی شہر کا رہنے والا ہے۔ اور ایک ایسے شہر میں مقیم ہے۔ جہاں ہزاروں پڑھے لکھے آدمی رہتے ہیں۔ سینکڑوں علمی کتابیں مل سکتی ہیں۔ بیسیوں کالج اور سکول ہیں اس لئے اس کی اس قدر معلومات ہیں۔ تو اللہ نے یہ بات بھی اپنے محبوب کے لئے پسند نہ فرمائی۔ کہ کوئی یوں کہے۔ کہ حضور کے علوم کسی علمی مجلس یا کسی کالج و سکول کے رہیں منت ہیں۔ اس لئے آپ کو غیر تعلیم یافتہ اور ان پڑھ لوگوں میں مبعوث فرما کر یہ اعلان فرمایا کہ بَعَثْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْكُمْ لِيُحْيِيَنَّ لَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا بَلَدًا كَانَتْ هَلَاكًا لَّكُلِّ أُمَّةٍ لَّعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔ اور ان پڑھ لوگوں میں مبعوث فرمایا کہ بَعَثْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْكُمْ لِيُحْيِيَنَّ لَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا بَلَدًا كَانَتْ هَلَاكًا لَّكُلِّ أُمَّةٍ لَّعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔

قوم کا بھی احسان نہیں۔ بلکہ آپ ہی کی بدولت یہ ان پڑھ لوگ بھی علوم و اسرار کے مالک بن گئے۔ اور دنیا بھر کے اُستاد بن گئے سہ خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے بے شک حضور کو کچھ عرصہ کے لئے دودھ پلایا۔ مگر کیا یہ اس کا حضور پر احسان تھا۔ یا حضور کا حلیمہ پر احسان تھا۔ کہ ایک غریب بدویہ عورت کے گھر کو برکتوں سے معمور کر دیا۔ یہ حلیمہ خود فرماتی ہیں کہ :-

”میری چھاتی میں دودھ آتا ہی نہ تھا۔ اور اگر آتا بھی تھا۔ تو بہت کم۔ حتیٰ کہ میرا بٹیا پیٹ بھر دودھ نہ پی سکتا تھا۔ اور رات بھر نہ ستوتا اور نہ سونے دیا کرتا۔ مگر جب حضور کو لائی ہوں تو آپ نے اپنے منہ مبارک میں جب دودھ ڈالا۔ تو میری چھاتی میں اتنا دودھ پیدا ہو گیا۔ کہ میرے بچے نے بھی اس دن پیٹ بھر کر دودھ پیا۔ اور پھر اس رات ایسا مزے سے سویا کہ اس طرح کبھی میٹھی نیند سویا ہی نہ تھا۔ نیز ہم ایک بکری مکہ سے لائے تھے۔ جو بڑی لاغر اور دبلی تھی۔ کبھی کبھار اس سے دودھ کی ایک دو دھاریں دوہ لیتے تھے جو اپنے بھوکے بچے کو پلا دیا کرتے تھے۔ حضور جب تشریف لائے۔ تو اس بکری کو بھی ہم نے دیکھا۔ کہ خلافت معقول اس کے تھن، دودھ سے بھرے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہم نے اس بکری سے اتنا دودھ دوہا۔ کہ ہم سب نے خوب پیٹ بھر کر پیا۔ اور مزے سے سب سوئے۔“

اسی طرح حضور کی برکت سے حلیمہ کی خشک زمین بھی ہری بھری ہو گئی۔ اور وہ مویشی جو گھر اور باہر بھی بھوکے ہی رہتے تھے۔ حلیمہ فرماتی ہیں۔ کہ اب وہ ہمارے مویشی بھی خوب کھانے لگے۔ اور موٹے ہونے لگے

اور فرماتی ہیں کہ میرے شوہر نے **مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** کی یہ برکتیں دکھیں تو کہا۔

وَاللّٰهُ يَا حَلِيمَةَ لَقَدْ اخَذْنَا نَسْمَةَ مَبَارَكَةَ

”خیا! اے حلیمہ ہم نے جس بچے کو لیا ہے۔ یہ بہت مبارک ہے۔“
 یہ سارا تفصیلی واقعہ حجۃ اللہ علی العالمین کے سال ۱۲۵۲ھ پر دیکھئے اور فیصلہ کر لیجئے۔ کہ یہ احسان حلیمہ کا حضور پر تھا یا حضور کا احسان تھا حلیمہ پر! میرے بندگو! اسی طرح ہمارے حضور جب ابو طالب کے گھر تشریف لائے تو ابو طالب ایک کثیر العیال شخص تھے۔ خصائص کبریٰ میں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت درج فرمائی ہے کہ ابو طالب کے بچے ہمیشہ بھوکے رہتے تھے۔ مگر حضور کے تشریف لانے پر اس کے کھانے میں کچھ ایسی برکت پیدا ہوئی کہ سارے بچے پیٹ بھر کر کھانا کھا لیں لگے اور بعض اوقات ابو طالب کے بچے حضور کی انتظار کئے بغیر کھانے کو بیٹھ جاتے۔ تو ابو طالب کہتے۔ اے بچو! اگر بھوکا بنا ہے تو محمد کی انتظار کئے بغیر کھانا کھا لو۔ اور اگر پیٹ بھر کر کھانا چاہتے ہو۔ تو محمد کو آئیے دو! **صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ** معلوم ہوا کہ ابو طالب پر بھی حضور ہی کا احسان تھا۔
دشمن کی تو میں کہہ رہا تھا کہ بت پرستوں نے مشورہ کیا۔ کہ ابو طالب کے پاس چلیں۔ اور اُسے جا کر کہیں۔ کہ وہ اپنے بھتیجے کو ہمارے ہتوں کی مخالفت سے باز رکھے۔ چنانچہ یہ لوگ ابو طالب کے پاس آئے۔ اور ابو طالب سے کہا۔ کہ تم اپنے بھتیجے کو روکو۔ اور اگر تم نے اُسے نہ روکا۔ اور نہ اس کی حمایت کرنا۔ تو پھر ہم اعلانِ جنگ کرتے ہیں۔ ہم سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ہم لڑیں گے اور خون کی ندیاں بہا دیں گے۔ ابو طالب نے ان لوگوں کی یہ دشمنی سنی۔ تو فکر لاحق ہوئی۔ اور حضور **صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** کو اسی مجلس میں بلایا حضور تشریف لائے تو پوچھا اے چچا! کیا بات ہے۔ ابو طالب نے کہا۔ بیٹا! یہ دیکھو! یہ مکہ کے فلاں صاحب ہیں۔ اور یہ فلاں! یہ سب کے سب میرے پاس ہیں

لے آئے ہیں۔ کہ تم اپنی تبلیغ بند کر دو۔ اور انہیں اپنے حال پر رہنے دو۔
 اگر تم نے اپنی یہ تبلیغ بند نہ کی تو یہ اعلان جنگ کرتے ہیں۔ اور لڑنے
 مرنے کے لئے تیار ہیں۔ بیٹا! مجھ میں اتنی ہمت نہیں۔ کہ میں ان سے
 ٹکر لے سکوں۔ اس لئے میں تم سے کہتا ہوں۔ کہ تم اپنی تبلیغ بند کر دو۔
 حضرات! آپ دیکھئے! ہمارے حضور نے اس نازک وقت

دھمکی کا جواب

میں جواب کیا دیا۔ کوئی لیڈر ہوتا یا مصنوعی نبی تو
 یقیناً ایک لمبا چوڑا معافی نامہ لکھ دیتا۔ اور آئندہ کے لئے اپنے خیالات
 سے رک جاتا۔ مگر یہاں تو جانِ صداقت، اور روحِ حقانیت تھی اور
 اللہ کی سچی رسالت جلوہ فرما تھی۔ اس نازک وقت میں ہمارے حضور
 کا جواب یہ تھا۔ جسے شاعر نے نظم میں قلمبند کیا ہے کہ

جفا و جور کی آندھی چلے طوفان آجائیں
 مٹانے کو مرے شداد اور لامان آجائیں
 میرے لاکھوں پہ لا کر چاند سورج بھی اگر رکھ دیں
 میرے پیروں تلے روٹے زمین کا مال و زر رکھ دیں

خدا کے حکم سے میں باز ہرگز رہ نہیں سکتا!
 یہ بہت جھوٹے ہیں میں جھوٹوں کو سچا کہہ نہیں سکتا

اے چچا! کچھ بھی ہو جائے۔ مگر یہ بات نہیں ہو سکتی کہ میں اپنی
 تبلیغ کو بند کر دوں۔ چچا نے جو یہ جرأت آمیز اور عزم و استقلال کا
 اعلان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سنا تو کہا۔ جانِ عم! تو جو چاہے
 کر۔ تمہارا کوئی کچھ بگاڑ نہ سکے گا۔

میرے بھائیو! حضور کے اس عزم و استقلال سے تم
 ہماری حالت

بھی سبق حاصل کرو، اور شریعت کے معاملہ میں کسی
 دھمکی سے مرعوب ہو کر دامنِ شرع چھوڑ دینے پر آمادہ نہ ہو جایا کرو۔
 کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ آج ہمیں اگر برادری کے افراد بھی شریعت
 سے ہٹانا چاہیں۔ تو ہٹا لیتے ہیں۔ کسی کے لڑکے کی شادی ہوتی ہے۔

تو برادری مجبور کرتی ہے۔ کہ اس شادی میں خلافت شرع سب امور موجود ہونے ضروری ہیں۔ باجا بھی ہو۔ آتش بازی بھی ہو۔ اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو ہم شادی میں شرکت نہ کریں گے۔ برادری کا یہ اعلان ہوتا ہے۔ اور نہ کار دو عالم کا یہ اعلان ہوتا ہے۔ کہ دیکھو اگر تیرے ہاں یہ خرافات ہوں تو میں اس شادی میں شرکت نہ کروں گا۔ آہ! کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ آجکل کا برائے نام مسلمان برادری سے مرعوب ہو کر شریعت کا دامن چھوڑ دیتا ہے۔ اور برادری کو تو اپنے ہاں بلا لیتا ہے۔ مگر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرواہ نہیں کرتا۔ فرمائیے۔ شریعت کا دامن چھوڑ کر اور حضور سے رشتہ توڑ کر پھر باقی رہا کیا؟ اور اس برائے نام اپنی مسلمانی سے ہم نے اسلام کو بدنام کیا یا نہیں؟ ایسی مسلمانی بھی کیا ہوتی جس میں سب ہی غیر مسلموں والی حرکتیں پائی جائیں۔

مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں ایک حکایت لکھی ہے۔ یہ مجوسی حضرت

ایک مجوسی کی حکایت

بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ کے زمانہ میں تھا۔ ایک مسلمان نے جو بڑا بے عمل مسلمان تھا۔ اس مجوسی سے کہا۔

کیوں نہیں ایمان لے آنا شباب
آگ کو کیوں پوجتا ہے بے خرد
اس خدائے پاک پر ایمان لا
آگ کو بھی جس نے ہے پیدا کیا

مجوسی کو جب اس بے عمل مسلمان نے دعوتِ اسلام دی۔ تو اس مجوسی کا عبرت آموز جواب سنئے۔ وہ بولا

دیکھئے اے مہربان اسلام کے
ایک تو اسلام شیخ بایزید
تاب و طاقت اسکی میں کھتا نہیں
ایسے تو اسلام کہا میں ہوں غلام
دوسرا اسلام جو ہے آپ کا
میل دل گراں طرف لانا ہوں میں
وہ ہونے ہیں میرے اب سامنے
شوکتِ اسلام کی جس نے مزید
کون رکھ سکتا ہے اس کا سابقین
پر نہیں وہ ہر کس و ناکس کا کام
ایسے ایمان سے تو میں کافر بھلا
دیکھ کر حضرت کو رک جاتا ہوں میں

دیکھا آپ نے! اُس محوسی نے کتنی زبردست بات کہہ دی یعنی جو مسلمان اس قدر بد عمل ہوں کہ دوسرے لوگ اُن کو دیکھ کر بجائے اسلام کی طرف راغب ہونے کے اسلام سے بھاگنے لگیں۔ تو ■ مسلمان کس منہ سے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ ع

یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شراپاں یہود!

مسلمانو! یاد رکھو! مسلمان وہی ہے۔ جو کسی حال میں بھی خدا و مصطفیٰ کا دامن نہ چھوڑے۔ دنیا بگڑے تو بگڑے۔ برادری ناراض ہوتی ہے۔ تو ہو۔ مگر اللہ اور اس کا رسول ہرگز ناراض نہ ہو۔ دنیا بگڑے اور برادری ناراض ہو۔ تو ایسے وقت میں مسلمان وہ ہے۔ جو حضور ہی کی طرف دیکھے۔ اور برادری کی ناراضگی مول لے کر اور حضور کی خوشنودی پا کر یہ اعلان کرے کہ یا رسول اللہ!

۵

میرے عمل سے نہ شیخ خوش ہیں، نہ بھائی خوش ہیں، نہ باپ خوش ہیں مگر میں سمجھا ہوں اس کو اچھا دلیل یہ ہے، کہ آپ خوش ہیں میرے عزیزو! آج جس برادری کو خوش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کا یہ عالم ہے۔ کہ تم کچھ بھی کرو۔ وہ خوش ہونے کی ہی نہیں۔ کوئی نہ کوئی نقص اور عیب نکال ہی لے گی۔ دیکھئے اگر آپ شادی کی روٹی میں اپنی توفیق سے بڑھ کر خرچ کریں۔ تو یہ برادری کھا پی کر آپ کی روٹی پر تبصرہ یوں کرے گی۔

”اجی محض دکھاوا ہے دکھاوا۔ یہ جو اس نے حیثیت سے بڑھ کر خرچ کیا ہے۔ محض اس لئے کیا ہے۔ کہ اس کی واہ وا ہو۔ مگر ہماری تو رائے یہ ہے۔ کہ جب اتنی توفیق نہ تھی۔ تو اس قدر خرچ کی کیا ضرورت تھی۔“ اگر آپ توفیق کے مطابق خرچ کریں گے۔ تو برادری یوں کہتی ہوئی نکلے گی۔ ”اجی کیا کہاں کیا ہے۔ اس نے، رب نے دے بھی تو رکھا ہے۔ اگر اس قدر خرچ کر ڈالا۔ تو کوئی بڑی بات نہیں۔ اور اگر آپ نے توفیق سے کم خرچ کیا تو برادری کی درفشانی حسب ذیل ہوگی :-

” بڑا کنجوس مکھی چوس ہے۔ دیکھو تو کس قدر امیر آدمی ہے۔ مگر

پکایا کیا ہے اس نے!“

گھسیٹا یہ برادری ہر حال میں آپ سے شاکی رہے گی۔ اور آپ پر خوش نہ ہوگی۔ تو میرے بھائیو! پھر کس قدر ظلم ہے۔ کہ ہم ایسی بیونجا جماعت کو تو خوش کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ اور شریعت، جو ہر حال میں ہماری ہی خواہ اور تمہارے دین، دنیا کی سرخروٹی کی ضامن ہے۔ اس کی ہم پروا ہی نہ کریں۔ ہمارا فرض ہے۔ کہ برادری بگڑتی ہے۔ تو بگڑے۔ مگر خدا و رسول سے نہ بگاڑیں۔

جس کام کو یاں آئے ہیں وہ کام نہ بگڑے

ہر چیز بگڑ جائے پر اسلام نہ بگڑے

میرے بزرگو! یہ جو شیطان ہمارا ازلی دشمن ہے۔ اور

شیطان کے داؤ

جس نے ہمارے بہکانے کی قسم کھا رکھی ہے۔ یہ بڑے بڑے جیلے پہانوں سے ہمارے لائق سے دامن شریعت چھڑوانا چاہتا ہے۔ بیاہ شادیوں میں رنگا رنگ اور دلچسپ لہو و لعب کے امور میں ہمیں الجھا کر یہ ہمارا متاع دین اڑا لینا چاہتا ہے۔ مگر ہماری غفلت بھی انتہائی غفلت ہے۔ کہ اس مردود کی چالوں کو ہم نہیں سمجھتے۔ اور اس کی باتوں میں پھنس کر اپنی قیمتی سے قیمتی چیز دین و شریعت کو لائق سے کھو دیتے ہیں۔

مولانا ہومی علیہ الرحمۃ نے ایک درزی کا قصہ لکھا ہے

ایک درزی کا قصہ

کہ اس کو ہزاروں لطیفے اور چٹیکے یاد تھے۔ جب کوئی گاہک کپڑا سلانے کے لئے اس کے پاس آتا۔ تو وہ گاہک کو لطیفے سنانے شروع کر دیتا تھا۔ لطیفے سن کر گاہک خوب ہنسنے لگتا۔ اور جب وہ اپنی ہنسی میں لوٹ پوٹ ہو جاتا۔ تو درزی اس کی نظر بچا کر اس کے کپڑے سے کچھ کپڑا کاٹ لیتا۔

ایک دن ایک شخص اپنا کوٹ سلانے کے لئے اس کے پاس آیا۔ اور کپڑا درزی کو دیا۔ تو درزی نے حسب معمول اسے بھی ایک لطیفہ سنا دیا۔ وہ

شخص ہنس ہنس کر دوہرا ہو گیا۔ اتنے میں درزی نے ایک گرہ کپڑا کاٹ دیا۔ گاہک نے فرمائش کی۔ کہ ایک لطیفہ اور سناؤ۔ درزی نے دوسرا لطیفہ بھی سنا دیا۔ گاہک پھر ہنسا۔ اور درزی نے موقعہ پا کر دو گرہ کپڑا کاٹ لیا۔ گاہک نے پھر فرمائش کی۔ کہ ایک لطیفہ اور سنا دو۔ درزی نے جواب دیا۔

”تیسرا لطیفہ سنا دینے میں مجھے عذر تو کوئی نہیں۔ مگر جناب کا کوٹ بہت ہی چھوٹا ہو جائے گا۔“

مولانا رومی فرماتے ہیں۔ اسی طرح شیطان بھی ہے۔ جو انسان کو مختلف قسم کی شہوات اور نفسانی خواہشات کے چٹکوں میں الجھا کر اس پر غفلت طاری کر کے اس کے متنازع ایمان پر لائحہ صاف کرنا شروع کر دیتا ہے۔ فرماتے ہیں۔ غافل انسان! تو چالاک شیطان کے اس داؤ کو سمجھ۔ اور اس کے ان چٹکوں میں آ کر اپنا متنازع ایمان نہ کھو۔

ہاں تو میں بیان کر رہا تھا۔ کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے شرک و کفر کے خلاف اپنی آواز حق جو بلند فرمائی۔ تو اس آواز پاک سے ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ جنت پرست خدا پرست بن گئے۔ اغیار کے آگے جھکنے والے خدا کی بارگاہ میں جھکنے لگے اور قبر پرستی میں گرے ہوئے عروج و وقار کے سیٹج پر نظر آنے لگے۔

اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا
خاک گئے ذروں کو ہمدوش شریا کر دیا
خود نہ کھتے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

یہ حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعجاز اور کرشمہ تھا۔ کہ دنیا کی کایا ہی پلٹ دی۔ اور اپنی بے مثل مسیحائی سے مردہ دلوں میں ابدی زندگی پیدا فرمادی۔ پڑھئے درود شریف!

صلی اللہ علیہ وسلم
صلی اللہ علیہ وسلم

سرورِ عالمِ لادہئی اعظم
شمیح ہدایت نورِ مجسم

نام و نشانِ شرکِ مٹا کر! اور توحید کا رنگ جما کر

پھر لہرا دیا حق کا پرچم! صلی اللہ علیہ وسلم

میرے بزرگو! اللہ تعالیٰ نے حضور کو "مخبر رسول اللہ" فرما کر گویا حضور کی شان والا کا اظہار فرما دیا۔ اور

شان و رسالت

بتا دیا کہ میرے محبوب جن کا نام نامی "محمد" ہے۔ وہ "رسول اللہ" ہیں۔

انہیں اپنی مثل نہ سمجھنا۔ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو اللہ کا رسول ہو۔

اس کی شان کا کیا کہنا؟ اللہ کا رسول اپنی ذات و صفات میں مظہرِ حق

ہوتا ہے۔ اور ساری مخلوق سے بلند و بالا ہوتا ہے۔ جو لوگ "رسول اللہ"

کو اپنی مثل اور عاجز و ناکارہ سمجھتے ہیں۔ وہ دراصل اللہ کی عظمت کے

منکر ہیں۔ دیکھئے! درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ پیر اپنے مریدوں

سے، اور استاد اپنے شاگردوں سے پہچانا جاتا ہے۔ مرید اگر نیک اور پابند

شرعیات ہیں۔ تو ان کے پیر کا تقویٰ و تدبیر ظاہر ہوگا۔ شاگرد اگر لائق

ہوں گے۔ تو ان کے استاد کی لیاقت ظاہر ہوگی۔ اور اگر مرید ہی بے دین

ہیں۔ تو پیر بھی ان کا ویسا ہی ہوگا۔ شاگرد نالائق ہوں گے تو استاد

بھی جاہل ہوگا۔ تو میرے بھائیو! اللہ کے رسول اگر بے مثل، اور بڑی

بڑی طاقتوں، اور قدرتوں کے مالک تسلیم کئے جائینگے۔ تو ان کے

والے اللہ کا بھی لا شرکاب ہونا۔ اور قادر مطلق ہونا بخوبی ظاہر ہوگا۔ اور

اگر اس کے رسولوں ہی کو عاجز اور ناکارہ تسلیم کیا جائے گا۔ اور نفع ضرر

کا مالک تسلیم نہ کیا جائیگا۔ تو اس سے یہ بات ظاہر ہوگی۔ کہ اللہ بھی

ایسا ہی عاجز و غیر قادر ہے۔ (معاذ اللہ)

تو بھائیو! ہم تو بھمد اللہ اسی حقیقت کا اظہار کرتے ہیں۔ کہ ہمارے

آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بے مثل ہیں۔ اور اس قدر کثرت کے

مالک ہیں کہ درختوں کو حکم دیں۔ تو وہ حاضر ہوں۔ جانوروں کو ارشاد

فرمائیں۔ تو وہ لبیک کہتے ہوئے دوڑے آئیں۔ پتھروں کو حکم دیں۔ تو وہ

کلمہ پڑھنے لگیں۔ ادھر چاند کی طرف اشارہ کر کے اس کے دو ٹکڑے کر دیں۔

غروب شدہ سورج کو واپس لے آئیں۔ تو اس قدر طاقت اور اتنی قدرت رکھنے والا رسول، جس اللہ کا رسول ہے۔ وہ اللہ کیوں نہ وحدہ لا شریک ہوگا۔ اور اس کی طاقتوں، اور قدرتوں کا اندازہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ اللہ جس نے اپنے رسول کو اتنی طاقت و قدرت اور تصرف و اختیار بخش دیا ہے۔ وہ خود کتنی زبردست طاقت اور قدرت کا مالک ہوگا۔

میرے بھائیو! یہ تو ہے اہل سنت کا عقیدہ حقہ! اور جو لوگ رسول کو محض اپنے جیسا ایک بشر کہتے ہیں۔ اور اسے عاجز و ذلیل اور ذرہ ناچیز سے بھی کمتر سمجھتے ہیں۔ ان کے اس عقیدہ باطلہ کا نتیجہ یہی نکل سکتا ہے کہ ایسے رسول کا بھیجنے والا بھی کسی کام کا نہیں۔ اور کوئی طاقت و قدرت نہیں رکھتا۔ اگر کچھ رکھتا ہوتا۔ تو اپنے رسول کو تو کچھ دے کر بھیجتا تو بھائیو! اب خود ہی فیصلہ کر لو۔ حق پر کون ہے؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم | اسی طرح یہ بات بھی سمجھ لیجئے۔ کہ جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام

رضوان اللہ علیہم اجمعین پر زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ وہ اچھا نہیں کرتے اس لئے کہ اس کا اثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر جا پڑتا ہے۔ اس لئے کہ مریدوں کے اعمال سے پیر کا اور شاگردوں کے علم سے استاد کا پتہ چلتا ہے۔ کہ مریدوں کا پیر، اور شاگردوں کا استاد کیسا ہے، مرید اچھے تو پیر بھی اچھا۔ مرید بے دین تو پیر بھی ویسا۔ شاگرد فیل ہو گئے تو گویا استاد ہی قابل نہ تھا۔ تو صحابہ کرام کو اگر یہ تسلیم کیا جائے۔ کہ وہ سارے مرتد ہو گئے (معاذ اللہ) تو گویا یہ حضور پر اعتراض ہے۔ کہ اچھے رسول تھے۔ کہ جن کے شاگرد سب کے سب فیل ہو گئے۔ تو دوستو! اس عقیدہ باطلہ سے پناہ مانگو۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق یہ ایمان رکھو کہ وہ سب کے سب اچھے مومن، اور ساری امت سے افضل، اعلیٰ تھے۔ اور ان سب سے بہتر حضور کے چار یار، اور پھر ان چاروں میں سب سے بہتر حضرت افضل الامۃ بالتحقیق سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

ذرا پڑھتے تو سہ

نبیوں کے بعد میں سب سے بہتر
 مولانا صدیق اکبر
 یار کے نام پر مرنے والا
 منزل عشق و صدق کا رہبر
 جان و مال اور کنبے والے
 نام نبی پر سارے نچھاور
 غار کا دیکھو تو وہ منظر
 سرورِ عالم کا سرِ انور
 نظم بشر کی جس دم سن لی
 کہنے لگے یوں سارے مل کر
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 سب کچھ صدق کرنے والا
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 اللہ اللہ! میں کر ڈالے
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 کون ہے بیٹھا گود میں لیکر
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 جن و بشر اور حور و ملک بھی
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تو میرے دوستو! اپنا عقیدہ درست رکھو۔ اور "محمد رسول اللہ" صلی اللہ
 علیہ و سلم کی شان عالی کو خدا کے بعد سب سے بلند و بالا سمجھو۔ اور اس
 قدر عظیم الشان رسول سے والہانہ محبت و عقیدت رکھو۔ دیکھو "محمد رسول
 اللہ" صلی اللہ علیہ و سلم کچھ ایسے محبوب ہیں کہ نہ صرف خدا ہی کے بلکہ خدائی
 بھر کے محبوب ہیں۔ نہ صرف انسانوں ہی کے بلکہ حیوانات و جمادات بھی حضور
 کی عظمت و محبت اپنے دلوں میں رکھتے ہیں۔ چنانچہ صحیح حدیث کا واقعہ ہے۔
 کہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم اپنی مسجد شریف میں منبر
 استن حنائہ کا قصبہ

بننے سے قبل کھجور کے ایک ستون سے تکیہ لگا کر
 وعظ فرمایا کرتے تھے۔ جب منبر بن گیا۔ تو آپ نے اس پر خطبہ فرمایا۔ ستون
 نے دیکھا۔ تو رونے لگا۔ اس حدیث کا ترجمہ مثنوی شریف کی زبان سے سنئے!

مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ سہ

نالہ می زد، پچو ارباب عقول

استن حنائہ از ہجر رسول

یعنی یہ ستون فراق رسول میں عقلمند انسانوں کی طرح رونے لگا۔
 در تخیّر ماند اصحاب رسول! کز چہ می نالد ستون با عرض طول
 صحابہ کرام حیران رہ گئے۔ کہ یہ ستون کیوں روتا ہے؟
 گفت پیغمبر چہ خواہی اے ستون! گفت جانم در فراقت گشت خون!
 حضور نے فرمایا۔ اے ستون کیا چاہتے ہو؟ ستون نے عرض کیا
 کہ حضور آپ کے فراق میں جان خون ہو گئی ہے۔

مسلمانو! دیکھو ایک ستون حضور کی محبت میں کس طرح رو رہا ہے۔ اور
 عرض کر رہا ہے۔ کہ حضور آپ کے فراق میں مر رہا ہوں۔ آپ نے اب مجھ سے
 تکبیر لگانا چھوڑ دیا ہے۔ اور منبر کو مشرت فرمانا شروع کر دیا ہے۔

آئیے! اب آپ کو اس حدیث کے وہ الفاظ سناؤں۔ جو حضور نے اس
 ستون کو ارشاد فرماتے۔ حضور نے اُسے فرمایا :-

إِنْ شِئْتَ ارْدُكَ إِلَى الْحَائِطِ الَّذِي كُنْتَ فِيهِ تَنْبِتُ لَكَ عُرْوَةَ
 وَ يَكْمُلُ خَلْقَكَ وَ يُجْبِرُ لَكَ خَوْصٌ وَ ثَمَرَةٌ وَ إِنْ شِئْتَ
 اُعْرِسُكَ فِي الْجَنَّةِ فَتَأْكُلِ أَوْلِيَاءُ اللَّهِ مِنْ ثَمَرِكَ

یعنی اگر تم چاہو تو میں تمہیں پھر لگا دوں۔ جہاں تم پہلے تھے۔
 تمہاری شاخیں پھر نکل آئیں۔ اور تمہاری خلقت کی تکمیل ہو جائے
 اور تمہیں پھر سے پھل لگ جائے۔ اور اگر چاہو۔ تو میں تمہیں
 جنت میں لگا دوں۔ تاکہ اللہ کے اولیاء تمہارا پھل کھائیں۔

حدیث میں ہے کہ حضور نے اس سے یہ فرمایا۔ تو وہ ستون بولا۔ یا رسول

اللہ! آپ مجھے جنت میں لگا دیجئے۔ تاکہ اولیاء اللہ میرا پھل کھائیں۔ اور
 میں ہمیشہ کے لئے قائم رہوں۔

فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ فَعَلْتُ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”اچھا میں نے ایسا

کر دیا۔ (مواہب الدنیہ ص ۳۶۶ جلد ۱)

اَحْمَدُ مَخْتَارٌ

مسلمانو! غور کرو اس حدیث کے الفاظ مقدسہ پر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس ستون سے یوں فرماتے ہیں۔ کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں یہاں دنیا میں لگا دوں اور اگر چاہو تو میں تمہیں جنت میں لگا دوں۔ گویا حضور اپنے وسیع اختیار و تصرف کا اظہار فرما رہے ہیں۔ کہ تم اپنی حاجت بیان کرو۔ تم جو کہو گے۔ ہم وہی کر دیں گے پھر جب اس درخت نے جنت میں لگائے جانے کا کہا۔ تو حضور نے فرمایا قَدْ فَعَلْتُ جَاؤْ مِیْنِیْ نَیْ اِیْسَا هِیْ کَرِیْبَا۔ سبحان اللہ! کیسا وہ ثابت کش جملہ ہے کہ میں نے ایسا کر دیا۔ کیا کر دیا؟ تمہیں جنت میں لگا دیا۔ کیوں دوستو! کیا یہ ہمارے حضور کے اختیار و تصرف کی چمکتی بوٹی دیں نہیں۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہو رہا۔ کہ حضور جو چاہیں کریں۔ یہ ان کو اپنے اللہ سے اختیار حاصل ہے۔ اور وہ اَحْمَدُ مَخْتَارٌ مِیْنِیْ۔ اَسْمَاءُ اللّٰہِ

علیہ و آلہ وسلم

ہاں تو بھائیو! اس ستون کا قصہ ملاحظہ فرمایا آپ نے اب آپ خود ہی انصاف کریں۔ کہ ایک خشک لکڑی تو حضور سے اس قدر محبت و الفت رکھے۔ پھر وہ جس کے دل میں ایسے محبوب کی محبت نہ ہو۔ اس سے زیادہ بہ نصیب اور کم بخت کون ہوگا۔

حضرات! میں اپنی تقریر ختم کرنے سے قبل ایک اور اپنی نکلی ہوئی نصیحت سنانا چاہتا ہوں۔ ابتداءً تقریر میں آپ نے نام "درجہ اول" صلی اللہ علیہ وسلم کے حروف کے متعلق نظم سنی۔ لیجئے آخر میں بھی اسی نام پاک کے حروف ہی کے متعلق میری ایک دوسری نظم بھی سنئے اور سر دھنئے۔

پہلے درود شریف پڑھئے :-

صَلِّ اللّٰہَ عَلَیْکَ وَ سَلِّمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

صَلِّ اللّٰہَ عَلَیْکَ وَ سَلِّمْ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ

شَرُفِ مِیْمِ

صَلِّے اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

”م“

کلمہ میں میم اور مسلمان میں بھی میم
جو موسم میں ہے میم تو رمضان میں بھی میم

اسلام میں ہے میم تو ایمان میں بھی میم
رحمت میں ہے جو میم تو رحمان میں بھی میم

اس میم کا ہے جلوہ رحیم و کریم میں
کیا برکتیں ہیں دیکھو محمد کے میم میں

ہے آسماں میں میم زمیں میں بھی میم ہے
الہام اور روح امیں میں بھی میم ہے

اور ہے مکان میں میم مکین میں بھی میم ہے
راقم، قلم میں لوح مبیں میں بھی میم ہے

اس میم کی بہار ہے باغ نعیم میں
کیا برکتیں ہیں دیکھو محمد کے میم میں

گر محمد میں ہے میم تو حامد میں میم ہے
اور میم ہے نماز میں مسجد میں میم ہے

اور مردِ حق میں میم مجاہد میں میم ہے
اور میم ہے مرید میں مرشد میں میم ہے

اس میم ہی کا نور ہے قلب سلیم میں
کیا برکتیں ہیں دیکھو محمد کے میم میں

”ح“

اہل حیا کو ”ح“ سے ہی حاصل حیا ہوتی
اور دل میں پیدا ”ح“ سے ہی حُبِ خدا ہوتی

حاصل شہیدِ حق کو حیات و بقا ہوتی
”ح“ سے حسین کو حُسن کی دولت عطا ہوتی

”ح“ حج میں حجرِ اسود و بیتِ الحرام میں
کیا برکتیں ہیں ”ح“ کی محمد کے نام میں

یہ ”ح“ لحد میں ساتھ ہے راحت کے واسطے
وقتِ حساب ساتھ حمایت کے واسطے

مختر میں بھی ہے ساتھ یہ رحمت کے واسطے
پہر حال میں ہے ساتھ حفاظت کے واسطے

حل مشکلوں کو کرتی ہے ہر اک مقام میں
 کیا برکتیں ہیں "ح" کی محمد کے نام میں
 محبوب میں بھی "ح" ہے محبت میں بھی ہے "ح"
 حاکم میں ہے جو "ح" تو حکومت میں بھی ہے "ح"
 حکیم میں ہے تو حکمت میں بھی ہے "ح"
 رحمن میں جو "ح" ہے تو رحمت میں بھی ہے "ح"
 "ح" حیدر و حسین علیہ السلام میں
 کیا برکتیں ہیں "ح" کی محمد کے نام میں

ہم (ثانی)

اس میم سے مراد ملی لیے مراد کو
 اس میم نے مٹایا ہے کفر و عناد کو
 اس میم نے ملا یا ہے حق سے عباد کو
 اس میم سے ہے موت جہانِ فساد کو
 اس میم سے پشت میں اپنا مکان ہے
 کیا دوسری بھی میم محمد کی شان ہے
 اس میم نے مٹائی ہے ظلمتِ قدیم کی
 اور ہے یہ میم لجا و دا کے یتیم کی
 اس میم نے دلائی ہے رحمتِ رحیم کی
 مکہ مدینہ میں بھی تو برکت ہے میم کی
 یہ میم مجرموں کو پیغامِ امان ہے
 کیا دوسری بھی میم محمد کی شان ہے
 اس میم سے تو لطفنا ہے مولا کے نام میں
 اس میم ہی کا نور ہے بیتِ احرام میں
 اس میم ہی کا جلوہ ہے زمر کے جام میں
 اس میم سے مردِ ملی مشکل مقام میں
 یہ میم ہی تو موجبِ ہر دو جہان ہے
 کیا دوسری بھی میم محمد کی شان ہے

د

آدم ہوئے فرشتوں کے مسجود "دال" سے
 حامد جو دال سے ہے تو محمود "دال" سے
 شیطان جنابِ حق سے ہے مردود "دال" سے
 دونوں جہان ہو گئے موجود "دال" سے
 دین اور دنیا دونوں محمد کا مال ہے

بنیادِ دو جہانِ محمدؐ کا "دال" ہے

دانش میں ہے جو دال تو دانا میں دال ہے
دولت میں ہے جو دال تو دانا میں دال ہے

امداد میں ہے دال مددوا میں دال ہے
دیرِ صدمت میں دال ہے دریا میں دال ہے

ہر دل میں دال ہی کا تو دیکھو جمال ہے

بنیادِ دو جہانِ محمدؐ کا دال ہے

اس دال سے قبولِ خدا کو درود ہے
اس دال سے ہی دہر میں ہر اکش جو د ہے

مردِ سخی کا دال سے فیض اور جو د ہے
خوش دال سے شہید پر لبِ وود ہے

نزیب و دور "دال" کا فیض کمال ہے

بنیادِ دو جہانِ محمدؐ کا "دال" ہے



فِي سَبِيلِ اللَّهِ عَلَيْنَا الْبُحْبُوحَاتُ وَالْمَسَابِقُ وَالْمَسَابِقُ

وَالْمَسَابِقُ وَالْمَسَابِقُ وَالْمَسَابِقُ



تَسْرًا وَعِظًا

فَضَائِلُ رَسُولٍ

صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ أَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ

إِنَّمَا بَعَثْنَا

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى الْبَعْضِ مِنْهُمْ

مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ رِيعًا

”یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک دوسرے کو ایک دوسرے پر افضل کیا۔ ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا۔ اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا۔“

حضرت اُمّتِ اَآج میرے وعظ کا عنوان ہے ”فضائل رسول“ و صلی اللہ علیہ وسلم، مجھے آج حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت و برتری اور حضور کے بیشتر فضائل و کمالات میں سے کچھ فضائل بیان کرنے ہیں۔ اس سے قبل آپ

میرے وعظ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ گیر رسالت کا بیان سن چکے ہیں۔ آج مجھے ذرا تفصیل سے یہ بیان کرنا ہے۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سارے رسولوں (علیہم السلام) میں افضل و اعلیٰ ہیں۔ اور آپ سب کے سردار و سلطان ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہ و اصحابہ وسلم) آیتہ وعظ سے قبل اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی ایک نعت سارے مل کر پڑھیں۔

ہمارا نبی

سب سے بالا و والا ہمارا نبی	سب سے اعلیٰ و اوئی ہمارا نبی
دونوں عالم کا دوٹھا ہمارا نبی	اپنے مولا کا پیارا ہمارا نبی
نورِ اول کا جلوہ ہمارا نبی	بزمِ آخر کا شمعِ فروزاں ہوا
ہے وہ سلطان والا ہمارا نبی	جس کو شایاں ہے عرشِ خدا پر جلوں
شمع وہ لے کر آیا ہمارا نبی	بجھ گئیں جس کے آگے سبھی مشعلیں
اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی	خلق سے اولیاء، اولیاء سے رسل
ان کا ان کا تمہارا ہمارا نبی	جیسے سب کا خدایا ایک ہے ایسے ہی
چاند بدلی سے نکلا ہمارا نبی	نظروں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی
ہے اس اچھے سے اچھا ہمارا نبی	سارے اچھوں میں اچھا سمجھتے جسے
ہے اس اُوپٹے سے اُوچا ہمارا نبی	سارے اُوپٹوں میں اُوچا سمجھتے جسے
ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی	جس نے مردہ دلوں کو دی عمرِ ابد
ہے وہ رحمت کا دریا ہمارا نبی	جس کی دو بوند میں کوثر و سلسبیل

غز دوں کو رضا مژدہ دیجئے کہ ہے

بیکسوں کا سہارا ہمارا نبی

پڑھئے درود شریف !

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ!

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَبِيبَ اللَّهِ!

میرے بزرگو! دوستو! اور عزیزو! اس آیت کریمہ میں جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی۔ خداوند کریم نے اپنے رسولوں کا ذکر فرمایا ہے کہ یہ رسول ہیں جنہیں ہم نے درج و مراتب کے لحاظ سے ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے نفس رسالت میں تو سارے رسول یکساں اور برابر ہیں۔ مگر درج و مراتب کے لحاظ سے بعض رسولوں کو دوسرے رسولوں پر فضیلت و برتری دی گئی ہے مثلاً خدا نے فرمایا :-

مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللَّهُ - ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا۔

یہ اشارہ ہے حضرت موسیٰ کظیم علیہ السلام کی طرف۔ یعنی اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کواہ طور پر کلام فرمایا۔ اور اس کے آگے یوں فرمایا :-

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ - اور کوئی وہ ہے۔ جسے سب پر درجوں بلند کیا۔ یعنی ایک ذات بابرکات ایسی بھی ہے۔ جو ان تمام رسولوں سے درجوں بلند و بالا ہے۔ اور جسے سب رسولوں پر فضیلت و برتری حاصل ہے۔ خدا نے یہ کس کے لئے فرمایا۔ سنئے!

إِنَّكَ أَرَادَ مُنْجِمًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ لِأَنَّهُ هُوَ الْأَفْضَلُ

عَلَيْهِمْ - (روح البیان ص ۲۶۷) - اس رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ

سے مراد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لئے کہ حضور نے ہی سارے رسولوں پر فضیلت پائی ہے۔

تو میرے بھائیو! اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے رسولوں سے افضل و اعلىٰ اور سب کے سردار و سلطان ہیں۔ اور یہ بات ایک ایسی حقیقت ہے۔ جسے بچہ بچہ جانتا ہے۔ اور کوئی مردود ہی اس حقیقت سے انکار کر سکتا ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم و بیش جتنے پیغمبر بھی تشریف لائے۔ سب سے بلند و بالا ہیں۔ یہاں مجھے ایک پُر لطف بات یاد آگئی۔ ایک مجلس مشاہیر میں جہاں سارے مسلمان شہر جمع تھے۔ ایک عیسائی شاعر بچو آگیا۔

اور بڑے فخر کے ساتھ مسلمان شعراء کو
ایک شاعر میں عیسائی کو جواب مخاطب کر کے کہنے لگا۔

فلک! پر ابنِ مریم کا مکان ہے محمد تو زمیں پہ بے گماں ہے!
 جو اونچا ہے وہی افضل رہیگا جو نیچے ہے بھلا افضل کہاں ہے؟
 یعنی اے مسلمانو! تمہارا اپنا بھی عقیدہ یہ ہے کہ ہمارے عیسیٰ علیہ السلام زندہ
 آسمانوں پر موجود ہیں۔ اور تمہارے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) زمین پر قبر النور
 میں آرام فرما ہیں۔ تو ہمارے پیغمبر اوپر ہوئے۔ اور تمہارے نیچے۔ تو جو اوپر
 ہے۔ افضل بھی وہی ہے نہ کہ جو نیچے ہے۔

یہ سن کر ایک مسلمان شاعر اٹھا اور بولا۔ اے عیسائی! سن اس کا
 جواب۔

ترازو کو اٹھا کر دیکھ ناداں! وہی جھکتا ہے جو پلہ گراں ہے
 یعنی ترازو کے ایک پلہ میں سیر رکھو۔ اور ایک پلہ میں چھٹانک، اور پھر اُس
 ترازو کو اٹھا کر دیکھو۔ کونسا پلہ اوپر جاتا ہے۔ اور کونسا نیچے رہتا ہے؟
 عیسائی بولا۔ سیر والا پلہ نیچے رہیگا۔ اور چھٹانک والا اوپر ہو جائیگا۔ مسلمان
 نے کہا۔ بس تو اسی طرح ہمارے حضور کا مرتبہ بھاری تھا۔ وہ نیچے رہے۔
 اور جن کا ہمارے حضور سے مرتبہ ہلکا تھا۔ وہ اوپر تشریف لے گئے۔ عیسائی
 شاعر مہبوت ہو کر رہ گیا۔

اسی طرح حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ
 اللہ علیہ کا بھی ایک واقعہ ہے۔ آپ سے
 بھی ایک عیسائی نے یہی بات کہی اور آپ
کا ایک عیسائی کو جواب

نے بڑا پُر لطف جواب دیا۔ چنانچہ آپ خود ایک رباعی میں اس سوال و
 جواب کا ذکر فرماتے ہیں۔ فرمایا۔

کسے بگفت کہ عیسیٰ ز مصطفیٰ اولیٰ است

کہ ایں بزیر زمین است اُل باوچ سما است

یعنی مجھ سے کسی عیسائی نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

سے افضل ہیں۔ اس لئے کہ یہ زمین میں ہیں۔ اور وہ آسمان پر ہیں۔“

جواب سنتے! سہ

بگفتش کہ نہ این قول معتبر باشد

حباب بر سر دریا گہر تہ دریا است

فرماتے ہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ تمہارا یہ قول غیر معتبر ہے۔ جابا جابا کے دیکھ

لے کہ بلبلہ دریا کے اوپر ہوتا ہے۔ اور موتی اس کی تہ میں۔“

سبحان اللہ! کیا ہی پر لطف جواب ہے۔ عینے علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ

پیغمبر ہیں۔ اس پر ہمارا ایمان ہے۔ مگر افضل ہمارے ہی حضور ہیں۔“ صدر ہرجا

کہ نشیند صدر است۔“ صدر چاہے کہیں بیٹھے صدر ہی ہے۔ یہ کلیہ کہ اوپر

والی چیز نیچے والی چیز سے افضل ہوتی ہے۔ غلط ہے۔ اور شاہ عبدالعزیز

صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کلیہ کو توڑا ہے۔

حضرات! عیسائیوں کی یہ بات مرزائی بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ

مرزائیوں نے بھی اپنی احمدیہ پاکٹ بک میں یہی بات

مرزائی اور عیسائی

لکھی ہے۔ کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر مانا جائے گا۔ تو اس

سے عیسیٰ علیہ السلام کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت ثابت ہو جائے گی

مگر آپ معلوم کر چکے کہ یہ قاعدہ ہی غلط ہے۔ کہ ہر اوپر کی چیز ضرور نیچے کی چیز

سے افضل ہو۔ جب یہ کلیہ ہی غلط ٹھہرا۔ تو پھر عیسائیوں اور مرزائیوں کا

یہ اعتراض ہے ہی بنا بر الفاسد علی الفاسد۔

میرے عزیزو! عیسائی ایک اور بات

بھی کہتے ہیں۔ کہ دیکھو ہمارے نبی

علیہ السلام کو جب یہودی پیمانہ

عیسائیوں کا ایک دوسرا اعتراض

اور اس کا جواب

چڑھانے لگے۔ تو اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا اور حضرت محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں قریش مکہ نے تنگ کیا۔ اور ان کے قتل کے

درپے ہوئے۔ تو اللہ نے تمہارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو آسمان پر نہیں

اٹھایا۔ بلکہ انہیں زمین پر ہی رہ کر مکہ تھوڑتا پڑا۔ اور مکہ سے مدینہ آنا پڑا۔ اگر

تمہارے پیغمبر سے بھی اللہ کو پیار ہوتا۔ تو انہیں بھی خدا آسمان پر اٹھا لیتا۔
 میرے بھائیو! سطحی نظر سے تو یہ بات بڑی وزنی معلوم ہوتی ہے۔
 مگر دراصل اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ سنئے! ایک عورت کے دو بیٹے ہوں
 بڑا بیٹا تو بڑا طاقتور اور شہ زور ہو۔ اور چھوٹا اس کے مقابلہ میں اس قدر طاقتور
 اور شہ زور نہ ہو۔ اتفاقاً اس کے گھر میں ڈاکو آجائیں۔ تو وہ عورت اس
 وقت کیا کرے گی۔ وہ دیکھے گی کہ شہ زور بیٹا تو ان ڈاکوؤں سے تنہا بھی
 مقابلہ کر سکتا ہے۔ مگر چھوٹا بیٹا ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تو ماں اس
 چھوٹے بیٹے کو گود میں اٹھا کر کوٹھے پر چڑھ جائے گی۔ اور بڑے سے کہے گی
 بیٹا تم نیچے ہی رہ کر ان بد معاشوں کا مقابلہ کرو۔

کیوں دوستو! ہے نا یہ بات اسی طرح؟ ماں اس وقت ہی سوچتی
 کہ چھوٹے بیٹے کو تو دشمنوں کے زرعے میں چھوڑنا مناسب نہیں اور بڑے کو
 اوپر بلانا مناسب نہیں۔ اگر بڑا بھی اوپر بلا لیا۔ تو ڈاکوؤں کے لئے میدان صاف
 ہے۔ اس صورت میں تو میری بھی عزت ناموس خطرے میں پڑ جائے گی۔ چنانچہ
 ماں اس وقت ہی کچھ کرتی ہے۔ جس کا میں نے ذکر کیا۔ کہ چھوٹے بیٹے کو کوٹھے
 پر لے جاتی ہے۔ اور بڑے کو صحن ہی میں رہنے دیتی ہے۔ تو فرمائیے ان دونوں
 بھائیوں میں سے وجہ کس کا بلند ہوا۔ اس کا جو کوٹھے پر لے جایا گیا؟ یا اس
 کا جس نے نیچے رہ کر تنہا دشمنوں کا مقابلہ کیا؟ اور سارے ڈاکوؤں کو
 شکست دے کر ماں کا گھر بچا دیا؟ یقیناً مرتبہ اسی کا بلند ہے۔ جو صحن میں
 رہ کر ڈاکوؤں سے لڑا۔ اور جس نے فاتح بن کر ماں اور اپنے بھائی کی عزت
 بچا لی۔

تو میرے بزرگو! ہمارا ایمان ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام اور حضور علیہ السلام
 دونوں ہی اللہ کے سچے پیغمبر ہیں۔ مگر جو برتری و کمال حضور میں ہے۔ اس
 کا تقاضا ہی یہ تھا۔ کہ حضور آسمان پر نہ اٹھائے جائیں۔ اس لئے یہودیوں
 کی سازش کے وقت نبی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو آغوش رحمت میں
 لے کر آسمان پر اٹھا لیا۔ اور حضور سے یہ ارشاد ہوا کہ :-

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ! — اے محبوب اللہ کی راہ میں لڑو۔
جَاهِدِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاعْلُظْ عَلَيْهِمْ۔ اور ان کافروں اور
منافقوں سے جہاد کرو۔ اور ان پر سختی کرو۔

گویا اے محبوب! اگر تمہیں بھی آسمان پر اٹھنا ہوں۔ تو پھر ان کافروں سے
مقابلہ کون کرے گا۔ اور ان دین کے ڈاکوؤں کو شکست دے کر فتح و نصرت
کے ڈٹکے کون بجائے گا؟ پیارے! عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تو تم تشریف لانے
والے تھے۔ مگر تمہارے بعد تو قیامت تک دوسرا کوئی نبی پیدا ہونے والا نہیں
ایک تمہاری ہی تو ذات ہے۔ جس کے ذریعہ دین اسلام کا قیام و قرار ہے
اگر تم بھی اوپر چلے آئے۔ تو پھر دین کی عزت بھی خطرے میں ہے۔ اے
محبوب! تم زمین پر ہی رہ کر ان کا مقابلہ کرو۔ اور ان کو شکست دو۔ چنانچہ
ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بمصداق ”ساری خدائی اک طرف۔ فضل
الہی اک طرف“ تنہا سارے کافروں کا مقابلہ کیا۔ اور دنیا بھر کے کافروں
کو شکست دے کر اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا کا پرچم لہرا دیا۔ تو فرمایا ہے
عیسائیوں کے اُس بودے اعتراض کی کیا حقیقت رہ گئی۔ حقیقت جو ہے۔
وہ یہی ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سارے نبیوں کے
سردار اور سلطان ہیں۔ پڑھئے درود شریف :-

صَلِّ اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ!

صَلِّ اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ!

موسے علیہ السلام | میرے بزرگو! قرآن پاک کی آیت آپ نے سنی۔
اس میں خدا نے حضرت موسے علیہ السلام کے
متعلق فرمایا ہے۔ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ بَعْضُ

رسولوں میں سے بعض کے ساتھ اللہ نے کلام فرمایا۔ تو بیشک ہمارا ایسا
ہے۔ کہ حضرت موسے علیہ السلام اللہ کے کلیم ہیں۔ مگر رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ
کے مطابق ہمارے حضور کی شان اس سے بھی زیادہ بلند ہے۔ چنانچہ آیت
آپ کو ایک حدیث سناؤں۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے :-

کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام اکٹھے بیٹھ کر انبیاء علیہم السلام کا آپس میں ذکر کر رہے تھے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں

ہمارے حضور
اللہ کے حبیب ہیں

تشریف لے آئے۔ آپ نے سنا کہ ایک صحابی کہہ رہے ہیں۔ کہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے خلیل بنایا ہے۔ دوسرے صحابی بولے۔ اور موسیٰ علیہ السلام سے اللہ نے کلام فرمایا ہے۔ تیسرے بولے اور عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ۔ اور روح اللہ ہیں۔ چوتھے بولے اور آدم علیہ السلام کو اللہ نے جن لیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان میں تشریف لائے۔ اور فرمایا۔ میں نے تمہارا کلام سنا۔ ابراہیم علیہ السلام واقعی خلیل اللہ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام واقعی کلیم اللہ ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام واقعی روح اللہ ہیں۔ اور آدم علیہ السلام کو واقعی اللہ نے چنا۔ لیکن۔

اَلَا وَاَنَا حَبِيبٌ لِّمَلَاِئِكَةِ رَبِّي

خوب یاد رکھو۔ میں اللہ کا حبیب ہوں۔ مشکوٰۃ شریف ص ۵۵

میرے بزرگو! اس حدیث کو سن لیا آپ نے؟ دیکھتے اس میں صاف تصریح ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

مَحْفَلٌ مِّمْلَاکِ

کے صحابہ کرام اکٹھے بیٹھ کر پہلے نبیوں کا ذکر کر رہے تھے۔ اور انبیاء کرام کے اوصاف بیان کر رہے تھے۔ تو میرے بھائیو! انصاف شرط ہے۔ صحابہ کرام اگر پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر خیر سننے اور سنانے کے لئے جمع ہوتے اور ذکر انبیاء سنتے اور سنا تے تھے۔ تو آج اگر ہم بھی سارے نبیوں کے سردار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر سننے اور سنانے کے لئے جمع ہو جائیں اور سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پاک سنیں۔ اور سنا لیں۔ تو اس مبارک اجتماع کو بدعت کیوں کہا جائے؟ یاد رکھئے! یہ محفل میلاد شریف صرف اسی مقصد کے لئے منعقد کی جاتی ہے۔ کہ مسلمان جمع ہو کر اپنے آقا و مولے صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پاک سنیں اور سنا لیں۔ اور ان کے اوصاف عالیہ

کا چرچا کریں۔ اور یہ ایک ایسا مقصد ہے۔ جس کی عظمت و برکت کا کوئی مسلمان
 تو انکار نہیں کر سکتا۔ مسلمان کے دل میں تو حبِ رسول جلوہ گر ہے۔ اور وہ
 بمصداق مَنْ أَحَبَّ شَيْئًا أَكْثَرَ ذِكْرُهُ ذکرِ رسول میں خوش رہتا ہے اور
 اس کے لئے اہتمام بھی کرتا ہے۔ مگر جس بد بخت کا دل اس نعمتِ عظمیٰ سے
 خالی اور محروم ہے۔ وہ ذکرِ رسول کے نام سے بھی چڑھتا ہے۔ مگر بقولِ
 اعلیٰ حضرت! ہ

خاک ہو جاؤں عدو جل کر مگر ہم تو رضا!
 دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سنا تے جائینگے!

صحابہ کرام اور ذکرِ رسول | میرے بزرگو! صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ
 علیہم اجمعین کا یہی ذکر رسول دن رات

کا مبارک شغل تھا۔ آج ہم لوگ جو زمانہ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے
 صدیوں بعد پیدا ہوئے۔ اپنے آقا و مولے صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ
 منورہ اور سیرتِ مطہرہ کے پیارے پیارے حقائق و واقعات سے اسی ذکرِ
 رسول کی بدولت متعارف ہوتے ہیں۔ صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 کے حسن صورت و سیرتِ مطہرہ کا ہر پہلو کا ذکر فرمایا ہے۔ حضور کی نشست و
 برخاست کیسی تھی؟ حضور خواب کیسے فرماتے۔ جاگتے کیسے؟ تناول کیا
 فرماتے۔ اور کیسے فرماتے؟ ہنسی مبارک آپ کی کیسی تھی؟ گریہ مبارک کی
 کیفیت کیا ہوتی؟ اپنے اور بیگانوں سے حضور کا برتاؤ کیسا تھا؟ چال
 مبارک کیسی تھی؟ آواز مبارک اور انداز گفتگو کیسا تھا؟ الغرض سیرتِ
 مطہرہ کے ہر گوشہ کا ذکر فرما دیا۔ حضور منبع النور صلی اللہ علیہ وسلم کا
 حسن عالمیاب کیسا تھا؟ پیشانی النور کیسی تھی؟ ناک مبارک کیسی تھی؟
 دندان مبارک کی کیا شان تھی؟ گردن اطہر کی کیا کیفیت تھی؟ دستِ النور
 اور پائے مبارک کی کیا شان رکھتے تھے؟ گویا صورتِ منورہ کی بھی پوری
 پوری تفصیل کا صحابہ کرام نے ذکر فرما دیا۔

کیسے ہوئے مبارک | حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کیسے ہوئے

مبارک کیسے تھے؟ صحابہ کرام نے یہ بھی بیان فرمایا ہے۔ مگر بعض روایات میں تو آتا ہے کہ گیسوئے مبارک کانوں تک رہتے تھے۔ اور بعض روایات میں آتا ہے کہ کندھوں تک رہتے تھے۔ بظاہر ان روایات میں تعارض نظر آتا ہے۔ مگر محدثین کرام علیہم الرحمۃ نے بڑے مزے کی تطبیق بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان جن کا ذکر رسول ہی شغل تھا۔ اور جن کا ہر ارشاد ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ وہ اپنے محبوب آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت و سیرت مقدسہ کے متعلق جو بیان فرماتے تھے۔ مگر پھر یہ کیا کہ کسی نے تو گیسوئے انور تا گوش بیان کئے اور کسی نے تا دوش؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گیسوئے انور گھنگریالے تھے۔ اور شانہ مبارک نہ کرنے کی حالت میں وہ کانوں تک رہتے تھے۔ اور جب حضور شانہ مبارک فرماتے تو کندھوں تک آجاتے۔ تو جس صحابی نے گیسوئے انور شانہ مبارک نہ فرمانے کی حالت میں دیکھا۔ اس نے تا گوش بیان فرما دیئے۔ اور جس نے شانہ مبارک فرما لینے کے بعد دیکھے۔ اس نے تا دوش بیان فرما دیئے گویا دونوں روایتیں ہی حق ہیں۔ اور محبوب خدا کی ہر دو اداؤں کی آمینہ دار یعنی حضور کے گیسوئے مبارک تا گوش بھی رہتے تھے۔ اور تا دوش بھی اور اس کی حکمت کیا ہے کہ گیسوئے مبارک تا گوش بھی رہتے تھے اور تا دوش بھی؟ اس کا جواب اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی زبان سے سنئے۔ فرمایا

گوش تک سنتے تھے فریاد اب آئے تا دوش

تا بنیں خانہ بدوشوں کے سہارے گیسو

یعنی گیسوئے انور جب کانوں تک تھے۔ تو گویا ان کا یہ ارشاد تھا

کہ اے فریاد یو! تمہاری فریادیں سننے کے لئے یہ دو کان ہیں۔ اور جب

کندھوں تک آتے تو یہ ارشاد ہوا۔ کہ اے بیکسو! اور بے سہارو!

تم سب کا بوجھ اٹھانے کے لئے یہ دو کندھے ہیں۔

ایک جان بے خطا پر دو جہاں کا بار ہے

پڑھئے درود شریف !

صَلِّ اللهُ عَلَيْكَ وَسَلِّمْ يَا رَسُولَ اللهِ !

صَلِّ اللهُ عَلَيْكَ وَسَلِّمْ يَا حَبِيبَ اللهِ !

تو میرے بھائیو ! معلوم ہوا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا یہی ذکر رسول شغل تھا۔ اور ان کے اسی ذکر پاک کا صدقہ ہے۔ کہ آج ہم اپنے حضور کی صورتِ منورہ و سیرتِ مطہرہ سے متعارف ہیں۔ بقولِ ولایبہ اگر ذکرِ رسول ناجائز ہوتا۔ تو صحابہ کرام ہرگز ہرگز نہ کرتے۔ اور وہ اگر یہ ذکر پاک نہ کرتے تو آج ہمارے محبوب آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ منورہ و سیرتِ مطہرہ کا کوئی بھی نورانی گوشہ ہمارے سامنے نہ آتا۔ مگر سو سو رحمتیں ان نفوس قدسیہ پر جن کے صدقہ میں حضور منبع النور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت و سیرت مقدسہ کا نورانی جلوہ بصورتِ "ذکر" آج ہمارے سامنے موجود ہے۔ اور محبت والوں کے لئے محبوب کا ذکر بھی تسکینِ خاطر کے لئے ایک بہت بڑا سامان ہے۔ اور اہل محبت محبوب کے ذکر ہی میں وصالِ محبوب کے مزے پالیتے ہیں۔ جیسے کہ ایک شاعر نے لکھا ہے۔

ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار اور ذکرِ رسول کا عظیم فائدہ

میرے بھائیو! "ذکر رسول" کے بے شمار فائدے ہیں۔ ان فائدوں میں سے ایک اور بھی عظیم فائدہ سنئے۔ یہ حدیث

تو آپ نے اکثر علماء کرام سے سنی ہے۔ کہ میت کو جب قبر میں دفنایا جاتا ہے۔ تو وہ فرشتے جن کا نام منکر اور نکیر ہے۔ امتحان لینے کے لئے قبر میں آجاتے ہیں۔ اور ان کا پہلا سوال یہ ہوتا ہے۔ مَنْ رَبُّكَ؟ بتا تیرا رب کون ہے؟ مسلمان اس کا جواب یہ دیتا ہے۔ رَبِّيَ اللهُ۔ میرا رب اللہ ہے۔ پھر وہ پوچھتے ہیں۔ مَا دِيْنُكَ؟ تمہارا دین کیا ہے؟ مسلمان جواب

دیتا ہے۔ دِیْنِیَ الْاِسْلَام۔ میرا دین اسلام ہے۔ اس کے بعد فرشتے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کرتے ہیں :-

مَا هَذَا الرَّجُلُ الَّذِي بُعِثَ فِيكُمْ

یعنی تم ان کے بارے میں جو تم میں مبعوث کئے گئے کیا کہتے ہو؟
تو مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مقدسہ کو دیکھ کر
اس کا جواب یہ دیتا ہے :-

هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۳۳)

میرے دوستو! اس حدیث پاک سے میں جو ذکر رسول کا فائدہ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ وہ بیان کرنے سے قبل ضمناً یہ بھی بیان کرتا جاؤں کہ دیکھ لیجئے۔ اس حدیث میں یہ موجود ہے۔ کہ فرشتے جب پہلا سوال کرتے ہیں کہ تمہارا رب کون ہے؟ اور مسلمان اس کا جواب دے دیتا ہے۔ کہ میرا رب اللہ ہے۔ تو اسی ایک جواب دے دینے پر اس کی رہائی نہیں ہو جاتی۔ اور فرشتے یہ نہیں کہتے۔ کہ بس تمہاری نجات ہو گئی۔ اب اور کوئی سوال باقی نہیں۔ نہیں بلکہ فرشتے ایک دوسرا سوال کر دیتے ہیں۔ کہ بتا تیرا دین کیا ہے؟ گویا رب رب کہنے والے تو بہتیرے ہیں۔ مگر یہ بھی تو پتہ چلے۔ کہ تمہارا دین کون سا ہے۔ اگر تم مسلمان نہیں۔ تو تمہارا رب رب کہنا بیکار ہے۔ چنانچہ مسلمان پھر دوسرے سوال کا بھی صحیح جواب دے دیتا ہے۔ کہ دین میرا اسلام ہے۔ تو اس جواب پر بھی اس کی نجات نہیں ہوتی۔ بلکہ تیسرا ایک اور سوال باقی ہے۔ نجات تو اس سوال کے صحیح جواب دے دینے پر ہے۔ چنانچہ فرشتے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے پوچھتے ہیں۔ کہ بتا ان کے متعلق تو کیا کہتا ہے؟ گویا مسلمان کہلانے والے تو بہت ہیں۔ اور اپنے منہ سے مسلمان بننے والے تو بہتیرے ہیں۔ مگر صرف مسلمان کہلا لینا کافی نہیں۔ جب تک کہ اس ذات مقدسہ کی بھی پہچان حاصل نہ ہو۔ چنانچہ مسلمان جب حضور صلی اللہ

علیہ و سلم کے متعلق **هُوَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** کہہ دیتا ہے تو امتحان میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

میرے بھائیو! اس پر فتن دورِ آزادی میں آپ نے کئی ترقی پسند اور مادرِ پدرِ آزادی

اجکل کے "صرف مسلمان"

کے ولادہ پیکراروں سے سنا ہوگا۔ کہ بڑے فخر کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ صاحبِ ہم تو مسلمان ہیں۔ شیعہ۔ سنی۔ حنفی۔ وہابی کے جھگڑوں میں

ہم نہیں پڑتے۔ ہم نہ سنی ہیں نہ شیعہ، نہ حنفی نہ وہابی۔ بلکہ ہم تو صرف مسلمان ہیں۔ ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے۔ کہ اگر صرف "مسلمان" کہلانا

ہی کافی ہوتا۔ اور اس کے بعد کسی دوسری قید و پابندی کی ضرورت نہ ہوتی تو قبر میں فرشتے بھی دوسرے سوال "مَا دِينُكَ" کا جواب "دِينِي الْإِسْلَامُ"

پاکر مطمئن ہو جاتے۔ اور تیسرا سوال حضور کے متعلق ہرگز نہ کرتے اور یوں کہتے۔ کہ بس بس تمہاری نجات ہو گئی۔ اور پتہ چل گیا۔ کہ تم مسلمان ہو۔

اب اس کے بعد کسی اور سوال کی ضرورت نہیں۔ مگر نہیں صرف مسلمان بن جانے کے بعد ایک تیسرا سوال باقی رہ جاتا ہے۔ اور اسی سوال کے صحیح جواب

پر نجات کا اخصار ہے۔ اور وہ سوال حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی ذاتِ گرامی سے متعلق ہے۔ اور اسی ذاتِ گرامی کی معرفت اور عدم معرفت کی

بنا پر مسلمان ہونے کے باوجود، ناجی اور غیر ناجی دو فرقے بن جائیں گے۔ اور ناجی تو وہی "وَمَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي" کے مطابق اہل سنت و جماعت

یعنی سنی کہلاتے گا۔ اور غیر ناجی ۷۲ قسم کے ناموں سے پکارا جائے لگیگا۔ یہ ایک حقیقت ہے، جس کا کوئی سلیم العقل شخص انکار نہیں کر سکتا۔

مگر بقول شاعر

خدا جب دین لیتا ہے حماقت آ ہی جاتی ہے

بہت سے لوگ یہی رٹ رٹے جاتے ہیں کہ نا صاحب! ہم کسی فرقہ سے متعلق نہیں۔ ہم تو ان سب فرقوں سے الگ ہیں۔ اور صرف مسلمان ہیں۔

حالانکہ یہ لوگ کسی فرقہ سے نہ ہو کر بھی فرقہ بندی سے آزاد نہیں ہو سکتے۔

کسی فرقہ میں ہونا بھی
الگ ایک فرقہ ہے

گویا کسی فرقہ سے نہ ہونا بھی خود ایک فرقہ ہے۔
مثلاً ایک شہر میں دو فرقے ہیں۔ سنی اور شیعہ
تو وہاں اگر کچھ لوگ اس خیال کے پیدا ہو

جائیں۔ کہ ہم نہ سنی ہیں نہ شیعہ۔ تو ان لوگوں نے فرقہ بندی کو مٹایا
نہیں۔ بلکہ بڑھاپا۔ اس لئے کہ پہلے تو اس شہر میں دو فرقے تھے۔ ایک سنی
اور ایک شیعہ اور اب ایک تیسرا فرقہ پیدا ہو گیا۔ جو نہ سنی ہے نہ شیعہ۔
میرے دوستو! مخنثین کا بھی تو آخر ایک گروہ ہی ہے۔ ایک گروہ مردوں
کا ایک عورتوں کا۔ اور ایک گروہ ان کا جو نہ مرد ہیں نہ عورت۔ اس میں شک
نہیں کہ ہیں وہ انسان ہی۔ مگر صرف "انسان" وہ بھی نہیں بلکہ ایک گروہ
سے وہ بھی متعلق ہیں۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ ہم چونکہ نہ مردوں کے گروہ
میں ہیں۔ نہ عورتوں کے گروہ میں۔ اس لئے ہم کسی گروہ میں نہیں۔ اسلئے
کہ مردوں کے گروہ میں نہ سہی اور عورتوں کے گروہ میں نہ سہی۔ مخنثوں کے
گروہ میں تو ہیں۔ گروہ ان کا بھی ضرور ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس گروہ
کی تعریف یہ ہے۔ کہ جو نہ مردوں میں ہے نہ عورتوں میں۔ تو جو لوگ کسی گروہ
میں نہیں۔ نہ شیعہ، نہ سنی۔ نہ حنفی نہ ولابی۔ تو وہ ان گروہوں میں نہ سہی
لا مذہبی کے گروہ میں تو ضرور ہیں۔ لا مذہب ہونا بھی تو ایک مذہب ہے
ہاں یہ دوسری بات ہے۔ کہ لا مذہب کی تعریف یہ ہے۔ کہ جو نہ ادھر ہو اور
نہ ادھر۔ اور بقول شاعر سے

اسی کا نام تو لا مذہبی ہے

نہ اِلَّا الَّذِي هُوَ اِلَّا الَّذِي هُوَ

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ
سیالکوٹ میں ایک ایسے ہی ترقی پسند
مقرر آئے۔ اور انہوں نے اپنی تقریر میں

حضرت فقہیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا
ایک لا مذہب کو لا جواب جواب

کہا۔ کہ مسلمانو! ہم تو صرف مسلمان ہیں۔ یہ شیعہ، سنی، مقلد، غیر مقلد کے
فرقوں سے ہم آزاد ہیں۔ تم بھی ان جھگڑوں سے آزاد ہو جاؤ۔ اور صرف

مسلمان بنو۔ والدی المعظم حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے دن جامع مسجد مولانا عبد الحکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں تقریر فرمائی۔ اور فرمایا کہ اس قسم کے مقرر کہہ تو بہت کچھ جاتے ہیں۔ مگر ان کی باتوں کی حقیقت کچھ نہیں ہوتی۔ فرمایا کہ یہ کل والے مقرر صاحب ہیں ایک ایسی نماز تو پڑھ کر دکھائیں۔ جو نہ سنیوں کی ہو نہ شیعوں کی نہ مقلدوں کی۔ اور نہ غیر مقلدوں کی۔ بلکہ "صرف مسلمانوں" کی نماز ہو۔ اگر نماز میں لائق نہ ہوں گے تو شیعہ فرقے میں آجائیں گے۔ اور لائق نہ ہوں گے تو سنی گروہ میں شمار ہونے لگیں گے۔ اور لائق اگر سینے پر باندھیں گے۔ تو غیر مقلد کہلائیں گے۔ اور اگر زینات باندھیں گے۔ تو حنفی کہلانے لگیں گے۔ مرد میدان بنیں۔ اور کوئی ایسی نماز پڑھ کر دکھائیں۔ جو کسی فرقے سے متعلق نہ ہو۔ بلکہ "صرف مسلمانوں" کی نماز ہو۔ والد ماجد علیہ الرحمۃ کے اس وعظ میں یہ بھی موجود تھا۔ مجھے یاد ہے۔ کہ ایک شخص اٹھا۔ اور کہنے لگا۔ حضرت! "صرف مسلمانوں کی نماز یہ ہے کہ نماز بالکل پڑھی ہی نہ جائے" اس پر لطف بات پر لوگ ہنس پڑے۔ اور والد ماجد بھی فرمانے لگے۔ "درست ہے۔ واقعی یہ لوگ نماز پڑھتے ہی نہیں۔"

ترقی یافتہ مسلمان | میرے دوستو! بات بھی یہی ہے کہ ترقی یافتہ صرف مسلمان مسجدوں میں آنا بھی ترقی کے خلاف ہے

اور آؤٹ آف فیشن سمجھے ہیں۔ اکبر الہ آبادی نے کیا خوب لکھا ہے وہ اب نظر آتی نہیں ہے مسجدوں کے فرش پر

قوم نے اتنی ترقی کی کہ پہنچی عرش پر

گویا اب یہ لوگ اس قدر ترقی پا گئے ہیں۔ کہ زمین پر نظر ہی نہیں آتے۔

اندر سے مسلمان | ان لوگوں کا ایک اور بھی مسلک ہے اور وہ یہ ہے کہ چھوڑیے صاحب ان نماز روزہ اور دارھی کے

جھگڑوں کو۔ ان ظاہری حرکات و سکنات، اور ظاہری شکل و صورت سے کیا ہوتا ہے۔ اندر سے مسلمان ہونا چاہیے۔ اور ہم لوگ اندر سے مسلمان ہیں

دیکھا آپ نے ان کا یہ لطیفہ بھی کہ یہ اندر سے مسلمان ہیں باہر سے چاہے
 سے وغیر میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
 یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرابیں یہود

اقبال کے اس شعر کی پوری پوری تفسیر ہوں۔ مگر اندر سے یہ پھر بھی مسلمان ہی
 ہیں۔ ایک پر صاحب سے مرید نے عرض کیا۔ حضور! میں نے
لطیفہ ایک بھینس خریدی ہے۔ چلنے اُسے دم کر آئیے۔ پر صاحب

گئے۔ تو دیکھا۔ کھوٹی سے ایک گدھا بندھا ہے۔ مرید نے عرض کیا۔ حضور یہ ہے
 بھینس۔ اسے دم کیجئے۔ پر صاحب نے فرمایا۔ مگر یہ تو گدھا ہے۔ مرید ہاتھ جوڑ
 کر بولا۔ حضور! چھوڑیئے اس کی شکل و صورت کو یہ اندر سے بھینس ہی ہے
 پر صاحب بولے۔ بیوقوف! اگر یہ اندر سے بھینس ہوتی تو باہر سے بھی بھینس
 ہی نظر آتی۔ اور اگر باہر سے یہ گدھا ہے تو اندر سے بھی سولہ آنے گدھا
 ہی ہے۔

کیوں دوستو! سمجھے کچھ آپ؟ اگر یہ لوگ واقعی اندر سے مسلمان ہوتے
 تو باہر سے بھی مسلمان ہی نظر آتے۔ اور اگر باہر سے یہ کچھ اور نظر آتے ہیں
 تو اندر سے بھی سولہ آنے کچھ اور ہی ہیں۔

حضرات! اس قسم کے "جنٹلمین" ایک
مثنوی شریف کی ایک حکایت اور بات بھی کہا کرتے ہیں۔ کہ صاحب

اگر نماز نہ پڑھی تو کیا ہوا۔ اس بات سے کیا کوئی کافر ہو جاتا ہے؟ روزہ
 نہ رکھا۔ تو کیا ہوا۔ اس بات سے بھی کیا کوئی کفر لازم آتا ہے۔ زکوٰۃ نہ دی۔
 تو کیا ہوا۔ حج نہ کیا۔ تو کیا ہوا۔ وارطھی نہ رکھی تو کیا اسلام جاتا رہا؟ گویا
 کچھ بھی نہ رہے۔ مگر مسلمان پھر بھی ہیں۔ ان کی اس بات پر مولانا رومی
 نے ایک حکایت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں:-

ایک شوقین اپنے بازو پر شیر کی تصویر کندھوانے مصوّر کے پاس گیا۔
 اور مصوّر سے کہا۔ میرے بازو پر شیر کی تصویر بنا دو۔ مصوّر نے سوتی نکالی۔
 اور شیر بنانے کے لئے اس کے بازو پر چھو دی۔ شوقین صاحب کو تکلیف

ہوئی۔ تو پوچھنے لگے۔ شیر کی کون سی جگہ بنانے لگے ہو؟ مصوّر بولا۔ سب سے پہلے شیر کی دم بناؤں گا۔ شوقین نے کہا۔ اسے یار! دم رہنے دو۔ خدانے بغیر دم کے بھی تو کوئی شیر بنایا ہی ہوگا نا! مصوّر نے دم چھوڑ دی اور پھر سوئی چھوٹی۔ شوقین کو پھر تکلیف ہوئی۔ اور پوچھا۔ اب کونسی جگہ بنانے لگے ہو۔ مصوّر بولا۔ اب شیر کی ٹانگیں بنانے لگا ہوں۔ شوقین نے کہا۔ یار! ٹانگیں بھی رہنے دے۔ خدانے لنگڑے شیر بھی تو بنائے ہونگے نا مصوّر نے وہ جگہ بھی چھوڑ دی۔ اور پھر سوئی چھوٹی۔ شوقین نے پھر پوچھا۔ اب کونسی جگہ بناؤ گے۔ وہ بولا! اب شیر کا پیٹ! شوقین نے کہا۔ اسے یار پیٹ بھی رہنے دے۔ مصوّر اب سر بنانے لگا۔ اور شوقین صاحب کو پھر تکلیف ہوئی۔ اور پھر پوچھا۔ اب کونسی جگہ بنانے لگے ہو۔ مصوّر بولا۔ اب سر بنانے لگا ہوں۔ شوقین نے کہا۔ سر بھی رہنے دو۔ اور باقی شیر بنا دو۔ مصوّر لاف جوڑ کر بولا۔ قبیلہ معات فرمائیے۔ ایسا شیر نہ کہیں دیکھا۔ اور نہ کسی سے سنا۔ جس کی نہ دم ہو نہ ٹانگیں۔ نہ پیٹ ہو۔ اور نہ سر، اور ہو شیر کا شیر ہی!

مولانا رومی فرماتے ہیں۔ اور ایسا مسلمان بھی کہیں نہ دیکھا۔ اور نہ سنا جو نہ نماز پڑھے۔ نہ روزہ رکھے۔ نہ حج کرے۔ نہ زکوٰۃ دے۔ اور ہو مسلمان کا مسلمان ہی۔ نہ ویسا کوئی شیر دیکھا۔ اور نہ ایسا کوئی مسلمان دیکھا۔ شیر وہ جس کی ٹانگیں، دم، پیٹ اور سر سب صحیح سلامت ہوں۔ مسلمان بھی وہ جس کی نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج سب صحیح سلامت ہوں۔ مگر میرے بھائیو! آج تو اکثریت ہی ان بغیر امضار کے شیروں کی ہے۔ خوب یاد رکھئے۔ شیر جنگل کا بادشاہ ہے۔ اور سارے جنگل پر اس کی حکومت ہے۔ سارے جانوروں پر وہ غالب ہے۔ اور سب جانور اس سے ڈرتے ہیں۔ مگر شیر کے پاؤں اگر کاٹ دیئے جائیں۔ اس کے ہاتھوں کے پنیچے ضائع کر دیئے جائیں۔ اس کے منہ کا حلیہ بگاڑ دیا جائے۔ تو شیر، شیر نہ رہے گا۔ اس کا وہ رعب و دبدبہ جاتا رہے گا۔ اور حال

یہ ہو جائے گا۔ کہ ایک گدھا بھی آکر اس اپاہج و بیکار شیر پر حملہ کرنے سے نہ چو کے گا۔ تو میرے مسلمان بھائیو! تم محمدی شیر تھے۔ اَنْتُمْ الْاَعْلَوْنَ کے مطابق تمہیں اعلیٰ و عالم تھے۔ اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ کے مطابق کفار پر تمہارا رعب و دبدبہ تھا۔ اور سب تم سے خائف و لرزاں تھے۔ مگر آہ! اس ملحدانہ ترقی نے تمہارے اسلامی اعضا کاٹ کر رکھ دیئے۔ اور ملحدینِ زمانہ نے اس اسلامی شیر کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ جس کا بھیانک نتیجہ یہ نظر آ رہا ہے۔ کہ آج وہ گدھے بھی جن پر کبھی ہمارا رعب غالب تھا۔ ہم پر وار کرنے سے نہیں چوکتے۔ یہ سب کچھ کس لئے۔ صرف اس لئے کہ ہم نے اسلامی سیرت و صورت کو چھوڑ دیا ہے

وہ سوز و گداز اس محفل میں باقی نہ رہا اندھیرا ہوا
پروانوں نے جلنا چھوڑ دیا شمعوں نے پگھلنا چھوڑ دیا
اللہ کی رہ اب تک ہے کھلی آثار و نشان سب قائم ہیں
انتہا کے بندوں نے لیکن اس راہ پہ چلنا چھوڑ دیا
جب سر میں ہوائے طاعت تھی سرسبز شجر امید کا تھا
جب سرر عصیاں چلنے لگی اس پڑنے پھلنا چھوڑ دیا

ہاں تو میرے بھائیو! میں تیر میں منکر نیکر کے سوالات کا
ذکر کر رہا تھا۔ اور یہ بتانے لگا تھا۔ کہ ذکر رسول کا

ہمیں تیر میں کونسا عظیم فائدہ ہوگا۔ تو آپ سُن چکے۔ کہ فرشتے حسب
مسلمان سے پوچھیں گے۔ کہ بتا تو ان کے متعلق کیا کہتا ہے۔ تو مسلمان
جھٹ سے بول اٹھے گا۔

ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم!

وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ہیں۔

بھائیو! آج ہم بد نصیبوں نے بُعِدِ زمانہ کی وجہ سے اپنی ان گنہگار
آنکھوں سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ و سلم کی زیارت نہیں کی۔ اور آپ
جاننے ہیں۔ کہ جسے کبھی نہ دیکھا ہو۔ اُسے دیکھ کر پہچان لینا کہ یہ فلاں

شخص ہے۔ بڑا مشکل ہے۔ مگر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں ہم نے ان آنکھوں سے کبھی نہیں دیکھا۔ وہ جب قبر میں تشریف لائیں گے۔ تو ہم دیکھتے ہی پکار اٹھیں گے۔

ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

یہ کبھی دیکھنے کے بغیر بھی ہم جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فوراً پہچان جائیں گے۔ اور پکار اٹھیں گے۔ کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ جانتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ یاد رکھئے۔ ان کی وجہ یہی ہے۔ کہ مسلمان اس دنیا میں "ذکر رسول" کا شائق رہا۔ محافل میلاد منعقد کرتا کرانا رہا۔ اور ان محفلوں میں اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و صورت کے مبارک تذکرے۔ نظماً و نثراً سنتا رہا۔ میلاد شریف کی محفلوں میں واعظ سنا تے رہے۔ کہ ہمارے حضور کی صورت مبارکہ ایسی تھی۔ سیرت مطہرہ ایسی تھی۔ تو مسلمان ان محافل میلاد کے ذریعہ "ذکر رسول" سن سنا کر اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک صورت کو خوب یاد کر لیتا ہے۔ اور حالت یہ ہوتی ہے۔ کہ ہر وقت محبوب کی یاد تازہ رہتی ہے۔ اور محبوب کی سیرت و صورت آنکھوں کے سامنے رہتی ہے۔ اور جب مرتا ہے اور قبر میں سرکار تشریف لائے ہیں۔ تو دیکھتے ہی جھمٹ پہچان جاتا ہے اور پکار اٹھتا ہے۔ **هُوَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور قدموں سے پٹ جاتا ہے۔ میں نے اپنی ایک نعت میں لکھا ہے یہ

قبر میں سرکار آئیں تو میں قدموں میں گردوں
اور فرشتے گراٹھائیں تو میں ان سے یوں کہوں
کہ میں پائے ناز سے اب اسے فرشتو کیوں اٹھوں

مر کے پہنچا ہوں یہاں اس دلربا کے واسطے

مسلمانو! عاشقوں سے پوچھو۔ انہیں مرنے کے بعد اس "دیدار محبوب"

کی کس قدر مسرت ہوتی ہے۔ اور وہ دیدارِ حبیب کی خاطر کس خوشی سے جان دیتے ہیں۔ حضرت مولانا آسی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔

آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی!
جسکے جویاں تھے ہے اس گل کی ملاقات کی رات

تو مسلمان اسی "ذکر رسول" کی بدولت قبر میں اپنے محبوب ﷺ اللہ علیہ وسلم کو فوراً پہچان کر لپوں پیکار اٹھے گا ھُوَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اللہ علیہ وسلم اور جو لوگ "ذکر رسول" کو اور ذکرِ رسول کی محفلوں کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ انہیں اس "ذکر رسول" کے سننے سنانے سے روکنے کا یہ پھل ملے گا۔ کہ فرشتے جب حضور کے متعلق دریافت کریں گے کہ بتا یہ کون ہیں۔ تو وہ یوں جواب دیں گے۔ ھَاہ ھَاہ لَا اَدْرِ لَئِن لَّمْ یَسْئَلُوْا فِیْہِمْ لَیْسَ بَیِّنًا وَّجَہًا اَیُّہُمْ اَسْمٰوٰتِیْ اَنْ یَّذَکُرُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ آپ نے "ذکر رسول" سے روکنے کا نتیجہ بجز ہٹے ہٹے کے اور کچھ نہیں۔

مسلمانو! اس حدیث کے مطابق قبر میں خود حضور سرورِ عالم ﷺ اللہ علیہ وسلم ہی تشریف لاتے ہیں جیسی

ایک اعتراض کا جواب

تو فرشتے ھٰذَا الرَّجُلُ یعنی ان کے لئے کیا کہتا ہے؟ کہیں گے۔ یہ "ان کے لئے" کا قول ہی بتا رہا ہے۔ کہ حضور ﷺ اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس تشریف لاتے ہیں۔ اور اگر کوئی معترض یہ کہے کہ میت کا جواب جو حدیث میں درج ہے۔ وہ ھُوَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اللہ علیہ وسلم ہے جس کا معنی ہے وہ رسول اللہ ﷺ اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تو یہاں لفظ "وہ" بتا رہا ہے کہ حضور قبر میں نہیں ہوتے ورنہ "وہ" کی جگہ "یہ" ہوتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن میں ہے۔ کہ زکریا علیہ السلام نے جب مریم علیہا السلام کو بیت المقدس کے محراب میں اپنی کفالت میں رکھا۔ تو آپ دروازہ مقفل کر کے باہر تشریف لے جاتے۔ اور جب واپس تشریف لاتے اور دروازہ کھول کر مریم علیہا السلام کے پاس محراب میں جاتے۔ تو اس بند جگہ میں مریم علیہا السلام کے پاس طرح طرح کے پھل موجود پاتے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے۔

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا. (سپ ۱۲)

”جب زکریا اس کے پاس اس کی نماز پڑھنے کی جگہ جاتے۔ اس کے پاس نیا رزق پاتے۔“

حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ پھل دیکھ کر حضرت مریم علیہا السلام سے دریافت فرمایا۔ **يَا مَرْيَمُ اِنِّي لَكِ هُنَا**۔ اے مریم یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟

حضرت زکریا علیہ السلام نے اس پھل کے متعلق جو مریم علیہا السلام کے پاس موجود تھا۔ یوں دریافت فرمایا۔ **اِنِّي لَكِ هُنَا**۔ یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ تو مریم علیہا السلام کا جواب قرآن میں مذکور ہے کہ

قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ بولیں وہ اللہ کے پاس سے ہے۔

دیکھ لیجئے! وہ پھل مریم علیہا السلام کے پاس ہی رکھا تھا۔ اور اس کیلئے زکریا علیہ السلام نے بھی ”ہُنَا“ کہہ کر پوچھا کہ ”یہ کہاں سے آیا“ مگر مریم علیہا السلام اس قریب کی چیز کو فرما رہی ہیں **هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ**۔ وہ اللہ کے پاس سے ہے۔ تو بھائیو! یہ بھی ایک خاص انداز ہے۔ قریب کی چیز کو ”وہ“ کہہ کر مشاّر الیہ کی عظمت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ چونکہ بے موسم کا پھل پھر ایک بند کمرے میں خاص حضرت مریم علیہا السلام کی خاطر بھیج دینا یہ اللہ کا ایک خاص کرم تھا۔ تو مریم علیہا السلام اللہ کے اس خاص انعام کی عظمت بیان کرنے کے لئے **هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ** فرما دیتی ہیں۔ تو اسی طرح مسلمان میت کے لئے بھی ایک بند کمرے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا تشریف لے آنا خدا کی قسم سب سے بڑا انعام الہی ہے۔ تو اس خاص انعام الہی کو اپنی خاطر اپنے پاس دیکھ کر مسلمان گویا ایک عالم و جہد میں آکر قدموں میں سر جھکا دیتا ہے۔ اور اپنی نظریں نیچی کر کے یوں پکار اٹھتا ہے:-

هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ہیں۔

تو اس انداز جواب کو عشاق ہی جان سکتے ہیں۔ مگر بے ادب کو کیا خبر آداب کی؟

اَنَا حَبِيبُ اللَّهِ

حضرات! میں کہاں سے کہاں آپہنچا۔ آپ کو یاد ہوگا۔

میں نے ایک حدیث پڑھی تھی۔ جس میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اکٹھے ہو کر انبیاء سابقہ علیہم السلام کا ذکر کرنا مذکور تھا اور جس میں اس بات کا ذکر تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا۔ کہ بیشک ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل تھے۔ اور موسیٰ علیہ السلام اللہ کے کلیم تھے۔ لیکن میں اللہ کا حبیب ہوں۔ دوستو! اس حدیث سے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت و برتری ثابت ہو رہی ہے اس لئے کہ "حبیب اللہ" کا درجہ کلیم اللہ اور خلیل اللہ سب سے بلند و بالا ہے چنانچہ اسی حدیث کے ماتحت لمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے۔

هُوَ جَامِعٌ لِلْخَلَّةِ وَالْكَلِيمِ وَالْمُنَاجَاةِ مَعَ شَيْءٍ زَائِدٍ لَمْ يَثْبُتْ لِأَحَدٍ وَهُوَ كَوْنُهُ مَحْبُوبٌ لِلَّهِ بِالْمَحَبَّةِ الْخَاصَّةِ الَّتِي مِنْ خَوَاصِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ — یعنی لفظ "حبیب" خلت "کلیم

اصطفاء۔ اور مناجات، سب کا جامع ہے مع ایک ایسی زاید چیز کے جو کسی دوسرے کو حاصل نہیں اور وہ ہے "اللہ کا محبوب ہونا" ایک ایسی محبت سے جو حضور علیہ السلام کے خصائص میں سے ہے۔

مطلب یہ کہ کوئی پیغمبر خلیل ہے۔ کوئی کلیم اور کوئی نبی۔ مگر سید الانبیاء

صلی اللہ علیہ وسلم "حبیب" ہیں۔ اور حبیب وہ ہے۔ جو خلیل بھی ہو۔ کلیم بھی ہو۔ نبی بھی ہو۔ اور مصطفیٰ بھی۔ گویا جو جامع الصفات ہو۔ اور "آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری" کا جو مصداق ہے۔ وہ حبیب ہے۔

کلیم و حبیب میں فرق

علامہ صفوری علیہ الرحمۃ نے نزہتہ المجالس میں لکھا ہے

قَالَ النَّسَقِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ مُوسَى عَلَيْهِ

السَّلَامُ يَا رَبِّ اِنَّا كَلِمَتُكَ وَ مُحَمَّدًا حَبِيبُكَ فَمَا الْفَرْقُ بَيْنَ الْكَلِيمِ وَ

الْحَبِيبِ فَقَالَ الْكَلِيمُ يَسْمَعُ بِرِضَاءِ مَوْلَاهُ وَ الْحَبِيبُ يَعْمَلُ بِرِضَائِهِ

وَ اَنْتُمْ يُحِبُّ اللَّهُ وَ الْحَبِيبُ يُحِبُّهُ اللَّهُ وَ اَنْتُمْ يَأْتِي إِلَى طُورِ سَيْنَاءَ

ثُمَّ يَنَاجِي. وَ الْحَبِيبُ يَنَامُ عَلَى فِرَاشِهِ فَيَأْتِي بِهِ جِبْرِيْلُ فِي طُرْفَةٍ

عَنِ إِلَى مَكَانٍ كَمَا يُبْلَغُهُ أَحَدًا مِنَ الْمَخْلُوقِينَ - (نزہتہ المجالس ص ۳ ج ۲)
 نسفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ موسیٰ علیہ السلام نے رب سے پوچھا کہ
 مولا میں تیرا کلیم ہوں۔ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے حبیب
 ہیں۔ یہ تو فرما۔ کلیم اور حبیب میں فرق کیا ہے؟ خدا نے جواب دیا
 کہ کلیم وہ ہے۔ جو اپنے مولا کی رضا سے کام کرے۔ اور حبیب وہ
 ہے۔ جس کی رضا سے مولا کام کرے۔ اور کلیم وہ ہے۔ جو اللہ کو
 چاہے۔ اور حبیب وہ ہے جسے اللہ چاہے۔ کلیم وہ ہے۔ جو خود
 طور سینا پر آ کر التجا کرے۔ اور حبیب وہ ہے جو اپنے بسترِ ناز
 پر آرام فرما ہو۔ اور بحکم خدا جبریل خود حاضر ہو کر اسے ایک پل
 میں وہاں لے آئے جہاں کوئی نہ پہنچا ہو۔“

دیکھا آپ نے مسلمانو! ہمارے آقا کی کیا شان ہے۔ اسی لئے حضور نے فرمایا۔
 کہ اَنَا حَبِيبُ اللَّهِ۔ کہ خوب جان لو۔ میں اللہ کا حبیب ہوں، گویا میں وہ ہوں
 جس سے خود خدا محبت فرماتا ہے۔ اور جس کی مرضی کو وہ پورا فرما دیتا ہے۔ میرے
 دوستو! اس حقیقت پر کہ خدا حضور کی مرضی کو پورا فرما دیتا ہے۔ خود قرآن شاہد ہے
 دیکھئے! اور انبیاء کرام بحکم حق بیت المقدس کی طرف منہ کر
 کے نماز پڑھتے رہے۔ سب کا قبلہ بیت المقدس ہی تھا۔
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی کچھ عرصہ بیت المقدس ہی کی طرف منہ کر کے نماز
 پڑھتے رہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی یہ تھی۔ کہ میرا قبلہ ”کعبہ شریفہ“
 ہو جائے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام ایک مرتبہ اسی تمنا میں بار بار آسمان کی طرف
 نظر فرماتے ہیں کہ خدا میری مرضی کے مطابق تحویل قبلہ کا ارشاد فرما دے۔ تو
 خداوند کریم نے فرما دیا :-

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا
 قَوْلِي وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ - (پ ۱۷۱) - (اسے محبوباً)
 ہم تیرا بار بار آسمان کی طرف منہ کرنا دیکھ رہے ہیں۔ تو ہم ضرور تجھے
 اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے۔ جس میں تمہاری خوشی اور مرضی ہے

پس ابھی اپنا منہ مسجد حرام (کعبہ) کی طرف پھیر لو۔
 کیوں میرے دوستو! اس آیت سے کیا یہ ثابت نہیں ہو رہا۔ کہ ہمارا یہ
 قبلہ کعبہ شریف صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق بنایا گیا ہے
 ورنہ حضور سے قبل تو سب کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ اور کچھ عرصہ حضور بھی اسی
 قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ مگر حضور کی مرضی یہ ہو گئی۔ کہ ہمارا قبلہ
 کعبہ ہو جائے۔ تو اللہ نے بھی فرما دیا۔ کہ پیارے جو تمہاری مرضی، ہماری مرضی بھی
 وہی ہے۔ کیا خوب فرمایا اعلیٰ حضرت نے یہ

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم!

خدا چاہتا ہے رضائے محمدی!

میرے بزرگو! یہ حقیقت ہے۔ کہ ہمارے حضور کی زبان حق ترجمان سے جو
 بات نکل جائے۔ اللہ تعالیٰ اسے پورا فرما دیتا ہے۔ اور حضور کے متعلق بجا طور
 پر کہا جا سکتا ہے کہ

تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ العزیز نے حدائق بخشش میں
 کن کی کنجی | ایک جگہ لکھا ہے یہ

وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں

اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

یعنی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حق ترجمان کن کی کنجی ہے۔
 اس زبان سے جس چیز کے لئے کن کا ارشاد ہو جائے۔ وہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث

شریف میں ایک گستاخ رسول کا انجام مذکور ہے
 ایک گستاخ رسول کا انجام | کہ ایک شخص الہو العاص نامی حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی نقلیں اتار اتار کر مذاق کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ ملعون اپنا
 منہ ٹیڑھا کر کے حضور کی نقل اتار رہا تھا۔ کہ حضور نے اس کی یہ حرکت دیکھ
 کر فرمایا :-

كُنْ كَذَا لَكَ " ایسا ہی ہو جا "

چنانچہ مرتے دم تک اس کا منہ ویسا ہی ہو گیا اور اسی طرح ہلتا رہا۔

(خصائص کبریٰ ص ۷۹ جلد ۲)

بلا عذر بائیں ہاتھ سے
کھانے والے کا انجام

ایک دوسری حدیث سنئے۔ ایک شخص بائیں ہاتھ سے
کھانا کھا رہا تھا۔ حضور نے دیکھ کر اسے فرمایا۔ "كُلْ
بِيَمِينِكَ" دائیں ہاتھ سے کھا۔ اس نے یونہی کہہ دیا

لَا اسْتَطِيعُ مِیرا داہنا ہاتھ بیکار ہے۔ حضور نے فرما دیا۔ لَا اسْتَطِيعَتْ جَا آج
سے بیکار ہو گیا۔ حدیث کے الفاظ ہیں:

فَمَا رَفَعَهَا إِلَى فِیْهِ - (مشکوٰۃ شریف ص ۲۵)

پھر وہ اپنے اس ہاتھ کو کبھی منہ تک نہ اٹھا سکا!

دیکھا آپ نے! یہ ہے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک کی
نافذ حکومت کہ جس بات کا حکم نافذ فرمایا۔ وہی ہو گیا۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت
نے یہ لکھا ہے

وہ زبان جس کو سب کُن کی کہنی کہیں!
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

میرے بزرگو! اس زبان سے جو ارشاد بھی نکلے امت کیلئے
وہی شریعت ہے۔ یہ زبان حق ترجمان ہے۔ اور اس
زبان حق ترجمان سے جو ارشاد صادر ہو جائے وہی مرضی

حضور کا ارشاد
شریعت ہے

حق ہوتی ہے۔ اور جو مرضی حق ہو وہی اس زبان سے ارشاد ہوتا ہے۔ چنانچہ
قرآن فرماتا ہے:-

مَا يَنْطِقُ مِنَ الْهَوَىٰ اِنَّ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (پہلے ۵)

"اور وہ کوئی بات ہی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو نہیں۔ مگر
وحی جو انہیں کی جاتی ہے"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس زبان حق ترجمان سے وہی کچھ ارشاد
ہوتا ہے۔ جو مرضی حق ہو۔ گویا جو کچھ حضور ارشاد فرمادیں۔ وہی مرضی حق
ہے۔ اور جس بات سے حضور روک دیں خدا بھی اس بات پر خوش نہیں ہے۔

جناب مصطفیٰ جس سے ہوں ناخوش!
 نہیں ممکن کہ ہو اس سے خدا خوش!
 پسند حق تعالیٰ تیری ہر بات!
 ترے انداز خوش تیری ادا خوش

اسی لئے تو میں نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو ارشاد فرماویں
 وہی ہمارے لئے شریعت ہے۔ اور میں کہنے والا کون ہوں۔ خود قرآن بھی فرماتا
 ہے۔ اور حدیث بھی۔ چنانچہ پہلے قرآن کا ارشاد سنئے:-

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي
 يَجِدُونَهُ مَكْنُوزًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ

قرآن کا ارشاد

يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ
 وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ

الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ — (پ ۹۷) وہ جو غلامی کریں گے۔ اس رسول

بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی۔ جسے لکھا ہوا پائیں گے۔ اپنے

پاس تورات اور انجیل میں وہ انہیں بھلائی کا حکم دیگا اور برائی

سے منع فرمائے گا۔ اور سھری چیزیں ان کے لئے حلال فرمائے گا

اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا۔ اور ان پر سے وہ بوجھ،

اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے، اتارے گا۔

دیکھ لیجئے! اس آیت میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے

خدا نے صاف صاف فرما دیا ہے۔ کہ وہ رسول کریم نبی عظیم صلی اللہ علیہ وسلم

جس کا ذکر تورات و انجیل میں بھی ہے۔ وہ آمر بھی ہے۔ اور ناپس بھی ہے۔

وہ بھلائی کا حکم بھی فرمائے گا۔ اور برائی سے روکے گا بھی۔ اور وہ شارح بھی

ہے۔ وہ صاف سھری چیزوں کو حلال بھی فرمائے گا۔ اور گندی چیزوں کو حرام

بھی فرمائے گا۔ اور وہ وافع البلاد بھی ہے۔ وہ تکلیفوں کے بوجھ بھی اتاریگا

اور مصیبتوں کے پھندے بھی کاٹے گا۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! اس آیت نے روز روشن کی طرح ہمارے

حضور کا امر و ناہی۔ شارع اور دافع ہونا ظاہر فرما دیا۔ وہ امر فرمائے گا۔ وہ روکے گا وہ حلال کرے گا۔ وہ حرام کرے گا۔ وہ بوجہ اتاریگا۔ کیوں صاحب! یہ سب کچھ کیا ہے؟ یہی تو! کہ وہ مختار ہوگا۔ حاکم اور شارع ہوگا۔ جو وہ فرما دے گا۔ وہی شریعت بن جلتے گی۔

تری مرضی پہ مریدنا شریعت اسکو کہتے ہیں!

ترے کوچے میں ہونا دفن جنت اسکو کہتے ہیں!

منکرینِ حدیث اور گندمی چیزیں
مسلمانو! آجکل ایک نیا فرقہ پیدا ہوا ہے۔ جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتا ہے۔ اور ہمیشہ کا انکار کرتا ہے۔ یہ لوگ مادرِ پدرِ آزادی کے دلدادہ ہونے کی وجہ سے

”حدیثِ رسول“ علی اللہ علیہ وسلم سے سخت بیزار ہیں۔ چونکہ قرآن پاک کی تفصیل و تشریح، اور شرعی و اخلاقی اور انسانی قیود و ضوابط کا مفصل بیان حدیث ہی فرماتی ہے۔ اور یہ لوگ اپنی آزاد طبع کے باعث ان ضوابط و قیود کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ان لوگوں نے سرے سے حدیث ہی کا انکار کر دیا ہے۔ تاکہ ان کے لئے اپنی مادرِ پدرِ آزادی کی راہ میں کوئی روٹا نہ رہے اور یہ جو چاہیں کریں۔ اور چونکہ نام ان کا مسلمانوں کا سا ہے اور کہلاتے ہیں مسلمان اور کھلے بندوں مسٹر۔ لگ۔ مسٹر۔ ڈاک۔ یا گھسیٹا رام یا تارا سنگھ تو کہلا نہیں سکتے۔ اس لئے انہوں نے اپنا نام ”اہلقرآن“ رکھ لیا ہے اور بظاہر نعرہ ان کا یہ ہے۔ کہ ہم قرآن کے علم بردار ہیں۔ اور جس قدر بھی بد مذہب ہیں کوئی نہ کوئی ان کا نعرہ ایسا ضرور ہوتا ہے۔ جس سے مسلمان ان کی طرف متاثر ہو سکیں۔

دیکھئے! مور چونکہ شیر کا عاشق ہے۔ اس لئے مور کے شکاری شیر کی کھال پہن لیتے ہیں۔ تاکہ مور شکاری کو شیر سمجھ کر قریب آجائے اور شکاری اُسے باسانی پکڑ سکے۔ بٹیر کے شکاری بالعموم بٹیر کی سی آواز نکالتے ہیں۔ تاکہ بٹیر اپنی آواز سن کر دھوکہ میں آجائے۔ تو میرے بھائیو! جس قدر بد مذہب ہیں۔ تمہیں اپنے پھندے میں پھنسانے کے لئے مسلمانوں کے ہمیں

میں سامنے آتے ہیں۔ تاکہ تم انہیں مسلمان سمجھ کر قریب چلے آؤ۔ اور وہ اپنا کام آسانی کر سکیں۔ یہ لوگ اپنی مطلب براری کے لئے تمہارے جیسی آواز بھی نکالتے ہیں۔ مرزائی جنہوں نے مرزا غلام احمد کو بنی مان لیا۔ صرف تمہارے پھانسنے کے لئے بظاہر ختم نبوت کا اقرار کرتے ہیں۔ اپنے اختیار خاتم النبیین نمبر نکالتے ہیں۔ حالانکہ وہ "ختم نبوت" کے منکر اور مرزا غلام احمد کو بنی ماننے والے ہیں۔ روافض حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم، حضرت عثمان اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا سنیوں کے سامنے نام لیتے ہیں۔ تو حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور ام المؤمنین عائشہ کہتے ہیں۔ حالانکہ ان پاک ہستیوں کے متعلق ان کے جو خیال ہیں۔ وہ جاننے والے خوب جانتے ہیں۔ وہابیوں کو بھی ہم نے دیکھا ہے۔ کہ سنیوں کے مجمع میں نام پاک سن کر انگوٹھے چوم لیتے۔ تیام کر لیتے، اور نعرہ رسالت کا بھی اقرار کر لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ ساری باتیں ان کے ہاں شرک و بدعت ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ذِیَابٌ فِی ثِیَابٍ۔ یہ انسانی لباس میں بھیڑیٹے ہیں۔

ذِیَابٌ فِی ثِیَابٍ لَبِیْہِمْ کَلِمَہٗ دَلِیْلٌ فِی کِتَابِہِی

سلام اسلام ملحد کو کہ تسلیم زبانی ہے

یہاں مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ کسی شخص کا گدھا شہر کی کھال میں گدھا

زخمی اور ناکارہ ہو گیا۔ اُس نے اُسے جنگل میں چھوڑ دیا۔ پرند اور کھیاں اس کی رہی سہی کھال کو نوچتی تھیں۔ اور اس کے زخم اور شدید ہوتے گئے۔ کسی راہ گیر مسافر کو اس کی حالت پر رحم آیا۔ اور وہ اسے گھر لے آیا۔ اس کے پاس شیر کی ایک کھال تھی۔ اس نے وہ کھال اس گدھے کے اوپر ڈال دی۔ اور کھال کا چہرے والا حصہ اس کے منہ پر ڈال دیا۔ اب گدھا بے فکری سے جنگل میں چرنے لگا۔ پرندے، درندے سب اُسے شیر سمجھ کر اس سے ڈرنے لگے۔ کوئی نزدیک نہ آتا۔ اب کیا تھا۔ بے فکری کا چرنا اور جنگل کی بادشاہی گدھے کے زخم بھی اچھے ہو گئے۔ اور خوب موٹا تازہ بھی ہو

گیا۔ گدھے کی خرستی مشہور ہے۔ جو بن میں آ کر خرستی نے جو زور کیا۔ تو لگے چاروں طرف جنگل میں نعرہ لگائے ڈھینچوں ڈھینچوں لگانے۔ اس آواز کو سن کر جنگل کے تمام جانوروں میں مشہور ہو گیا۔ کہ یہ کوئی مسخرہ گدھا ہے جو شیر کی کھال زیب تن کر کے آج تک ہمیں دھوکہ دیتا رہا۔ آخر سب نے جمع ہو کر گدھے صاحب کا نقاب اتارا۔ اور آپ کی اصلی شکل کو دیکھ کر آپ کو اپنے ٹھکانے پہنچا دیا۔

تو میرے بھائیو! اسی طرح آجکل بہت سے بد مذہب اہل سنت کا بھروپ بھر کے سنی، حنفی، چشتی بن بن کر پھر رہے ہیں۔ اور بقول اعلیٰ حضرت سے سنی و حنفی و چشتی! بن بن کے بہکاتے یہ ہیں بالکل اس مثال کی طرح ان منکرینِ حدیث نے بھی قرآن کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ تاکہ مسلمان انہیں مسلمان سمجھ کر کفر و ارتداد کے تیر نہ برسائیں اور یہ لحد بے فکری سے اسلامی کھیت پامال کرتے رہیں۔

انکارِ حدیث کے کرشمے | میرے عزیزو! آپ قرآن پاک کی آیت سے متعلوم کر چکے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم شارع ہیں۔

اور آپ ہمارے لئے صاف سختری چیزیں حلال فرماتے ہیں۔ اور گندی چیزیں حرام فرماتے ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تبدیل و تحریم کا ذکر بہر حال حدیثاً ہی میں ہے۔ اور ہم مسلمانوں کا ایمان ہے کہ حضور کا ہر ارشاد ہمارے لئے ثمریت اور واجب الطاعت ہے۔ لہذا حدیثِ رسول نے جن گندی چیزوں کو ہمارے لئے حرام قرار دیا ہے۔ وہ ہمارے لئے بہر حال گندی اور حرام ہیں۔ مگر منکرینِ حدیث کے مسلک کا نتیجہ ملاحظہ فرمائیے۔ قرآن پاک میں صرف چار چیزوں کو صراحۃً حرام فرمایا گیا ہے۔

لَا تَبَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخَنزِيرِ وَمَا أُهْلَ بِهِ
لِغَيْرِ اللَّهِ (پطع ۱۵) اس نے (اللہ نے) یہی تم پر حرام کئے ہیں۔
مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے
کر ذبح کیا گیا۔

دیکھتے اس آیت میں خدا نے صرف چار چیزوں کے حرام ہونے کی صراحت فرمائی ہے۔ مردار۔ خون۔ سور کا گوشت اور بوقت ذبح جس پر غیر خدا کا نام لیا گیا ہو۔ وہ جانور۔ ان چار چیزوں کے علاوہ کتا۔ بٹا۔ بندر۔ سانپا۔ بچھو اور گویہ۔ موت پیپ وغیرہ خبیثہ دندے، پرندے اور گندی اشیاء کے حرام ہونے کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں تو منکرینِ حدیث کا اس موقع پر ارشاد ملاحظہ فرمائیے۔

”قرآن کی رو سے صرف مردار۔ بہتا خون۔ لحم خنزیر۔ غیر اللہ کے نام کی طرف چیزیں حرام ہیں۔ ان کے علاوہ اور کچھ حرام نہیں۔ یہ قرآن کا واضح فیصلہ ہے۔ جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہمارے مروجہ اسلام میں حرام و حلال کی جو طولانی فہرستیں ہیں، وہ سب انسانوں کی خود ساختہ ہیں۔ خدا کہتا ہے۔ ہم نے صرف چار چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ ملاکی شریعت حرام حلال کی ایسی لمبی لمبی فہرستیں پیش کرتی ہے۔ کہ عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے“ (منکرینِ حدیث کا دیسالہ ”طلوع اسلام“ بابت ماہ جون سنہ ۱۹۵۷ء) ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ نے جو چیزیں حرام قرار نہیں دی ہیں۔ ان میں سے طبیعت کی رغبت اور پسند کے مطابق کھانی چاہئیں۔ البتہ جن چیزوں سے رغبت نہ ہو۔ اپنے اوپر حرام نہیں قرار دے لینا چاہیے۔

(طلوع اسلام بابت جون سنہ ۱۹۵۷ء)

میرے بھائیو! دیکھ لو۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئے ہوئے حلال و حرام کو چھوڑ کر کیا گندی چیزیں کھانا پڑیں۔ ان لوگوں کا بظاہر یہ اعلان ہے کہ ہم قرآن کو مانتے ہیں۔ مگر اسی ایک آیت سے جو میں نے آپ کو سنائی۔ پتہ چل گیا۔ کہ یہ لوگ قرآن کو بھی نہیں مانتے۔ ورنہ قرآن تو صاف صاف کہہ رہا ہے۔ کہ یہ رسول سفیری چیزوں کو حلال، اور گندی چیزوں کو حرام فرماتا ہے۔ تو پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرام کردہ چیزوں کو ملاکی شریعت کہہ کر کیوں نظر انداز کیا گیا۔

قرآن کا حکم کہ منکرینِ تشریح رسالت سے جہاد کرو! میرے دوستو!

قرآن پاک تو حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو شارع تسلیم نہ کرنے والوں اور حضور کی حرام کردہ چیزوں کو حرام قرار نہ دینے والوں سے جہاد کا حکم دیتا ہے چنانچہ قرآن فرماتا ہے:-

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ (دیناء ۱۰) (مسلمانوں! ان لوگوں سے لڑو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔ اور نہ ان چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں۔ جن کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا۔)

دیکھ لیجئے! صاف صاف ارشاد ہے۔ کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام قرار نہیں دیتے۔ مسلمانو! ان سے لڑو۔ اللہ نے تو قرآن میں چار چیزوں کو حرام قرار دیا۔ اور اس کے رسول نے دوسری گندی چیزوں کو بھی حرام قرار دیدیا۔ اور حکیم قرآن ہی ہمارے لئے وہ سب چیزیں جو اللہ نے قرآن میں اور اس کے رسول نے حدیث میں حرام قرار دی ہیں۔ حرام ہیں۔ مگر طلوع اسلام کہتا ہے۔ کہ صرف اللہ نے جو چار چیزیں حرام قرار دی ہیں وہ تو حرام ہیں۔ اور جو رسول نے حرام قرار دی ہیں وہ ملا کی شریعت سے ان سے اجتناب کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ان میں سے طبیعت کی رغبت اور پسند کے مطابق کھانی چاہئیں اور ان لوگوں کی طبیعت اور رغبت کا حال کے معلوم نہیں۔ ان کا تو یہ مسلک ہے۔ جو اکبر الہ آبادی نے بیان کیا ہے کہ سہ

کہاں کا حلال اور کہاں کا حرام!

جو صاحب کھلائے وہ چٹا کیجئے

”جو صاحب کھلائے“ یعنی جو انگریز کھلائے۔ تو انگریز کیا نہیں کھاتا جو

انہیں نہ کھلائے گا۔

مسلمانو! اس قسم کی آزادی طبع یعنی مادر پدر آزادی سے پناہ مانگو۔ ان لوگوں نے اتباع رسالت کی رشتی توڑی۔

سور کا گوشت

تو یہ مت سمجھئے۔ کہ یہ اپنی اس آزادی پسند طبع کو قرآن کا پابند کر سکیں گے۔ نہیں بلکہ جو حدیث سے پھرا وہ قرآن سے بھی گیا۔

کافران سے کیا پھرا، اللہ ہی سے پھر گیا

یہ لوگ قرآن کی صحیح تفسیر و تشریح حدیث رسول سے کنارہ کش ہو کر پھر خود اپنی من مانی کارروائیوں سے قرآن کا مطلب بیان کرنے لگتے ہیں۔ اور اپنی اس آزادی پسند طبیعت کو قرآن کے تابع نہیں۔ بلکہ قرآن کو اپنی طبیعت اور اس کی رغبت کے ماتحت رکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ رسول کی حرام کردہ گندی چیزوں کو برغبت نوش کرنے والے قرآن کی حرام کردہ اشیاء کی پابندی بھی کب برداشت کر سکتے ہیں؟ مجھے اس وقت اخبار کا نام اور اس کی تاریخ یاد نہیں۔ مگر اتنا اچھی طرح یاد ہے۔ کہ کسی اخبار میں ایک منکر حدیث نے حکومت کو مشورہ دیا تھا۔ کہ قرآن میں جہاں چار چیزوں کے حرام کرنے کا ذکر آیا ہے۔ وہاں مردار۔ خون۔ اور سور کا گوشت حرام قرار دیا گیا ہے نہ کہ اس کی ہڈی۔ پسلی۔ اور کھال۔ اور بال بھی۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ پاکستان میں جو کثرت کے ساتھ سور پائے جاتے ہیں۔ ان کی ہڈیوں اور کھالوں اور بالوں سے فائدہ حاصل کیا جائے۔ **رأستغفر اللہ**

ملاحظہ کیجئے اتباع رسول سے بھاگی ہوئی طبیعت کو قرآن بھی قبول نہیں فرماتا بلکہ ایسوں کے لئے یوں ارشاد فرماتا ہے۔ **وَيُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا**۔ یعنی خدا اسی قرآن سے بہتیروں کو گمراہ بھی کر دیتا ہے۔

بہت ممکن ہے کہ کل کو کوئی منکر حدیث ماں باپ کو جوتے بھی **لطیفاً** مارنے لگے۔ اگر کوئی منع کرے۔ تو یوں کہہ دے کہ قرآن میں تو بس اتنا آیا ہے۔ **وَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ**۔ یعنی ماں باپ کو اُف نہ کہو! مگر یہ کب آیا ہے۔ کہ جوتے بھی مت مارو۔ **سہ**

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے!

خصوصاً منکرین مصطفیٰ سے

میرے عزیزو! میں بیان کر رہا تھا۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ **حدیث کا ارشاد** علیہ وسلم کا ارشاد ہمارے لئے شریعت ہے۔ اور اس اپنے دعویٰ پر میں قرآن کی آیت پیش کر چکا ہوں۔ اب آئیے حدیث کا ارشاد

بھی سنئے اور دیکھئے۔ کہ ہمارے حضور کی زبان حق ترجمان سے جو کچھ بھی نکلے امت کیلئے وہ شریعت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:-

خَطَبَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوا فَقَالَ رَجُلٌ أَكَلْتُ عَمِيمًا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَسَكَتَ حَتَّى قَالَهَا ثَلَاثًا فَقَالَ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ أَوْ جَبَبْتُ وَلَمَّا اسْتَطَعْتُمْ

مشکوٰۃ شریف ص ۳۱۱ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ فرمایا تو فرمایا۔ اے لوگو! تم پر حج کرنا فرض کیا گیا ہے۔ لہذا حج کیا کرو۔ ایک شخص نے پوچھا۔ یا رسول اللہ! کیا ہر سال حج کرنا فرض ہے؟ حضور خاموش رہے۔ اس شخص نے تین بار یہی سوال کیا۔ تو حضور نے فرمایا۔ اگر میں ہاں کہہ دیتا۔ تو ہر سال ہی حج فرض ہو جاتا اور تم اس کی استطاعت نہ رکھتے۔

بحان اللہ! کیا ہی ایمان افروز حدیث ہے۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زبان شریعت ہے۔ اگر اس زبان سے ہاں نکل جاتی۔ تو پھر امت پر ہر سال ہی حج فرض ہو جاتا۔ مگر چونکہ اس زبان فیض رساں سے ہاں نہیں نکلی۔ لہذا حج بھی ہر سال فرض نہیں ہوا۔

مسلمانو! قرآن و حدیث سے روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم شارع ہیں۔ مالک ہیں۔ مختار ہیں۔ اور آپ جو کچھ فرماویں وہی شریعت ہے۔ مگر ابھی ابھی آپ سن چکے کہ نام کے ”المقرآن“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور ان کی حرام کردہ اشیاء کو حرام تسلیم نہیں کرتے۔ بھائیو! اسی طرح بعض نام کے ”المحدیث“ بھی ہیں اور ساتھ ہی ان کے بھائی ”بدر“ بھی ہیں۔ جو قرآن اور حدیث کے ارشادات کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شارع ہونا تسلیم نہیں کرتے۔

تقویۃ الایمانی ایمان | چنانچہ ان سب کی معتمد علیہ اور مستند کتاب تقویۃ الایمان ہے۔ جسے یہ لوگ ہزاروں کا خرچ کر کے کثرت کے ساتھ مفت تقسیم کرتے رہتے ہیں۔ دیکھئے اس کتاب میں لکھا ہے:-

”یا خود پیغمبر ہی کو یوں سمجھے کہ شرع انہیں کا حکم ہے۔ ان کا جو جی چاہتا تھا۔ اپنی طرف سے کہہ دیتے تھے۔ اور وہی بات انکی امت پر لازم ہو جاتی تھی۔ سو ایسی باتوں سے شرک ثابت ہوتا ہے۔ (تقویۃ الایمان ص ۷۷)

سنا آپ نے؟ وہی چکرالولیوں والی بات۔ جو کچھ انہوں نے کہا تھا۔ وہی کچھ یہ کہہ رہے ہیں۔ وہ بھی رسول کا حلال و حرام فرمانا تسلیم نہیں کرتے اور یہ بھی رسول کی بات کو امت پر لازم نہیں جانتے اور حکیم رسول کو شرع نہیں سمجھتے۔ وہ تھے چکرالوی اور یہ وہابی نظر آتے ہمیں یہ دونوں ہمارا! تعجب کی نہیں یہ بات حق حق ”کنذہم جنس باہم جنس پروازا کبوتر با کبوتر، باز با باز“

مقام غور ہے کہ قرآن بھی فرما رہا ہے۔ کہ رسول خود حلال فرماتا ہے۔ اور وہ خود ہی حرام فرماتا ہے۔ اور حدیث میں بھی تصریح ہے۔ کہ اگر حضور کا جی چاہتا۔ اور ”ہاں“ فرما دیتے۔ تو امت پر ہر سال حج فرض ہو جاتا۔ مگر نہ تو چکرالوی اس کو مانتا ہے اور نہ وہابی۔ مگر اپنا تو یہ ایمان ہے۔ جو مولانا حسن میاں علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔ کہ یا رسول اللہ! سہ

جو کچھ تری رضا ہے خدا کی وہی خوشی
جو کچھ تری خوشی ہے خدا کو وہی عزیز
کیوں جاتیں ہم کہیں کہ غنی تم نے کر دیا
اب تو یہ در پسند یہ در یہ گلی عزیز
کوہن دے دیئے ہیں ترے اختیار میں!
اللہ کو بھی کتنی ہے خاطر تری عزیز!

حضرات! آپ نے ابھی ابھی سنا کہ چکرالولیوں نے حضور
بکرے کے پلوے | صلے اللہ علیہ وسلم کے ”شارع“ ہونے کا انکار کیا
تو اس دنیا میں بھی سزا ان کو یہ ملی کہ طرح طرح کی غلاظت و گندگی قسمت
پس لکھ دی گئی۔ اور انہیں خود لکھنا پڑا۔ کہ طبیعت کی رغبت ہو۔ تو کھائے

اور دیوبندی دہابیوں کے بڑے قطب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا بھی حسب ذیل فتویٰ ملاحظہ کیجئے۔ سائل سوال کرتا ہے۔

”گاڑ کی اوجھری اور بکرے کے کپورے کھانا درست ہیں یا نہیں؟“

جواب ملتا ہے :-

الجواب :- ”درست ہیں“ (فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم مطبوعہ افضل المطابع مراد آباد ^{منہا})

کیوں صاحب! دیکھا آپ نے یہ عبرتناک نظارہ؟ جس منہ سے گیارہویں شریف کے طیب و طاہر کھانے کے متعلق ناجائز و حرام ہونے کے فتوے صادر ہوتے تھے۔ اس منہ میں دیکھئے کیا نظر آ رہا ہے۔ خوب لکھا ہے نیر بڑودوی نے۔

گیارہویں کے ہوتبرک سے ترا دل مردہ
شوق سے نکلے تو بکروں کے کپورے کھرے

انہیں مولوی رشید احمد صاحب سے کسی نے کوا کھانے کے متعلق کالاکوا پوچھا۔ کہ کوا کھانے والے کو عذاب ہوگا یا ثواب؟ تو جواب ملتا ہے۔

الجواب :- ”ثواب ہوگا“ (فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم مطبوعہ قاسمی پریس دیوبند ۱۹۲۲ء) اور سنئے! انہیں مولوی صاحب سے سوال ہوتا ہے۔

”ہندو تہوار ہولی یا دیوالی میں اپنے استاد یا حاکم یا نوکر کو کھیلے یا پوری یا کچھ اور کھانا بطور تحفہ بھیجتے ہیں۔ ان چیزوں کا لینا اور ہولی اور دیوالی کی پوری کچھوری

کھانا استاد و حاکم و نوکر مسلمان کو درست ہے یا نہیں؟“

جواب ملتا ہے :-

الجواب :- ”درست ہے“ (فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۱۹۱)

اس موقع پر نیر بڑودوی لکھتے ہیں۔

شریت و آبیہ محرم کو تو کہتا ہے حرام! پوریاں ہولی و دیوالی کی تو کھائے کھرے

مسلمانو! دیکھ لو اور خود ہی فیصلہ کر لو کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ تشریح کا انکار کیا رنگ لایا۔ اور اس نے ان منکرین کے منہ میں کیا کیا دے دیا۔ درود شریف پڑھئے اور سنئے!

صَلِّے اللّٰهَ عَلَیْکَ وَسَلِّمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهَ

صَلِّے اللّٰهَ عَلَیْکَ وَسَلِّمْ يَا حَبِیْبَ اللّٰهَ

آپ کو یاد ہو گا۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے **خلیل و حبیب میں فرق** کے ارشادِ آلا و اَنَا حَبِیْبُ اللّٰهَ کے متعلق

عرض کر رہا تھا۔ اور بتا رہا تھا۔ کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے کلیم ہیں۔ اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حبیب ہیں۔ اور آپ کو بتا چکا کہ کلیم و حبیب میں کیا فرق ہے۔ اب آئیے آپ کو بتاؤں کہ خلیل و حبیب میں کیا فرق ہے۔

یاد رکھیے! خلیل وہ ہے جو اللہ کی رضا چاہے اور حبیب وہ ہے جس کی رضا خدا چاہے۔ چنانچہ دیکھ لیجئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رضا الہی کی دھن میں جان و مال ملک و وطن کو قربان کرتے ہوئے آخر میں اپنے محبوب بیٹے حضرت اسمعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری چلا دی۔ چھری اگرچہ نہ چلی۔ لیکن خلیل نے تو شانِ بخلت کا مظاہرہ کر کے دکھا دیا۔ یہ تو شانِ خلیل ہے۔ اب آئیے حبیب کی شان ملاحظہ فرمائیے۔ خدا فرماتا ہے:-

فَلَنُوَلِّیْنٰکَ تَبَلٰةً تَرْضٰہَا۔ یعنی اے محبوب! تمہاری رضا کے مطابق

ہم اپنا قبلہ بھی پھیر دیں گے۔ اور فرمایا:-

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی۔ یعنی تمہارا رب تمہیں

اتنا دیگا۔ کہ تم اے محبوب راضی ہو جاؤ گے۔

گویا وہ خدا جس کی رضا سارا عالم چاہتا ہے۔ وہ خود اپنے حبیب کی

رضا چاہتا ہے۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے:-

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم

خدا چاہتا ہے رضائے محمدی

میرے بزرگوار! حبیب وہ ہے۔ جس کی رضا خدا بھی چاہے۔ فرمائے اس سے بڑا مرتبہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور یہ مرتبہ صرف ہمارے آقا و مولے صلی اللہ علیہ و سلم ہی کا ہے۔ اس مرتبہ کا نہ کوئی ہوا۔ نہ ہے۔ نہ ہو سکتا ہے۔

یہی بولے سدرہ والے چمن جہاں کے تھامے
سبھی میں نے چھان ڈالے تڑے پایہ کا نہ پایا
تجھے اک نے اک بنایا

یہ شعر جو میں نے پڑھا ہے۔ اعلیٰ حضرت کا ہے۔ اور ایک حدیث کا ترجمہ ہے۔ جو فرانی شریف اور بیہقی کی ہے۔ جسے اعلیٰ حضرت نے تجلی الیقین میں درج فرمایا ہے۔

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ جبریل نے مجھ سے آکر عرض کیا :-

بَيْنَظِيرٍ اَوْ اَصْلِهِ عَلَيْهِ

قَلْبَتُ الْأَرْضِ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا فَلَمْ أَجِدْ رَجُلًا أَفْضَلَ

مِنْ مُحَمَّدٍ - یعنی میں نے پورے پچھم، ساری زمین الٹ پلٹ کر دیکھی۔ کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ و سلم سے افضل نہ پایا۔

اعلیٰ حضرت نے اپنے اس شعر میں اسی حدیث کا ترجمہ کیا ہے۔ اور اسی

حدیث کا ترجمہ یہ اشعار بھی ہیں۔

جبریل سے کہنے لگے اک روز یوں سناؤ اجم

تم نے تو دیکھا ہے جہاں بتلاؤ تو کیسے ہیں ہم

یوں کہا جبریل نے اسے کہ جبیں تیری قسم

آفا تھا گر دیدہ ام مہربناں دزدیدہ ام

بسیار خواب دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگر ہی

میرے بھائیو! دیکھ لو جبریل ابن کا بھی یہی ایمان ہے۔ کہ حضور

صلی اللہ علیہ و سلم جیسا روئے زمین پر کوئی نہیں۔ اور ایک آجکل کے

برائے نام مسلمان بھی ہیں۔ جو حضور کو اپنے جیسا کہتے اور کہلاتے ہیں۔ ان بیوقوفوں سے کوئی پوچھے۔ کہ اگر حضور ہمارے ہی جیسے بشر تھے۔ تو پھر کیا ہم دنیا میں ٹھوڑے تھے۔ کہ اللہ نے حضور کو بھی بھیج دیا۔ یاد رکھو! حضور، حضور ہی ہیں۔ کہاں وہ ذات پاک اور کہاں ہم گنہگار۔

انہیں مثل اپنی مت کہہ تو اے بیباک!

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

حضرات! میں نے جو ان گستاخوں کو بے وقوف کہا ہے۔ تو یہ کوئی غلط نہیں کہا۔ بلکہ جو گستاخ رسول ہے۔ وہ یقیناً بے وقوف

بیوقوف

ہے۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ یہ سب چیزیں ضروری ہیں اور لازم ہیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و پیار کے سوا یہ سب کی سب بیکار اور فضول ہیں۔

نماز اچھی، حج اچھا، روزہ اچھا، اور زکوٰۃ اچھی

مگر میں باوجود ان کے مسلمان ہو نہیں سکتا

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ بطحا کی عزت پر

خدا شاہد ہے کامل میرا ایمان ہو نہیں سکتا!

داڑھی رکھنا ضروری ہے اور یہ سنت رسول ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)

مگر یاد رکھئے۔ جو شخص گستاخ رسول ہے۔ اس کی لمبی داڑھی اور تارا سنگھ

کی داڑھی میں کوئی فرق نہیں۔ گستاخان رسول کی یہ لمبی لمبی داڑھیاں سب

جہنم کا مال ہیں۔ اور ایسے گستاخ نہ صرف ایمان سے خالی بلکہ عقل سے بھی

خالی ہیں۔ چنانچہ ایسے ہی ایک گستاخ رسول کا لطیفہ ہے کہ نانا سے بھی

بچی اس کی لمبی داڑھی تھی۔ اور سر بہت چھوٹا اور استرے سے منڈا ہوا

تھا۔ آپ نے گستاخان رسول کا اکثر یہی حلیہ دیکھا ہوگا۔ میں نے اپنے

ایک شعر میں لکھا ہے۔

سپہ رُو د تند خو، اور سر منڈا اور سر بسر فتنہ

یہ گستاخ نبی کا مختصر سا ایک خاکہ ہے

لطیفہ

یہ گستاخ رسول اپنے چھوٹے اور منڈھے ہوئے سر، اور لمبی

داڑھی سمیت رات کو چراغ کی روشنی میں ایک کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا۔ کہ اس کتاب میں لکھا ہوا دیکھا۔ کہ جس کا سر چھوٹا اور داڑھی بہت لمبی ہو۔ وہ بیوقوف ہوتا ہے۔ یہ پڑھتے ہی اس کا ہاتھ ٹھنکا۔ اور اپنے سر پر ہاتھ پیرا۔ اور پھر داڑھی کو دیکھا۔ تو سوچنے لگا۔ کہ اس حساب سے تو میں بھی بیوقوف ہوا۔ سوچنے لگا۔ کہ اب کیا کیا جائے؟ چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ سر تو بڑا کرنا مشکل ہے۔ ہاں داڑھی چھوٹی کی جا سکتی ہے۔ اگر داڑھی چھوٹی کر لوں۔ تو اس کلیہ سے نکل سکتا ہوں۔ چنانچہ داڑھی کو مٹھی میں پکڑ کر اگلا حصہ کاٹنے کے لئے قینچی کی تلاش کرنے لگا۔ اتفاقاً قینچی نہ ملی۔ تو سوچا! یہ اگلے بال الگ ہی تو کرنے ہیں کاٹ کر نہ ہی۔ تو جلا کر ہی سہی۔ یہ سوچ کر داڑھی کا اگلا حصہ چراغ کی کو میں رکھ دیا۔ آگ جو بالوں کو لگی اور سارے بال جلنے لگے۔ تو مٹھی کو سینک جو پہنچا۔ تو مٹھی بھی کھول ڈالی۔ نتیجہ یہ نکلا۔ کہ ساری ہی داڑھی جل گئی۔ یہ عالم دیکھ کر کتاب کی طرف دیکھا۔ اور بولا۔ اے کتاب کے مصنف جو کچھ تم نے لکھا ہے۔ ٹھیک ہے واقعی میں بے وقوف ہی نکلا۔ تو میرے بھائیو! یہ گستاخ واقعی بے وقوف بھی ہوتے ہیں۔

خدا جب دین لیتا ہے حماقت آ جاتی ہے

خدا تعالیٰ نے گستاخی رسول کا نتیجہ قرآن میں یہ بیان فرمایا ہے کہ:-

اِنَّ تَحْبِطَ اَعْمَالَكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ - (پیتھ ۱)

تمہارے عمل برباد ہو جائیں۔ اور تمہیں شعور بھی نہ ہو

یعنی گستاخ رسول کے اس گستاخی کے سبب عمل گستاخی رسول کی سزا

سلب کر لیا جاتا ہے۔ اور اس بات کی ایک وجہ یہ ہے۔ کہ جو گستاخ رسول ہے۔ وہ سب سے بڑا۔ اور بدترین مجرم ہے۔ اور ایسا مجرم اس لائق ہے کہ وہ جہنم میں غریر جائے۔ تو اگر اس کا شعور قائم ہو۔ تو ممکن ہے۔ اُسے

اس بات کا احساس ہو جائے۔ کہ میں نے جو کیا، لکھا، یا کہا ہے۔ یہ اچھا نہیں ہے۔ بلکہ کفر ہے۔ اور وہ توبہ کر لے۔ توبہ کر لے تو جہنم سے بچ جائے، حالانکہ ایسے گستاخ کو جہنم سے بچنا ہے ہی نہیں ہے۔ تو اس کا شعور ہی چھین لیا جاتا ہے۔ تاکہ نہ اسے احساس ہو۔ نہ توبہ کرے اور نہ جہنم سے بچے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آج کل بھی جتنے گستاخ رسول ہیں۔ انہوں نے جو جو بھی کلمات کفر اپنی کتابوں میں لکھے ہیں۔ ان کا انہیں کچھ احساس ہی نہیں۔ علماء اہل سنت نے ان کے ان کلمات کفر پر گرفت کی۔ لیکن وہ لوگ اپنے انہیں کلمات کفر پر قائم رہے۔ اور مرتے مر گئے۔ مگر نہ سمجھے کہ ہم نے جو لکھا ہے۔ غلط اور کفر لکھا ہے۔ مسلمان جب ان کی وہ عبارات پڑھتا، سنتا ہے تو کانپ اٹھتا ہے۔ مگر وہ اور ان کے معتقدین اس سے مس نہیں ہوتے۔ بلکہ اپنے انہیں کلمات کفر کی تائید میں مناظرہ کرنے کو بھی تیار ہو جاتے ہیں۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ **وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ** کی گرفت میں آ چکے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

میرے بزرگو! گستاخی رسول سے پناہ مانگو! یہ ایک ایسا جرم ہے کہ نہ ایمان چھوڑتا ہے۔ نہ عقل و شعور، دین و دنیا برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔ اور خیر الدنیا والآخرہ کا طوق لعنت پہنا دیتا ہے۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے حبیب ہیں، اور ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل، اور خلیل وہ ہے۔ جو رضائے حق کا طالب ہو۔ اور حبیب وہ ہے۔ جس کی رضا کا حق طالب ہو۔ اس کے علاوہ اور بھی سنتے۔ کہ حبیب و خلیل میں کیا فرق ہے؟

دیکھئے! حضرت خلیل علیہ السلام کے متعلق خدا

فرماتا ہے **وَ اتَّخَذَ اِبْرٰهٖمَ خَلِيْلًا**۔ خدا نے

ابراہیم کو خلیل بنایا۔ اور انصرا نے حبیب صلی

خلیل و حبیب ہیں
فرق کی مزید تشریح

اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے لئے ارشاد ہوتا ہے۔ کہ جو حبیب اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوگا۔ **يُحِبُّكُمْ اللّٰهُ**۔ اللہ اس سے محبت کرے گا۔

تو معلوم ہوا کہ وہاں تو صرف ابراہیم علیہ السلام کو خلیل فرمایا تھا۔ اور یہاں
 غلامانِ مصطفیٰ سے بھی محبت کا وعدہ فرمایا جا رہا ہے۔ یہ
 اللہ کا محبوب بننے جو تمہیں چاہیے!
 اس کا تو بیان ہی نہیں کچھ تم جسے چاہو!
 خلیل کے لئے ارشاد ہے:-

لِنُرِيَٰ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ - ہم نے ابراہیم کو
 آسمانوں اور زمین کی نشانیاں اور عجائب دکھائے۔
 اور حبیب کے لئے ارشاد ہے:-

لِنُرِيْكَ مِنْ اٰيٰتِنَا - ہم اپنے بندے کو معراج کی شب لے گئے تاکہ
 اُسے اپنی نشانیاں دکھائیں۔

وہاں زمین و آسمان کی نشانیوں کا دکھانا تھا۔ اور یہاں نشانیوں کو اپنی
 طرف مضاف فرما کر فرمایا کہ اپنی نشانیاں دکھانے کو لے گئے۔
 خلیل نے جب مظالم فرود دیکھے تو کہا۔ اِنِّیْ ذٰهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَيُّمٌ بِن
 میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں۔ عنقریب وہ مجھے راہِ راست پہنچائے گا۔
 اور حبیب کے لئے ارشاد ہوتا ہے:-

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ - پاک ہے وہ جو اپنے بندے
 کو لے گیا۔

غور فرمایا لیجئے۔ وہاں خود جانا ہے۔ اور یہاں لے جانا! خبر
 اپنا جانا اور ہے، ان کا بنانا اور ہے

نمروذ کے آتش کردہ میں پہنچ کر خلیل نے جبریل سے یوں فرمایا تھا۔ حَسْبِیْ
 اللہ۔ "میرا اللہ مجھے کافی ہے" اور حبیب کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔
 یٰۤاَيُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰہُ - "اے نبی! اللہ تمہیں کافی ہے"
 خلیل علیہ السلام خدا سے تمنا کرتے ہیں اور کہتے ہیں:-

لَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ - مجھے قیامت میں رسوا نہ کرنا!
 اور حبیب علیہ السلام سے خود فرماتا ہے:-

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ - قِيَامَتِ كے دن اللہ اپنے نبی اور مسلمانوں کو رسوا نہ کرے گا۔
خلیل فرماتے ہیں:-

فَبِئْسَ تَبِعَتِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ -
"جو میری تابعداری کرے وہ میرا ہے۔ اور جو نافرمان ہے۔ پس تو غفور رحیم ہے"

اور حبیب فرماتے ہیں:-

شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكِبَايَرِ - میری شفاعت امت کے گنہگاروں کے لئے ہی ہے۔

وہاں گنہگاروں سے علیحدگی ہے۔ اور یہاں گنہگاروں کیلئے تسلی ہے۔
خلیل نے جب بچہ کو دوزخ کرنا چاہا۔ تو فدیہ ایک دنبہ والا۔ لیکن امت حبیب کو قیامت کے دن ارشاد ہوگا۔ کہ ہر ایک مسلمان اپنا فدیہ ایک نصرانی یا یہودی کو دوزخ میں ڈال دے۔ اور جنت میں چلا جائے۔ چنانچہ اسی فرق کے متعلق کسی شاعر نے لکھا ہے۔

نارِ نمرود سے برابراہیم گر شد گلستان
آتشِ دوزخ بریں امتِ گلستان ساختہ
بہر فرزندِ خلیل ارگو سفند آمد فدا
بہر این امت فدا از نوع انسان ساختہ

خلیل پر آگ ٹھنڈی ہوئی۔ اور مرنے والے خلیل پر اور حبیب نے حضرت انس کے گھر جا کر جس دسترخوان سے لہذا صاف فرمائے۔ اس دسترخوان پر بھی آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ سچ تو یہ ہے۔

کوئی تجھ سا ہوا نہ ہوگا شہا تیرے خالقِ حسن و ادا کی قسم
ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کوئی ہوا، نہ ہے، نہ ہو سکتا ہے۔ اور بالکل سچ فرمایا اعلیٰ حضرت نے سے

سب سے اعلیٰ و اولیٰ ہمارا نبی: سب سے بالا و والا ہمارا نبی

قرآن پاک

حضرات! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و برتری کا نظارہ ایک دوسرے رنگ میں بھی ملاحظہ فرمائیے۔ قرآن پاک کا مطالعہ کیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جتنے پیغمبر بھی گزرے۔ ان میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر طرح ممتاز ہی نظر آتے ہیں۔ دیکھئے خداوند کریم نے جب بھی کسی پیغمبر کو ندا فرمائی۔ تو اس پیغمبر کا ذاتی نام لے کر پکارا۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کو پکارا۔ تو فرمایا۔ یا آدم اسکن أنت و زوجک الجنة۔ اے آدم! کہہ کر ندا فرمائی۔ حضرت زکریا علیہ السلام کو پکارا۔ تو فرمایا۔ یا زکریا انا نبشیرک بخلاص الله یحیی۔ اے زکریا فرمایا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پکارا۔ تو فرمایا۔ یا یحییٰ خذ الكتاب بقوة۔ اے یحییٰ فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پکارا۔ تو فرمایا۔ یا ابراهیم قد صدقت التوریا۔ اے ابراہیم فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکارا تو فرمایا۔ یا موسیٰ انا ربک۔ اے موسیٰ کہہ کر ندا فرمائی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پکارا۔ تو فرمایا۔ یا عیسیٰ انا ربک و رفعت الی۔ اے عیسیٰ فرمایا۔ الخضر ہر نبی و رسول کو جب بھی خدا نے پکارا۔ تو اس کا ذاتی نام لے کر پکارا۔ مگر قربان جائیے شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ کہ خیرا تعالیٰ نے جنسب بھی اپنے محبوب کو پکارا۔ تو کبھی حضور کا ذاتی نام لے کر "یا محمد" یا "یا احمد" کہہ کر نہیں پکارا۔ بلکہ محبوب کی اداوں کو ملحوظ فرما کر کہیں تو فرمایا۔ یا ایہما المرسلین۔ اسے جس وقت بارگاہِ محبوبہ کہیں فرمایا۔ یا ایہما المرسلین۔ اسے کھلی اور سننے والے پیوستہ کہیں فرمایا۔ یا ایہما المرسلین۔ اسے غیب کی خبریں دینے والے محبوب کہیں فرمایا۔ یا ایہما المرسلین۔ اسے سردار! اور کہیں فرمایا ظلم۔ اسے چودھویں کے چاند۔ دیکھا آپ نے! سردار! انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی برتری و فضیلت کو۔ کہ خود خداوند کریم بھی اپنے محبوب کو بلاتا ہے۔ تو پیاری اداوں کو ملحوظ فرما کر نام لے کر نہیں بلاتا۔

یا آدم است با پدر انبیاء خطاب: یا ایہا النبی خطاب محمد است

اَوَّلُ مَا نَزَّلَ

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے فرماتا ہے:-
 مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ (پنج ۱)

”جب ان کے پاس کوئی رسول آتا ہے تو اس سے ٹھٹھا ہی کرتے ہیں“
 یعنی ان کافروں کا یہ حال ہے کہ جب بھی کوئی اللہ کا رسول ان میں
 تشریف لایا یہ بجائے ایمان لانے کے اس پر ٹھٹھا کرتے رہے۔ اس آیت
 سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ پھر تو مرزا قادیانی بھی رسول ہوا۔ اس لئے
 کہ لوگ اس پر بھی ٹھٹھا کرتے ہیں۔ اس لئے کہ آیت میں
مرزا قادیانی اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ کے رسول پر کافر ٹھٹھا کرتے

رہے۔ یہ بات نہیں کہ لوگ جس پر بھی ٹھٹھا کریں۔ وہ اللہ کا رسول ہے،
 اس طرح تو پھر ہر پاگل و دیوانہ کو بھی رسول ماننا پڑے گا۔ کہ ان پر بھی
 لوگ ٹھٹھا کرتے ہیں۔ دیکھتے ہیں انسان زمین پر چلنے والا ہے۔ مگر یہ بات
 نہیں کہ ہر زمین پر چلنے والا انسان ہو۔ اس لئے کہ زمین پر چلنے والا تو
 گدھا، گھوڑا، اور کتا بٹا بھی ہے۔ تو اسی طرح ہر رسول پر کافر ٹھٹھا کرتے
 رہے۔ یہ ٹھٹھا ہے۔ مگر یہ بات نہیں کہ جس شخص پر بھی لوگ ٹھٹھا
 کریں۔ وہ رسول ہے۔ جو پاگل ہو اور پاگلانہ حرکتیں کرے۔ لوگ اس
 پر بھی ٹھٹھا کرتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور صلی اللہ
 علیہ وسلم کے بعد جو نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ وہ یقیناً پاگل ہے۔

دُوِ پَاگَلُوں کا قصہ

چنانچہ ایک مولوی صاحب نے لاہور کے پاگل خانہ

کا قصہ سنایا۔ کہ میں ایک مرتبہ لاہور کا پاگل خانہ
 دیکھنے کے لئے گیا۔ تو دو کمروں میں جو بالکل متصل تھے۔ دو پاگل بیٹھے
 ہوئے نظر آئے۔ ان میں سے ایک پاگل بولا۔ دیکھئے مولوی صاحب! مجھے
 خواہ مخواہ، ان لوگوں نے پاگل سمجھ لیا۔ حالانکہ میں بالکل پاگل نہیں ہوں
 صرف اتنی بات کہتا ہوں کہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں۔ پس اسی بات پر یہ
 مجھے پاگل خانہ میں لے آئے ہیں۔ اتنے میں ساتھ والا دوسرا پاگل بولا،
 دیکھئے مولوی صاحب! کہیں اس کی باتوں میں نہ آجانا۔ یہ جھوٹ بولتا

ہے۔ کہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں۔ میں نے تو اسے بھیجا ہی نہیں !
 گویا یہ دوسرا پاگل خدا بن بیٹھا۔ استغفر اللہ! مولوی صاحب کہتے ہیں
 میں نے ان دونوں سے کہا۔ بھئی! تم دونوں اسی جگہ کے قابل ہو۔ تو میرے
 دہائیو! حضور کے بعد جو نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ وہ یقیناً پاگل ہے۔ اور
 یا پھر بھوکا ہے۔ بعض اوقات بھوک بھی آدمی کو گمراہ کر دیتی ہے۔

چنانچہ ایک بھوکے شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ تو وقت
 کے بادشاہ نے سپاہیوں سے کہا۔ کہ یہ شخص غالباً بھوکا ہے۔

لطیفہ

اسی لئے ایک نیا ڈھونگ رچا کر پیٹ پوجا کا سامان مہیا کرنا چاہتا ہے۔
 تم جاؤ اور اس شخص کو شاہی باورچی خانہ میں لے آؤ۔ اور پانچ چھ روز
 تک اسے خوب کھلاؤ پلاؤ۔ جب اسے کھانے پینے کو ہر چیز ملے گی۔ تو
 غالباً دعویٰ نبوت بھول جائے گا۔ چنانچہ سپاہی اسے پکڑ کر شاہی باورچی
 خانہ میں لے آئے۔ اور کچھ روز اسے خوب کھلایا پلایا۔ ایک دن بادشاہ
 خود اس کے پاس آیا۔ اور پوچھا۔ کیوں صاحب! کیا اب بھی کوئی الہام
 وغیرہ ہوتا ہے؟ وہ شخص بولا۔ ہاں صاحب! ابھی ابھی فرشتہ آیا تھا
 اور یہ کہہ گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ! — باورچی خانے میں رہو۔

تو میرے بھائیو! خوب یاد رکھو۔ حضور کے بعد یہ نبوت کے دعویٰ سے
 سب پیٹا بھرنے کے ڈھنگ اور باورچی خانے کی روایت کے سامان ہیں
 چنانچہ متنبی پنجاب کی طرف سے کسی شاعر نے لکھا ہے۔

اسے پیٹا تیرے واسطے ہم کیا سے کیا بنے

ہمدی بنے مسیح بنے مقتدر بنے

بے شرم تو بھرا نہیں گو ہم خستہ حال میں

انک بنے کرشن بنے اور خدا بنے

میرے دوستو! نہ

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے: خصوصاً آج کل کے انبیاء سے

اں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ کافروں میں جب بھی کوئی اللہ کا رسول آیا۔
 تو وہ ان اللہ کے پیغمبروں (علیہم السلام) پر ٹھٹھا ہی کرتے رہے۔ چنانچہ
 ان کافروں کی گستاخیوں اور استہزار کا دوسری آیت میں ذکر موجود ہے۔
 مگر دیکھنا یہ ہے۔ کہ جب بھی کسی رسول کی بارگاہ میں گستاخی کی گئی تو
 اس گستاخی کا جواب خود پیغمبر ہی دیتے رہے۔ یعنی یہ نہیں ہوا کہ کسی
 رسول کی بارگاہ میں گستاخی کی گئی ہو۔ اور اس کافر کے جواب میں خدا
 بولا ہو۔ نہیں بلکہ وہ پیغمبر خود ہی ان گستاخوں کی گستاخیوں کا جواب
 دیتے رہے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام ایک جلیل القدر
نوح علیہ السلام پیغمبر ہیں۔ آپ کی بارگاہ میں کافروں نے یوں گستاخی کی۔

إِنَّا لَنَرِيكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ — (پہا ۱۵)

ہم تمہیں کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔

کافروں نے معاذ اللہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف "ضلالت"
 کی نسبت کی۔ اس گستاخی کا جواب حضرت نوح علیہ السلام نے خود دیا اور فرمایا
 يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَ لَكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ (پہا ۱۵۶)
 اے میری قوم! مجھ میں گمراہی کچھ نہیں۔ میں تو رب العالمین کا
 رسول ہوں۔

حضرت ہود علیہ السلام بھی اللہ کے ایک برگزیدہ رسول ہیں
ہود علیہ السلام قوم نے ان لفظوں سے آپ کی بارگاہ میں گستاخی کی۔

إِنَّا لَنَرِيكَ فِي سَفَاهَةٍ وَ إِنَّا لَنَنظُنُّكَ مِنَ الْكَافِرِينَ (پہا ۱۱۶)

ہم تمہیں بیوقوف سمجھتے ہیں۔ اور بیشک ہم تمہیں کھوٹوں میں
 گمان کرتے ہیں۔

کافروں نے ہود علیہ السلام کو (معاذ اللہ) بیوقوف اور کھوٹا کہا۔ اس
 گستاخی کا جواب حضرت ہود علیہ السلام نے خود دیا۔ اور فرمایا۔
 يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَ لَكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ (پہا ۱۱۶)
 اے میری قوم مجھے بیوقوفی سے کیا علاقہ میں تو پروردگار عالم کا رسول ہوں۔

موسیٰ علیہ السلام | حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے کتنے بڑے جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ آپ کی شان میں گستاخی کی گئی۔ اور اس گستاخی کا جواب موسیٰ علیہ السلام نے آپ ہی دیا۔ چنانچہ قرآن میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرعون نے کہا :-
 اِنِّیْ لَاطْنُکَ یَا مُوسٰی مَسْحُوْرًا - (پہا ۱۲) لے موسیٰ میرے خیال میں تو تم پر جادو ہوا ہے "

بے ایمان فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مسحور کہہ دیا۔ یعنی تم پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس گستاخی کا جواب خود ہی دیا۔ اور فرمایا :-

وَ اِنِّیْ لَاطْنُکَ یَا فِرْعَوْنُ مَسْحُوْرًا (پہا ۱۲) اور میرے گمان میں تو اسے فرعون تو ضرور ہلاک ہونے والا ہے "

یعنی یہ تیری میرے حق میں گستاخیاں تجھے ہلاک کر کے رکھ دیں گی۔

بزرگوں کی لے ادا پی ہلاک ہے | میرے بزرگو! خدا کے مقربین کی شان میں بکواس کرنے سے انسان اس دنیا میں

بھی ذلیل ہوتا ہے۔ چنانچہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توہین کر کے ذلیل و ہلاک ہوا۔ اور جو کچھ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا، وہی کچھ ہر کر رہا۔ فرعون کی مانند آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں۔ جو خدا کے مقربین کی شان میں بکواس کرتے رہتے اور ذلیل ہوتے ہیں۔ مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ
 گر خدا خواہد کہ پردہ کس درددہ میلش اندر طعمشہ پاکاں کدز
 یعنی خدا کسی کو ذلیل و رسوا کرنا چاہے۔ تو اس بے دین کا رجحان پاک لوگوں کی شان میں گستاخی کی طرف کر دیتا ہے۔ اور وہ ان اللہ والوں کا گستاخ بن کر اس جہان اور اس جہان میں بھی ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔
 حضرات! یہ واقعہ ہے کہ خدا نے جب بھی کسی کافر کو ہلاک کیا۔ اس وقت ہی کیا۔ جبکہ اس کافر نے خدا کے کسی مقبول بندے کو ستانا شروع کر دیا۔ اور جب تک اس نے خدا کے کسی مقبول کو نہیں ستایا۔ اس وقت تک خدا

نے اُسے کچھ نہیں کہا۔ اگرچہ وہ کفر میں بہت بڑھ چکی ہو۔ مثلاً ہی فرعون ساری عمر اَنَا رَبُّكُمْ الْأَعْلَىٰ کہتا رہا۔ خدا بنتا رہا۔ کفر کرتا رہا۔ مگر مشہور ہے۔ کہ اُسے کبھی سرورد بھی نہیں ہوئی۔ مگر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ستانا شروع کیا۔ اور آپ کی شان میں گستاخی کی۔ تو اللہ نے اُسے ہلاک کر دیا۔

سرورد جب تک کفر کرتا رہا۔ خدا نے اس دنیا میں اُسے کچھ نہیں کہا۔ مگر جب اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس نے ستایا تو مارا گیا۔ گویا خداوند کریم کی غیرت کا یہ تقاضا ہے۔ کہ اس کے محبوبوں کو کوئی ستائے۔ تو وہ انہیں ہلاک کر دیتا ہے۔

ایک مجذوب کا قصہ چنانچہ ایک مجذوب کا قصہ ہے۔ جو اس حقیقت پر روشنی ڈالتا ہے۔ مجذوب دانا اور عارف ہوتے

ہیں۔ — برخلاف آجکل کے غلط خیال کے کہ ہر وہ شخص جو دیوانہ ہو جائے ننگا رہنے لگے۔ گالیاں دینے لگے۔ وہ لوگوں کی نظروں میں بڑا پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ بھائیو! مجذوب اگرچہ لوگوں کی نظروں میں دیوانہ سا بھی ہو۔ مگر وہ دراصل بڑا فرزانہ و دانا ہوتا ہے۔ استاذی المرحوم شیخ المحدثین حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ صاحب الوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ مجذوب کی پیچھے پیچھے اگر درود شریف پڑھا جائے۔ تو وہ فوراً پیٹھ مڑ لیتا ہے۔ گویا وہ سب کچھ جانتا ہے۔ اور لوگوں سے چھپنے کے لئے وہ اپنے آپ کو دیوانہ سا بنا رکھتا ہے۔ جس طرح بعض سی۔ آئی۔ ڈی کے بڑے بڑے افسر دیوانے بن کر پھرتے ہیں۔ مگر دراصل دیوانے نہیں بلکہ بڑے فرزانے اور ہشیار ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ بھی بڑے دانا و ہشیار ہوتے ہیں۔

پہلول دانا حضرت ہارون رشید کے زمانہ میں ایک بار قحط پڑ گیا۔ لوگ پریشان نظر آنے لگے۔ بادشاہ خود بھی بڑا پریشان رہنے لگا

ایکبار اسی پریشانی کے عالم میں بادشاہ قبرستان سے گزرا۔ اور دیکھا۔ کہ قبرستان میں حضرت پہلول دانا مجذوب بدستور اطمینان و سرور سے بیٹھے

ہوتے ہیں۔ حضرت پہلوی قبرستان میں ہی رلا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان سے کسی نے پوچھا۔

آپ آبادی میں کیوں آتے نہیں؟ بولے سب آبادی آتی ہے یہیں یعنی مجھے شہر میں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ جبکہ شہر والے ہر روز ایک ایک کر کے یہیں آ رہے ہیں۔ یہی پہلوی دانا جب بڑے اطمینان سے بیٹھے ہوئے بادشاہ نے دیکھے۔ تو پوچھا۔ لوگ قحط سالی سے پریشان ہو رہے ہیں اور آپ بڑے اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں گویا آپ کو کوئی فکر ہی نہیں حضرت! یہ کیا بات ہے؟ کیا آپ کو قحط سالی کا علم نہیں؟ حضرت پہلوی دانا نے جواب دیا۔ ہاروں دشید! خدا نے ہمارے ذمہ "یاد حق" رکھی ہے۔ اور رزق دینے کا ذمہ اس نے خود لیا ہے۔ تو ہمیں فکر یاد حق کی کرنی چاہیے روٹی کی فکر ہم کیوں کریں۔ یہ جس نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ وہ خود اس کا انتظام فرمائے گا۔

دیکھا آپ نے یہ لوگ کیسے مطمئن اور لا خوف علیہم۔ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ کی زندہ تفسیر ہیں۔ آج ہم لوگ دن رات بے اطمینانی میں بسر کرتے ہیں اور اس نعمت سے محروم ہیں۔ مگر اللہ والے آلا یدنا کیسا ادا ہے تَطْبِئِنَّا الْقُلُوبَ کے مطابق اس نعمت سے سرفراز ہیں۔

نہیں بلکہ یہ گوہر بادشاہوں کے خزانوں میں

آج دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ۔ وزیر اور گورنر اگرچہ دنیاوی عیش و آرام کے جملہ سامان رکھتے ہیں۔ مگر اطمینان قلب کی نعمت سے محروم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل عموماً مارٹ نیل ہوسنے لگے ہیں۔ جس دل میں یاد حق نہ ہو وہ دل نیل نہ ہوگا۔ تو کیا ہوگا؟ اگرچہ ایسا شخص بنظاہر زندہ بھی کیوں نہ ہو۔ مگر وہ مردہ ہی ہے۔ کہ اس کا دل مردہ ہے۔ اور زندگی تو زندہ دلی کا نام ہے۔ اور زندہ دلی یاد حق سے ملتی ہے۔ افسوس کہ اس دور میں برائے نام زندگی زیادہ ہے۔ دل عمرگامردہ ہیں۔ اَلَا مَسْأَرُ الدُّنْيَا ان تو میں ایک مجذوب کا قصہ بیان کرنے لگا تھا۔ ایک مجذوب

فقیر ایک شہر کے با رونق بازار سے گزر رہے تھے۔ اس بازار میں ایک فاحشہ عورت اپنے ایک آشنا کے ساتھ بیٹھی تھی۔ بارش ہو جانے کے باعث سڑک پر کچھ بہت تھا۔ اتفاقاً اس فقیر کے ٹوٹے ہوئے جوتے سے کچھ کا ایک چھینٹا اس فاحشہ کے منہ پر جا پڑا۔ فاحشہ کے آشنا کو یہ بات ناگوار گزری۔ اور اللہ کر اس فقیر کے منہ پر ایک تھپڑ مار دیا۔ فقیر نے کچھ نہیں کہا۔ اور چل دیا۔ فقوری دیر کے بعد اس فقیر سے کسی نے آکر کہا۔ سائیں بابا! سنا آپ نے بھی؟ وہ فاحشہ کا آشنا جس نے آپ کو تھپڑ مارا تھا۔ خود مارا گیا۔ فقیر نے پوچھا۔ وہ کیسے؟ اس نے بتایا۔ کہ وہ آئینہ لانے کے لئے کوٹھے پر چڑھا۔ تاکہ فاحشہ آئینہ میں اپنا منہ صاف کرے۔ اتفاقاً اس کا پاؤں اوپر کی سیڑھی سے پھسلا اور دھڑام سے نیچے آگرا۔ سر پھٹ گیا۔ اور اسی وقت مر گیا۔ فقیر سن کر مسکرایا اور کہا بھئی! یہ تو یاروں کی آپس میں لڑائی ہے۔ فاحشہ کے یار کو غصہ آیا اس نے مجھے مارا۔ میرے یار کو غصہ آیا۔ تو اس نے اسے مار دیا۔

تو دوستو! خدا کی مار ہے ان لوگوں کے لئے جو اس کے محبوبوں کو ستاتے ہیں۔ اسی طرح فرعون نے بھی موسیٰ علیہ السلام کو ستا کر اپنی ہلاکت کا سامان تیار کر لیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اِنِّیْ لَآ ظَنُّکَ یَا فِرْعَوْنُ مُتَبَوِّرًا۔ یعنی اے فرعون میں دیکھتا ہوں۔ اب تو نہیں بچے گا۔ اور ہلاک ہو جائیگا۔ چنانچہ فرعون جیسا منکر و مقرر شخص جو اپنی وسیع سلطنت اور بڑے بڑے ساز و سامان کے پیش نظر اپنے آپ کو خدا کہلاتا تھا۔ پانی میں غرق ہو کر ہلاک ہو گیا۔

قرآن پاک میں فرعون کے غرق ہونے کا قصہ موجود ہے۔

فرعونی ایمان | اور قرآن فرماتا ہے کہ جب فرعون غرق ہونے لگا۔ تو اس وقت پکار اٹھا۔ اَمْنْتُ اِنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیْ اٰمَنْتُ بِہٖ یٰۤاِسْرٰئِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ (دلیل ۱۴) یعنی میں خدا پر ایمان لایا۔ اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

لیکن میرے بھائیو! کیا اس کا یہ ایمان اور اپنے آپ کو مسلمان کہنا مفید۔

و معتبر ہوا؟ ہرگز نہیں۔ وہ کافر ہے ایمان ہی رہا۔ آخر کیوں؟ جب کہ وہ ایمان لے آیا۔ اور اپنے آپ کو اس نے مسلمان بھی کہا۔ پھر اس کا ایمان و اسلام کیوں معتبر نہ ہوا؟ سنئے! اس کی وجہ علمائے نے یہ لکھی ہے کہ:-

نِيلَ إِنَّمَا لَمْ يَنْفَعَهُ ذَلِكَ لِأَنَّ إِيمَانَ عِنْدَهُ رُويَةَ الْعَذَابِ
لَا يُغْنِيهِ وَقِيلَ لِأَنَّهُ لَمْ يُعْرِزْ بِنَبُوَّةِ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ

ترجمہ: (مجلس ۱۲۹) — یعنی اس کا یہ ایمان اس لئے معتبر نہ ہوا کہ عذاب دیکھ لینے پر جو ایمان لایا جائے۔ اس کا کوئی نائدہ نہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ چونکہ وہ صرف اللہ پر ہی ایمان لایا۔ اور رسول وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لایا۔ اور ان کی نبوت کا اقرار نہ کیا۔ اس لئے اس کا صرف خدا پر ایمان لانا مفید نہ ہوا۔

میرے بزرگو! دیکھ لو۔ فرعون کا صرف خدا کو مان لینا اس کے کسی کام نہ آسکا۔ اگر وہ توحید کے ساتھ ساتھ رسالت کا بھی اقرار کر لیتا۔ تو یقیناً مومن بن جاتا اور مسلمان ہو جاتا۔ مگر صرف توحید ہی پکارتا مرا۔ تو کافر کا کافر ہی رہا۔ اسی طرح آج کل بھی بعض لوگ ایسے ہی فرعونی ایمان کے مدعی ہیں توحید توحید تو پکارتے ہیں۔ مگر رسالت کا نام لینا شرک قرار دیتے ہیں۔ تو ایسے لوگ لاکھ اپنے آپ کو "من المسلمین" کہیں۔ وہ ہرگز مسلمان نہیں مسلمان وہی ہے۔ جو در رسالت پر بھی جھک جائے۔

خدا کے سب ہیں بندے پر خدا ملتا نہیں ان کو

خدا ملتا ہے ان کو جو بنے بندے تجھ کے

حضرات! میں یہ کہہ رہا تھا۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جب بھی کسی پیغمبر کی شان میں گستاخی کی گئی۔ تو وہ پیغمبر اس گستاخی کا جواب خود ہی دیتے رہے۔ چنانچہ حضرت نوح، حضرت ہود، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثالیں میں نے قرآن پاک سے بیان کی ہیں۔ جو آپا سن چکے۔

سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

اب آئیے۔ آپ اپنے پیغمبر حضور سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی شان دیکھئے

کافروں نے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بھی گستاخیاں کیں۔ مگر حضور کی شان نزالی ہے۔ پہلے انبیاء کرام کی شان میں گستاخیاں کی گئیں۔ تو ان گستاخیوں کے جواب میں خدا نہیں بولا۔ بلکہ وہ پیغمبر خود ہی جواب دیتے رہے۔ مگر جب اپنے حبیب کی باری آئی۔ اور کافروں نے گستاخیاں کیں۔ تو خداوند کریم خود بولا۔ اور فرمایا :-

وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ - (پطاع ۱۳) اور مجھ پر چھوڑو - ان مھٹلانے والوں کو "

یعنی اے محبوب! اب تم خاموش رہو۔ ان بے دینوں کی گستاخیوں کا میں خود جواب دوں گا۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے اور کیا مرتبہ ہے۔ کہ محبوب کی باری آئی تو ان کافروں کا جواب دینے کو خدا خود تیار ہو گیا۔ چنانچہ دیکھئے۔ کافروں نے گستاخی کی اور یوں کہا -

يَا أَيُّهَا الَّذِي نَزَّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرَ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ - (پطاع ۱)

"اے وہ جن پر قرآن اترا - بیشک تم مجنون ہو"

کافروں نے تمہارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے یوں کہا۔ کہ تم تو مجنون ہو۔ اب اس کے جواب میں دیکھئے۔ کیا حضور خود بولے یا خدا بولا؟ قرآن پاک شاہد ہے کہ ذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ کے مطابق اس کا جواب خدا نے خود دیا۔ اور فرمایا :-

ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ - مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٌ - (پطاع ۳)

"قلم اور ان کے لکھے کی قسم۔ تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں"

دیکھئے! اللہ تعالیٰ قسم فرما کر فرما رہا ہے۔ کہ پیارے تم مجنون نہیں۔ یہ

بے ایمان جھوٹ بولتے ہیں۔ اور پھر آگے فرمایا :-

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ بِأَبْصَارِكُمُ الْمَعْتُونِ - (پطاع ۳۴) عنقریب تم

بھی دیکھ لو گے۔ اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں کون مجنون تھا"

گویا یہ بے ایمان خود ہی مجنون ہیں۔ جو آپ کو مجنون کہہ رہے ہیں میرے عزیز و احفاد صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک حق نما آئینہ ہیں۔ اس میں ہر شخص کو اپنی ہی سیرت و صورت نظر آتی ہے۔ مجنوںوں نے حضور کو مجنون کہہ دیا۔ اور جو خود بد بخت جاہل ہیں۔ وہ حضور کے علم کا انکار کر دیتے ہیں۔ یہ جو گستاخوں نے براہین قاطعہ میں لکھ دیا ہے۔ کہ حضور کو دیوار کے پیچھے کا علم نہ تھا۔ یہ دراصل ان جاہلوں کی اپنی تصویر ہے۔ ورنہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تو خدا نے ذرہ ذرہ عیاں فرما دیا ہے۔

سریش پر ہے تری گزرا!
دل فرش پر ہے تری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شے
ہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں
حضرات! اسی طرح کافروں نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں یوں گستاخی کی۔ اور یہ کہا کہ :-

لَسْتَ مُرْسَلًا۔ (پتھ ۱۲)۔ "تم رسول نہیں"

تو اس کے جواب میں بھی حضور نہیں بولے۔ بلکہ خدا نے خود جواب دیا ہے :-

لَيْسَ۔ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ۔ (پتھ ۱۸)

اے سردار! حکمت والے قرآن کی قسم۔ بیشک تم رسولوں میں سے ہو۔

اگر سنئے! کافروں نے ایک مرتبہ یہ بات اڑا دی کہ :-

إِنَّ مَحْسَدًا وَدَعَا رَبَّهُ وَقَلَّ لَهُ۔ (روح البیان ص ۶۱ ج ۴)

تحقیق محمد کو اس کے رب نے چھوڑ دیا۔ اور دشمن بنا لیا۔

اس کو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَالضُّحَىٰ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ (پتھ ۵۸)

چاشت کی قسم، اور رات کی قسم جب وہ پردہ ڈالے۔ کہ تم کو

تمہارے رب نے نہ چھوڑا۔ اور نہ دشمن بنایا۔

دیکھ لیجئے۔ ہر مقام پر محبوب کی طرف سے خود خدا ہی بول رہا ہے اور

محبوب کی عزت و شان بڑھانے کو جب بھی کچھ ارشاد فرمایا۔ قسم فرما کر۔

میرے بزرگو! یہ جو وَالضُّحَىٰ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ "میں قسم فرمائی۔ ایک تو اس

کا یہ معنی ہے جو آپ سن چکے کہ چاشت کی، اور رات کی قسم، اور مفسرین نے اس کا ایک اور معنی بھی لکھا ہے۔ چنانچہ صاحب روح البیان نے

رُخُ النور اور زلفِ معنبر | اس کی تفسر میں ایک قول یہ نقل کیا ہے:-

اشارات است بروشنی روئے حضرت

مصطفیٰ علیہ السلام و کثایت است از سیاہی موئے وی (روح البیان ۴۶۲)

مطلب یہ کہ "والضحیٰ" سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ النور ہے اور "واللیل" سے مراد حضور کی زلفِ معنبر ہے۔ گویا خدا نے یوں فرمایا ہے:-

کہ اے محبوب، میرے اس رُخِ روشن کی قسم اور ان سیاہ زلفوں کی قسم جب کہ وہ بکھر کر چہرہ النور کو ڈھانپ لیں۔ تمہارے رب نے نہ تجھے چھوڑا۔ اور نہ دشمن بنایا۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے اسی لئے فرمایا ہے:-

ہے کلام الہی میں شمس و غمگینے تھے چہرہ نور فزا کی قسم
قسم تار میں راز یہ تھا کہ جب زلفِ دوٹا کی قسم

ایک اور شاعر لکھتا ہے:-

یوں زلف جلوہ گر ہے رخ پر عنیا کے پاس
واللیل جس طرح ہو لکھی والضحیٰ کے پاس

میرے بزرگو! اس تقریر سے ثابت ہو گیا۔ کہ ہمارے حضور

جامع الصفا | علیہ اللہ علیہ وسلم جملہ انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل

و اعلیٰ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضور کو جملہ انبیاء کرام کا سردار و سلطان بنایا ہے۔ خوب یاد رکھئے۔ ہر نبی کو جو جو کمالات و فضائل انفرادی طور پر عطا ہوئے۔ وہ سب کے سب فضائل و کمالات ہمارے حضور میں جمع فرمائیے گئے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ

وَلِكُلِّ نَبِيٍّ فِي الْأَنْبِيَاءِ فَضِيلَةٌ، وَجَمَلَتُهَا مَجْمُوعَةٌ لِمُحَمَّدٍ

یعنی ہر نبی کے لئے جو جو فضائل و کمالات حاصل ہیں۔ وہ سب کے سب ذات جامع الصفات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع ہیں۔

ایک مثال

ایک مثال عرض کروں۔ دیکھئے آپ نے چند رقمیں جمع کرتی ہوں۔
مثلاً ۲۰-۱۸-۱۵-۱۰۔ یہ رقمیں آپ جمع کرنا چاہتے ہوں۔ تو

اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ ان رقموں کو حسبِ ذیل صورت میں اوپر سے نیچے لکھیں گے۔

$$\begin{array}{r} 20 \\ 18 \\ 15 \\ 10 \\ \hline \end{array}$$

پھر ان کو جمع کر کے جو ٹوٹل بنے گا۔ اس رقم کو آپ ان سب رقموں کے نیچے لکھیں گے۔ یعنی ان سب رقموں کا ٹوٹل "۶۳" ہے۔ اور یہ رقم آپ سب رقموں کے نیچے بائیں صورت لکھیں گے۔

$$\begin{array}{r} 20 \\ 18 \\ 15 \\ 10 \\ \hline 63 \end{array}$$

اب غور فرمائیے۔ کہ ٹوٹل کی رقم "۶۳" بھی ایک رقم ہی ہے اور سب سے آخر لکھی گئی ہے۔ مگر حقیقت میں اوپر کی تمام رقمیں اسی ایک رقم میں موجود ہیں۔ اسی طرح انبیاء سابقہ علیہم السلام اپنے اپنے وقتوں میں تشریف لائے۔ اور علی الاغراض سب نے اللہ سے مختلف اوصاف و کمالات پائے۔ اور پھر خدا نے ان جملہ اوصاف و کمالات کو جس وجود باجود اور ہستی مسعود میں جمع فرمایا۔ اس کا نام "مُحَمَّدٌ" رکھا۔ اور بہمال آب و تاب اس وجود گرامی سے اہل زمین کو مشرف فرمایا۔ یہ ذات گرامی جمیع اوصاف و کمالات کی جامع بن کر تشریف لائی۔ اور چونکہ جیسے کہ آپ سن چکے۔ ٹوٹل کی رقم سب رقموں کے بعد لکھی جاتی ہے۔ اسی واسطے اس جامع کمالات ذات با برکات کو سارے انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد بھیجا گیا۔ اور دیکھنے میں تو حضور بھی دوسرے انبیاء کی طرح ایک نبی و رسول ہیں۔ مگر حقیقت میں پہلے تمام انبیاء و رسل کے تمام اوصاف و کمالات اسی ایک وجود باجود میں موجود ہیں۔ صفوتِ آدم۔ شوکتِ نوح۔ خلقتِ ابراہیم۔ صبرِ ایوب۔ خوفِ یحییٰ۔ شکوہ

سلیمان - حسن یوسف - جلالِ موسیٰ - اور تواضعِ عیسیٰ علیہم السلام کی جامع یہی ذات منبع البرکات ہے۔ میں نے اپنی ایک تضمین میں لکھا ہے:۔
 حسن یوسف کا ہوا ایک جہاں میں چرچا
 اک نظر جس پہ پڑی اس پہ ہوا غش طاری
 حضرت روح نے مردوں کو کیا ہے زندہ!
 تم کہا جس کو حیات اس میں ہوئی ہے ساری
 اور موسیٰ نے خدا سے یدِ بیضا پایا!
 نور کے چشمے ہوتے ٹھٹھ سے ان کے جاری!
 سامنے آئی جو تصویرِ محمدؐ میرے!
 خوبیاں اس میں نظر آئیں یہ مجھ کو ساری
 ہوش کھو بیٹھا بشر اس کا نظارہ کر کے
 بے خودی ہیں یہ ہوا شکر زباں پر جاری

حَسَنِ یُوسُفَ دَمِ عِیْسَى یَدِ بَیضَا دَارِی!
 آنچہ خوبیاں ہمہ دارند تو تنہا داری!

حضرات! آپ نے سن لیا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کس قدر بلند شان ہے۔ اتنی بلند کہ۔

بَعْدَ از خِدا بزرگ تُوئی قِصَّہٴ مَحْتَمِر

مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر بلند شان ہونے کے باوجود سرکار کی تواضع ملاحظہ فرمائیے۔ کہ کسی قسم کے فخر و غرور کا نام تک نہیں۔ بلکہ جب بھی کبھی اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کے مطابق اپنے فضائل بیان فرماتے۔ تو ساتھ ہی وَلَا فَخْرَ فرما دیا۔ اور حضور کی یہ تواضع مبارک بھی ہمارے لئے ایک مشعلِ ہدایت ہے۔ آج کسی کو ذرا سا بھی کوئی عہدہ مل جائے۔ تو اس کا دماغ آسمان سے بائیں کرنے لگتا ہے اور وہ غریبوں

کو کچھ سمجھتا ہی نہیں۔

اگر کوئی شخص ڈی۔ سی سے بھی مل آئے۔ تو اس کے قدم زمین پر نہیں جتتے۔ اور وہ گویا زمین کا باشندہ ہی نہیں رہتا۔ پھر کسی غریب سے گفتگو کیسے کرے؟ مگر زبان جاہلیں تو واضح مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ شب کو خدا سے بھی مل آئے۔ مگر دن کو اپنے غلاموں سے اسی شفقت کے ساتھ گفتگو فرمائی جا رہی ہے۔ میرے دوستو! آؤ۔ اور اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ سے سبق حاصل کرو۔ اور اپنے اخلاق کو سنوار لو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ کا نقشہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں بیان فرمایا ہے۔ اسے سنو۔ اور اپنے دین و دنیا کو اچھا بنا لو۔ مولانا فرماتے ہیں۔

درہمہ احوال و افعال لے فتا!

قبلہ خود ساز خلق مصطفیٰ

کہ تو واضح پیشہ بودے ہر زماں

ان خوردے ہر زماں چوں بندگاں

از تو واضح آن رسول حق پرست

جملہ کار خانہ خود کرے بدست

خانہ رفتے گاؤ را دادے علف!

ہر زماں از کبر بودے ہر طرف

بیتے لے جوان! ہر وقت اخلاق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش نظر

رکھ! حضور نے ہر وقت تو واضح اختیار فرمائی۔ آپ زمین پر تشریف فرما ہو کر

تو واضح کے ساتھ کھانا تناول فرماتے تھے۔ اور گھر کا سارا کام خود اپنے ہاتھ

مبارک سے کر لیتے تھے۔ گھر تشریف لاتے تو گائے کو چارہ بھی خود ہی ڈالتے

اور کبر و غرور سے ہر وقت آپ کنارہ کش رہتے تھے۔ آگے فرمایا:۔

ہر کرا ہمیساری بودے چناں!

کہ ازو پرہیز کردے جہاں!

مصطفیٰ با او بہم خوردے طعام

بود زیں شتاں حال آن خیر الا نام

یعنی کسی شخص کو اگر ایسی بیماری لگ جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے سب لوگ اس سے الگ ہو جاتے تھے۔ تو حضور اس آڑے وقت میں اس بے کس و بے یار بیمار کے ساتھ تشریف فرما ہو کر کھانا تناول فرماتے تھے۔

حضرات! دیکھا آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع شریف کو کہ مرتبہ اس قدر بڑا کہ بڑے بڑے رسولوں کے بھی سردار ہیں اور تواضع اس قدر کہ غریبوں سے غریب تر شخص سے بھی محبت و شفقت فرمائی جاتی ہے۔ ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم بھی اپنے آقا و مولے صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ کو پیش نظر رکھیں۔ اور مسلمان بن کر جس۔ اور مسلمان ہی رہ کر مریں۔

وَأَعْرِضْ عَنَّا إِنَّا كَرِيمٌ
وَالْعَالَمِينَ

پُرُو تَقَا وَتَحَطَّ

رَحْمَتِ عَالَمٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ وَالصَّلَاةُ
وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ

اَمَّا بَعْدُ

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمَا أَسْأَلُكَ إِلَّا حَيَاتِي لِقَوْلِكَ

” اور تم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے “

حضرات! — آج میں آپ کے سامنے حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت کے متعلق کچھ بیان کرنے کو حاضر ہوا ہوں۔ اسی واسطے میں نے قرآن کریم کی ایک ایسی آیت پڑھی ہے۔ جس میں اللہ نے اپنے محبوب پاک کی رحمتِ عامہ کا ذکر فرمایا ہے۔ خدا اپنے محبوب سے خطاب فرما کر فرماتا ہے کہ پیارے! ہم نے آپ کو ”رحمت للعالمین“ بنا کر بھیجا ہے۔ میرے بھائیو! اس آیت میں اس لفظ ”عالمین“ کو سامنے رکھئے۔ اور پھر سورہ ناسخہ کو پڑھئے۔ اس کی پہلی آیت یہ ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ — سبب تعریفیں اس اللہ

کے لئے ہیں۔ جو سارے جہانوں کا رب ہے۔
 دیکھ لیجئے! یہاں بھی وہی "عالمین" کا لفظ ہے۔ جو وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا
 رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ میں ہے۔ گویا خدا فرماتا ہے۔ کہ میں "رب العالمین" ہوں۔
 اور میرا محبوب "رحمۃ للعالمین" ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ "عالمین" کا معنی کیا ہے؟ تو میرے دوستو۔
عَالَمِينَ جمع عالم کی ہے۔ اور عالم کا معنی ہے۔ مَا يَعْلَمُ بِهِ
 الشَّيْءُ۔ ایسی چیز جس سے دوسری چیز کا علم حاصل ہو جائے۔ چونکہ دنیا کی
 ہر چیز اپنے خالق کا پتہ دے رہی ہے اور بقول شاعر سے
 ہر گیا ہے کہ از زہیں روئد!
 وحدہ لا شریک مے گوید!

ہر گھانس بھی جو زمین سے اگتی ہے۔ وہ زبانِ حال سے اس امر کا
 اعلان کرتی ہے۔ کہ میرا خالق وحدہ لا شریک ہے۔ اس لئے دنیا کو عالم
 کہتے ہیں۔ اور عالم کا اطلاق خدا کی ذات و صفات کے سوا ہر موجود و
 مخلوق پر ہوتا ہے۔ اور خدا کی بشمار مخلوق کے اعتبار سے عالم کی کئی
 قسمیں ہیں۔ عالم مجردات۔ یعنی وہ چیزیں جو جسم عنصری، اور جسم سماوی
 سے بری ہیں۔ اور ہمیں بسبب لطافت کے نظر نہیں آتیں۔ جیسے کہ
 روح اور فرشتے۔ اور عالم جسمانیات یعنی ایسی چیزیں جو جسم رکھتی ہیں۔ پھر
 اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ عالم علویات۔ یعنی وہ جن کا تعلق بلندی
 سے ہے۔ مثلاً آسمان۔ آفتاب۔ چاند۔ ستارے وغیرہ، اور عالم سفلیات
 یعنی وہ چیزیں جن کا تعلق پستی سے ہے۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ عالم
 لطیفات یعنی وہ چیزیں کہ جو بسبب لطافت دکھائی نہیں دیتیں جیسے
 ہوا وغیرہ۔ عالم کثیفات۔ پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ عالم مفردات۔
 جیسا کہ پانی اور خاک۔ عالم مرکبات۔ پھر اس کی چار قسمیں ہیں۔ عالم
 کائنات جو۔ یعنی وہ چیزیں جو زمین سے اوپر اوپر ہیں۔ جیسا کہ ابر۔
 اولیٰ۔ قوس و قزح وغیرہ۔ دوم عالم جمادات یعنی پہاڑ اور دیگر معدنیات

چاندی۔ سونا۔ ہیرا۔ بلور وغیرہ۔ سب عالم نباتات یعنی درخت اور گھاس
و جڑی بوٹیاں وغیرہ۔ چہارم عالم حیوانات۔ یعنی انسان۔ گدھا۔ گھوڑا۔
درند۔ چرند۔ جاندار چیزیں۔ دریا کی ہوں یا خشکی کی۔ اس عالم حیوانات میں
سب سے افضل و اشرف انسان ہے۔ الغرض اللہ کی مخلوق کے
ہمت سے عالم ہیں۔ جن کا حقیقی علم مَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ کے مطابق
اللہ ہی کو ہے۔ تو لفظ "عالمین" جمع ہے عالم کی۔ جس کا معنی ہے سارے
عالم۔ تو الحمد للہ رب العالمین کا معنی یہ ہوا کہ سب تعریف ہے اس
اللہ کے لئے جو سارے عالموں کا پالنے والا ہے۔ کوئی بھی تو اسکی مرہوبیت
سے محروم نہیں۔ بلکہ ہر ذرہ ہر قطرہ اور ہر پتہ اس کی مرہوبیت سے مستفید
ہو رہا ہے۔ چنانچہ ایک شاعر نے کیا اچھا لکھا ہے وہ کہتا ہے

آسیہ کہتی ہے ہر روز باواز بلند ! !
رزق سے بھرتا ہے رزاق دہن پتھر کا

چکی کی آواز

آسیہ چکی کو کہتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے۔ جب چکی چلتی ہے۔ تو اس کی
آواز ایک حقیقت کا اعلان کرتی ہے۔ اور وہ یہ کہ اے سننے والو !
خدا کی شانِ مرہوبیت و رزاقی کا نظارہ دیکھو۔ کہ میں ایک پتھر ہوں۔ مگر
اس کی رزاقی و مرہوبیت کا یہ عالم ہے۔ کہ ہر روز وہ مجھ جیسے پتھر کا منہ
بھی گندم سے بھرتا ہے۔ سبحان اللہ! کیا اچھی بات کہی۔ واقعی وہ رب
العالمین ہے۔ اور عالم کا ذرہ ذرہ اس کا مرہوب ہے۔

میرے بزرگو! جب آپ کو اس لفظ "عالمین" کی وسعت کا پتہ چل گیا۔ کہ
یہ لفظ اس قدر وسیع اور عام ہے۔ کہ مخلوق کا ہر ذرہ اس کے اندر موجود ہے
تو اب اس آیت کو جو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت
بیان کرنے کیلئے پڑھی ہے سامنے رکھیے۔ اور دیکھئے کہ خدا تعالیٰ نے کیا
فرمایا ہے؟ ارشاد ہوتا ہے:-

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ط۔ یعنی اے محبوب! ہم
نے آپ کو سارے عالموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

گویا: اے پیارے! میں اگر سارے عالموں کا رب ہوں۔ تو تو سارے
عالموں کے لئے رحمت ہے سہ

حق تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے تو!

سارے عالم کیلئے رحمت ہے تو

حضرات! "الحمد لله رب العالمین" اور "وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ"

ان دونوں آیتوں کے پیش نظر ثابت ہوا۔ کہ جس قطرے۔ جس ذرے۔ اور
جس پتے کے لئے اللہ رب ہے۔ اس قطرے، اس ذرے اور اس پتے کے
لئے حضور رحمت ہیں۔ گویا جس شے کو خرا کی ربوبیت درکار ہے۔ اسے مصطفیٰ
کی رحمت کی بھی احتیاج ہے۔ اور جو شخص یوں کہے۔ کہ میں رحمت مصطفیٰ
کا محتاج نہیں ہوں۔ اس کو چاہئے۔ کہ وہ یوں بھی کہہ دے۔ کہ میں
ربوبیت خدا کا بھی محتاج نہیں۔

حضرات! حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی رحمت عامہ کے

متعلق کچھ بیان کرنے سے قبل چند تمہیدی کلمات

تمہیدی کلمات

سن لیجئے۔ ماں باپ بچے کی پرورش کرنے والے ہوتے ہیں۔ قرآن پاک میں
اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کو بچے کا رب فرمایا ہے۔ "كَمَا رَبَّيْتَنِی صَغِيرًا۔ یہ
آیت اس امر پر شاہد ہے۔ رب کہتے ہیں۔ پالنے والے کو۔ تو چونکہ ماں باپ
بچے کو پالتے ہیں۔ اس لئے انہیں رب فرمایا گیا ہے۔ اب آپ سوچئے کہ ماں
جو بچے کو پالتی ہے۔ تو کس قدر محنت و شفقت کے ساتھ۔ اور اپنی تکلیف کی
بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے بچے کی پرورش کا خیال رکھتی ہے۔ اپنا چین۔ سکھ
آرام۔ نیند۔ بھوک۔ پیاس سب کچھ بچے پر قربان کر دیتی ہے۔ آپ جانتے
ہیں۔ کہ ماں میں یہ جذبہ کیونکر پیدا ہوتا ہے۔ بات یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے
ماں کے دل میں بچے کے لئے رحمت پیدا فرمادی ہے۔ یہ اس رحمت مادر
کا کرشمہ ہے۔ کہ ماں ہر تکلیف کو برداشت کرتی ہے۔ مگر بچے کی پرورش
میں کوتاہی نہیں کرتی۔ گویا ماں کی "ربوبیت" کا اظہار اسی "رحمت" سے
ہوتا ہے۔ اگر ماں کے دل میں اس بچے کے لئے رحمت نہ ہوتی۔ تو ماں

کبھی بچے کی پرورش نہ کرتی۔ ماں چونکہ اپنے دل میں اپنے بچے کے لئے بے پناہ پیار و رحمت پاتی ہے۔ اس لئے اس کی پرورش کرتی ہے۔ ماں کا دل بچے کے لئے مخزنِ رحمت ہے۔ اور ماں کا دل بچے کی تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتا۔

ماں کا دل

چنانچہ "رحمتِ قلبِ مادر" کی تشریح کے لئے ایک قصہ ہے۔ کہ ایک "اپ ٹوڈ پیٹ لڑکی کا ایک اپ ٹوڈ پیٹ لڑکے کے ساتھ بیاہ ہو گیا۔ لڑکے کی صرف ایک بوڑھی ماں موجود تھی۔ اور کوئی اس کا عزیز و رشتہ دار نہ تھا۔ اور آجکل رشتے میں دیکھا بھی اسی بات کو جانا ہے۔ کہ لڑکی وہاں دی جائے۔ جہاں لڑکے کا کوئی رشتہ دار موجود نہ ہو۔ نہ اس کی ماں ہو۔ نہ کوئی بہن، نہ بھائی۔ نہ کوئی اور عزیز۔ گویا لڑکا سب کو کھاپی چکا ہو۔ اور اکیلا گھر ہو۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے۔ کہ جب تم رشتہ کرنے لگو۔ تو کوئی حسن و جمال دیکھتا ہے۔ اور کوئی جاہ و جلال۔ مگر فَاطِمَةُ بِنَاتِ الدِّیْنِ۔ تم سب سے پہلے دین کو دیکھو کہ لڑکی اور لڑکے میں دین بھی ہے یا نہیں؟ یہ تو ہے ارشاد ہمارے آقا و مولے صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ کہ روایت یہ کہتا ہے۔ کہ پہلے یہ دیکھو کہ لڑکا جنٹلمین ہے یا نہیں؟ وارڈھی موچھ کا دشمن ہے یا نہیں؟ کھڑے ہو کر مومتا ہے یا نہیں۔ لڑکی سرخی و پوڈر کی دلدادہ ہے یا نہیں؟ ٹیڑھی مانگ کی شوقین ہے یا نہیں؟ ڈانس اور گانے میں طاق ہے یا نہیں۔ بزرگو! اب وہ زمانہ کہاں؟ جبکہ لڑکی کا باحیا ہونا اور قرآن خوان و نمازی ہونا دیکھا جاتا تھا۔ اب تو امیر گھرانوں میں لڑکیوں کو باقاعدہ ناچنے اور گانے کی تعلیم دی جاتی ہے اور جو لڑکی ناچنے گانے میں ماہر ہو۔ اسے معیاری قرار دیا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ ان گرامیوں سے محفوظ رکھے۔ ذرا سوچئے تو۔ جو لڑکی باجی آہنگی وہ سسرال والوں کو آکر کیوں نہ نچائے گی۔ آہ! اس زمانہ نے ترقی کے نام سے کیا کیا گرامیاں پیدا کر دیں۔ خوب یاد رکھئے۔

چار چیزیں چاہئیں از بہر زن!

چکی، چوٹھا اور چادر، پیرہن

مگر اب یہ باتیں کہاں؟ اب تو "ناچنا، گانا و عریانی" تن کا تماشا نظر آتا ہے۔ ہاں تو ایک ایسے ہی آپ ٹوڈیٹ لڑکے سے ایک آپ ٹوڈیٹ لڑکی کا بیاہ ہو گیا۔ لڑکے کی صرف ایک ماں ہی تھی۔ اور کوئی عزیز نہ تھا۔ تازہ شادی تھی۔ اور دونو میاں بوی نیشن ایبل تھے۔ اور دین سے بے پرہ۔ لڑکی نے جو سسرال میں قدم رکھا۔ تو بوڑھی ساس کو گھر میں بیٹھے ہوئے دیکھ کر پریشان ہوئی۔ کہ میں نے تو سنا تھا۔ کہ گھر اکیلا ہے۔ میاں تنہا ہیں۔ مگر یہ بڑھیا کہاں سے آٹھکی؟ چنانچہ شب کو پہلی ملاقات میں اپنے شوہر سے کہنے لگی: دیکھتے اگر واقعی آپ کو مجھ سے محبت ہے۔ جیسے کہ آپ ظاہر کر رہے ہیں تو سنئے۔ میں نے آپ کی خاطر اپنی ایک ماں۔ ایک باپ۔ تین چچا۔ تین پھوپھا۔ دو خالو۔ پانچ بھائی اور چار بہنیں چھوڑیں۔ ان سب عزیزوں کو صرف آپ کی خاطر چھوڑا۔ اور آپ کے پاس آگئی۔ اب آپ کو بھی اگر مجھ سے پیار ہے۔ تو میری خاطر آپ صرف ایک عدد اپنی اس بڑھیا ماں کو چھوڑ دیجئے۔ اور اسے گھر سے نکال دیجئے۔ میاں نے یہ سنا تو اس کی محبت میں اندھا ہو کر کہنے لگا۔ واہ! یہ بھی کوئی بڑی بات ہے صبح ہی لو۔ میں بڑھیا کو گھر سے نکال دوں گا۔ چنانچہ صبح اس نے واقعی اپنی بوڑھی ماں سے کہا کہ اماں اس دوسرے محلہ میں ہمارا جو مکان ہے۔ آج سے تم وہاں رہا کرو۔ تمہیں وہیں روٹی بھجوا دیا کروں گا۔ بوڑھی ماں سمجھ گئی۔ کہ میرا بیٹا اپنی بی بی کے پیچھے چرٹھ گیا ہے۔ بولی اچھا بیٹا! جہاں کہو رہنے کو تیار ہوں۔ اور بہر حال تمہارے لئے میری تو یہی دعا رہے گی۔ کہ خدا تجھے کوئی تکلیف نہ دکھائے۔

اسی دن ماں کو دوسرے مکان میں بھیج دیا گیا۔ آٹھ دن گزرے۔ تو ایک شب پھر وہ خونخوار عورت اپنے شوہر سے کہنے لگی۔ یہاں نے سنا ہے۔ آپ اپنی بڑھیا ماں سے ملنے جاتے اور اسے بہت کچھ کھلاتے پلاتے

ہیں۔ دیکھئے اگر واقعی آپ میرے عشق میں سچے ہیں۔ تو اندھیری رات ہے کسی کو کیا علم۔ یہ لیجئے خنجر! اور میری خاطر اپنی ماں کو قتل کر آئیے۔ میاں اس قدر بے دین نکلا۔ کہ بولا۔ جان من! تیری خاطر مجھے یہ بھی منظور ہے۔ دیکھو سونا مت۔ میں ابھی ماں کو قتل کر کے آیا۔ بیوی نے کہا۔ مگر میرے اطمینان کے لئے کہ واقعی آپ ماں کو قتل کر آئے ہیں۔ قتل کرنے کے بعد اس کا دل میرے پاس لے آنا۔ میاں نے کہا۔ بہت اچھا۔ یہ کہا اور خنجر لے کر ماں کے مکان میں گیا۔ بڑھیا بچاری بے خبر سو رہی تھی۔ نالائق بیٹے نے اپنی ماں کو سوتے میں خنجر گھونپ دیا۔ بڑھیا سوتی کی سوتی رہ گئی۔ اس بے دین نے پھر ماں کا دل نکالا۔ تاکہ اسے اپنی بیوی کے پاس دکھائے کو لے چلے۔ اور اسے خوش کر سکے۔ رات اندھیری تھی۔ راستے میں ایک جگہ ٹھوکر لگی۔ تو وہ نالائق بیٹا منہ کے بل گر پڑا۔ ماں کے دل سے آواز آئی۔

”بیٹا چوٹ زیادہ تو نہیں آئی؟“

اس آواز کو سن کر اب اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اور اسکی آنکھیں کھلیں۔ کہ میں نے یہ کیا ظلم کیا کہ اس قدر رحمدل اور مہربان ماں کو قتل کر دیا۔ جس کے دل سے قتل ہو جانے کے بعد بھی میری محبت نہیں نکلی۔ میرے بھائیو! دیکھا آپ نے ماں کی محبت کو۔!

ماں سے کبھی زیادہ شفیق اور یاد رکھیے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے ساتھ ماں سے بھی زیادہ

شفقت و محبت ہے۔ چنانچہ قبر میں جب ماں باپ بھی تنہا چھوڑ جاتے ہیں۔ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں۔ اور اپنے غلاموں کو اپنی آغوش رحمت میں لے لیتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔ ماں جب اکلوتے کو چھوٹے کا کہہ کے بلاتے یہ ہیں!! باپ جہاں بیٹے سے بھاگے۔ لطف و ماں فرماتے یہ ہیں۔ مرقد میں بندوں کو تھپک کر۔ بیٹھی بند سلالتے یہ ہیں۔

لاکھوں بلائیں کروڑوں دشمن
 کون بچائے بچاتے یہ ہیں
 کہہ لا الہ الا اللہ

تینوں کتلیاں گھر تھیں کٹن گے اتے وچہ زمین دے گڈن گے وچہ جنگل جا کے چھڈن گے
 کہہ لا الہ الا اللہ ہیں محمد پیارے رسول اللہ
 ایتھے ڈاڈھی جان اج بھاتی آ ایتھے کوئی نہ سنگی ساکھی آ ایتھے کسے نہ پائیں جھاتی آ
 کہہ لا الہ الا اللہ ہیں محمد پیارے رسول اللہ
 پراوہ کملی والا آوے گا وچہ کملی آن چھپاوے گا ہر دکھ تھیں آن بچاویگا
 کہہ لا الہ الا اللہ ہیں محمد پیارے رسول اللہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت قبر میں بھی ہمارے کام آئے گی
 اور کل قیامت کے دن بھی جبکہ ماں باپ اپنے بیٹے کو بھول جائیں گے حضور
 صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی رحمت ہماری بگڑی کو بنائے گی۔ سب نفسی نفسی
 کہہ رہے ہونگے۔ مگر حضور امتی امتی فرماتے ہوں گے۔ خدا کی قسم اگر حضور کی
 رحمت نہ ہو۔ تو ہم میں سے کوئی بھی عذاب الہی سے نہ بچے۔ یہ حضور ہی
 کی رحمت کا صدقہ ہے۔ کہ ہم مامون و محفوظ ہیں۔

عصیاں سے کبھی ہم نے کنارہ نہ کیا!
 پر تو نے دل آزرده ہمارا نہ کیا!
 ہم نے تو جہنم کی بہت کی تجویز
 لیکن تری رحمت نے گوارا نہ کیا

حضرات! تقریر سابق سے معلوم ہوا کہ ماں کی "ربوبیت" کے
 اظہار کے لئے پہلے "رحمت" کا ہونا ضروری ہے۔ اگر رحمت نہ

ہو تو ربوبیت بھی نہ ہو۔ بلا تشبیہ خداوند کریم جو رب العالمین ہے۔ سارے
 جہانوں کا پرورش کرنے والا ہے۔ اس نے اپنی "ربوبیت" کے اظہار کے لئے
 سب سے پہلے "رحمتہ للعالمین" کو پیدا فرمایا۔ اگر رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

پیدا نہ فرمائے جانے تو خدا کی "ربوبیت" کا کبھی اظہار نہ ہوتا۔ اور اگر خدا کی "ربوبیت" کا اظہار نہ ہوتا۔ تو پھر کچھ بھی نہ ہوتا۔ زمین و آسمان۔ قرش و قریش جملہ کائنات خدا کی مخلوق و مرلوب ہے۔ اگر خدا اپنی ربوبیت ظاہر نہ فرماتا۔ تو ان میں سے کوئی چیز بھی نہ ہوتی۔ اور یہ ربوبیت کبھی ظاہر نہ ہوتی۔ اگر پہلے رحمتہ للعالمین نہ ہوتے۔ تو گویا اگر حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے۔ تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے کہ

وہ جو نہ بھٹے تو کچھ نہ بقاء وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

جان میں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

اور یہ بات کہ ساری مخلوق سے پہلے اللہ نے حضور کو پیدا فرمایا۔ حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ

میں نے حضور سے سوال کیا۔ حضور سے پہلے اللہ نے فرماتے ہیں۔ میں نے حضور سے سوال کیا۔ حضور سے پہلے اللہ نے

نے کس چیز کو بنایا؟ تو حضور نے ارشاد فرمایا :-

يَا جَابِرُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ قَبْلَ الْأَشْيَاءِ نُورَ نَبِيِّكَ مِنْ نُورِهِ وَ لَمْ يَكُنْ فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ كَوْمٌ وَ لَا قَلْبٌ وَ لَا جَسَدٌ وَ لَا نَارٌ وَ لَا مَلَكٌ وَ لَا سَمَاءٌ وَ لَا أَرْضٌ وَ لَا شَيْءٌ وَ لَا نَسْرٌ وَ لَا جَنٌّ وَ لَا إِنْسٌ — — — رَحْمَةً عَلَى الْعَالَمِينَ (مسلم)

اے جابر! تحقیق اللہ تعالیٰ نے ہر شے سے پہلے تمہارے نبی (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا اور اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم نہ جنت تھی نہ دوزخ نہ کوئی فرشتہ بقاء نہ آسمان اور نہ زمین۔ نہ سورج بقاء نہ چاند اور نہ

کوئی جن بقاء نہ انسان

معلوم ہوا کہ ہر شے سے پہلے حضور ہی کو پیدا فرمایا گیا۔ اور اگر اللہ

حضور کو پیدا نہ فرماتا تو رحمت نہ ہوتی۔ اور پھر خدا کی ربوبیت کا اظہار بھی نہ

ہوتا۔ اور خدا کی ربوبیت اگر نہ ہوتی۔ تو پھر دنیا و مافیہا کچھ بھی نہ ہوتا۔ اسی لئے حدیث شریف میں وارد ہے کہ خدا فرمانا ہے:-

”لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الدُّنْيَا — پیارے اگر تم نہ ہوتے۔ تو دنیا

بھی میں پیدا نہ کرتا۔“ رواہ ابن عساکر حجتہ اللہ علی العالمین ص ۲۹

تو یہ بات ظاہر و ثابت ہو گئی۔ کہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی سنی طفیل یہ سارا عالم ہے۔ اور آپ ہی کے صدقہ میں ہر وجود کو ہر نعمت پھیر ہوتی ہے۔ میں نے ایک نظم میں لکھا ہے

تیرے صدقہ میں ہیں ہم کو یہ جانیں اپنی!

جانِ جاں تم پہ ہوں صدقے یہ ہماری جانیں

اسی حقیقت کا اظہار فارسی کے ان اشعار میں بھی ہے

توئی کہ منطلق احسان و مظہر جودی : کہ کن فکاں ز تو دارند نام موجودی

دریں ضیافت ہستی بخوانِ خود و کرم : ہمہ طفیلِ تواند و توئی مقصودی

ہنوز آدم و عالم نبود نام و نشان : کہ در سراچہ وحدت جلیس حق بودی

انبیاء کرام علیہم السلام میرے بزرگو! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی رحمت سے سلسلہ انبیاء بھی جاری ہوا۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں

ترا قد مبارک گلبنِ رحمت کی ڈالی ہے

تجھے بو کر بنا اللہ نے رحمت کی ڈالی ہے

اس شعر میں لفظ ”ڈالی“ کو اعلیٰ حضرت نے خوب نبھایا ہے۔ پہلے لفظ ”ڈالی“

سے مراد ”شاخ“ ہے، اور دوسرے لفظ ”ڈالی“ سے مراد بہارِ رحمت کا ڈالنا ہے

آپ فرماتے ہیں۔ کہ حضور کا وجود باوجود رحمت کی ایک شاخ ہے۔ اور نبوت

کے سلسلہ رحمت کی بنا اللہ نے حضور کے وجود باوجود سے ہی ڈالی ہے۔

حضور ہی اس سلسلے کے اول ہیں۔ اور میرے بزرگو! اس سلسلہ کے آخر بھی

حضور ہی ہیں۔ گویا یہ سلسلہ حضور ہی سے شروع ہوا۔ اور حضور ہی پر آ کر

ختم ہو گیا۔ دیکھ لیجئے۔ دائرہ کھینچنے کے وقت جس نقطہ سے دائرہ کی ابتداء

جس جگہ سے ہوتی ہے۔ اس دائرہ کی تکمیل بھی اسی جگہ پر آ کر ہوتی ہے

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود سے یہ دائرہ نبوت شروع کیا گیا۔ اور جب یہ دائرہ اسی وجود باجود تک پہنچا۔ تو وہاں پہنچکر ختم بھی ہو گیا۔ اس لئے کہ اس کی تکمیل ہو گئی۔ اسی لئے ارشاد ہوا کہ -
 الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ۔ آج کے دن تمہارا دین میں نے کامل کر دیا۔
 اس حقیقت کے پیش نظر خود ہی غور فرما لیجئے۔ کہ جب دین کامل اور دائرہ نبوت مکمل ہو گیا۔ تو قادیانی متنبی کے لئے اس دائرہ نبوت کے اندر آنے کی جگہ ہی کب باقی رہ گئی ہے۔ جو اُسے بھی نبی تسلیم کر لیا جائے۔
 (استغفر اللہ العظیم)

حضرات! ماں کی پرورش اور اس کی رحمت کی مثال

ایک دوسری مثال

سے آپ معلوم کر چکے۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ رحمت للعالمین ہیں۔ اس لئے آپ ساری مخلوق سے پہلے پیدا کئے گئے۔ اگر آپ کا وجود یا جود نہ ہوتا۔ تو خدا کی ربوبیت کا بھی اظہار نہ ہوتا۔ اس حقیقت کو ایک دوسری مثال سے بھی سمجھئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہان کے لئے اللہ کی رحمت ہیں۔ اور اللہ کی رحمت کا ہر کوئی محتاج ہے کیوں دوستوں! کوئی شخص جو یہ کہہ سکے۔ کہ میں اللہ کی رحمت کا محتاج نہیں ہوں۔ تو یہ تو بے ایمان ہے ایمان ہی ایسا کہے گا۔ ہمارا تو سب کا ایمان ہے کہ ہم سب اللہ کی رحمت کے محتاج ہیں۔ محتاج بھی ہیں۔ اور اس سے امید وار بھی ہیں اللہ کی رحمت سے یہ کیا کچھ نہیں مل سکتا۔ سب کچھ ملتا ہے۔ اسی لئے اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے۔ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَتِي اللَّهُ۔ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ۔ اور اسی واسطے در رحمت پر ہماری یہی دعا ہے کہ سب

نگاہِ لطف کے امیدوار ہم بھی ہیں

ہمارے دستِ تمنا کی لاج بھی رکھنا

تمہاری ایک نگاہِ کرم میں سب کچھ ہے

پڑے ہوئے تو سر رہگذار ہم بھی ہیں

جب یہ ثابت ہوا کہ حضور سارے جہان کے لئے رحمت ہیں۔ اور رحمت کا ہر کوئی محتاج ہے۔ تو ثابت ہوا کہ ہم سب محتاج ہیں۔ اور حضور محتاج العیوب ہونا

رومی فرماتے ہیں کہ

زمین سبب فرمود حق صلوٰ علیہ کہ محمد پور محتاج الیہ
یعنی اللہ نے اسی لئے ہمیں فرمایا ہے۔ کہ حضور پر صلوٰۃ و سلام پڑھو۔ کیونکہ
ساری دنیا محتاج ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ و سلم محتاجوں کی جلتے پناہ۔
میرے بزرگو! اب خدا دنیا کی دوسری چیزوں کی طرف نظر دوڑاؤ۔ انسان کو
پانی کی بھی احتیاج ہے۔ آگ کی بھی، اور ہوا کی بھی۔ اور اسی طرح زمین کی
بھی احتیاج ہے۔ اور دیکھ لو۔ ہر وہ چیز جس کی انسان کو احتیاج ہے۔ خدا نے
انسان سے پہلے ان سب کی تخلیق فرمائی ہے۔ یعنی اس آگ۔ ہوا۔ پانی۔ اور
زمین کو انسان سے پہلے پیدا فرما دیا گیا۔ تاکہ انسان دنیا میں آئے۔ تو اس کی
ضرورت کی چیزیں پہلے ہی سے اس کے لئے موجود ہوں۔ گویا خداوند کریم نے جو
انسان کا رب حقیقی ہے۔ انسان کی ہر محتاج الیہ چیز کو انسان سے پہلے پیدا
فرما دیا ہے۔ جہاں سید اب اس قاعدہ کے پیش نظر حضور صلی اللہ علیہ و سلم
کو دیکھو۔ حضور صلی اللہ علیہ و سلم رحمۃ للعالمین ہیں۔ آپ کا وجود دنیا کی ہر
شے کے لئے رحمت ہے۔ گویا دنیا کی ہر شے زمین ہو یا آسمان۔ پانی ہو یا ہوا۔
کائنات کی کوئی چیز بھی ہو۔ ہر چیز کے لئے حضور رحمت ہیں۔ اور یہ آپ معلوم
کر چکے۔ کہ رحمت کا ہر کوئی محتاج ہے۔ تو گویا دنیا کی ہر شے حضور کی محتاج
ہوئی۔ اور آپ ہر شے کے لئے محتاج الیہ۔ اور یہ بھی آپ معلوم کر چکے۔ کہ
خدا تعالیٰ اپنی مخلوق کی محتاج الیہ چیز کو پہلے پیدا فرما دیتا ہے۔ تو ساری مخلوق
کی چونکہ محتاج الیہ حضور ہی کی ذات ہے۔ اس لئے ساری مخلوق سے پہلے
اللہ نے حضور ہی کو پیدا فرمایا۔

یہاں ایک اور بات بھی حل ہو گئی۔ فلسفی کہتے ہیں

معراج کی شب

کہ شب معراج حضور صلی اللہ علیہ و سلم اپنا مرکز
زمین چھوڑ کر اوپر کیسے تشریف لے گئے۔ کہہ ہوا سے گزر کر بغیر ہوا کے آپ
زندہ کیسے رہے (معاذ اللہ) اس قسم کے عقلمندوں سے آپ ان عقلمند
سے وقتوں سے اکثر سنتے رہتے ہیں۔ مگر ہم یہ کہتے ہیں۔ اس زمین اور پانی

و ہوا کے ہم تو بیشک محتاج ہیں۔ اور ہم بغیر زمین کے بغیر آب ہوا کے زندہ نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ یہ زمین۔ آب و ہوا ہمارے لئے تو ضروری ہیں۔ اس لئے کہ ہم ان کے محتاج ہیں۔ مگر یہ ہماری محتاج الیہ زمین یا پانی یا ہوا خود حضور کی محتاج ہے۔ اور وہ سب کے لئے محتاج الیہ ہیں۔ تو محتاج تو بیشک محتاج الیہ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ مگر محتاج الیہ اگر بغیر محتاج کے رہے تو اُسے کیا پرواہ؟ دیکھئے اگر ہوا نہ ہو تو ہماری موت یقینی۔ اور اگر ہم نہ ہوں۔ تو ہوا کا کیا نقصان؟ اگر پانی نہ ہو تو ہم مرے سمجھو۔ اور اگر ہم نہ ہوں۔ تو پانی کا کیا بگڑتا ہے۔ زمین نہ ہو۔ تو ہمارے لئے مشکل اور اگر ہم نہ ہوں۔ تو زمین کا کیا نقصان؟

اسی طرح اگر حضور نہ ہوتے تو یہ زمین و آب و ہوا اور کائنات کی ہر چیز پر وہ عدم میں ہوتی۔ اور اگر یہ زمین و آب و ہوا وغیرہ نہ ہوں۔ تو اس ذاتِ گرامی کا کیا نقصان؟ آخر جب یہ سب کچھ پیرا بھی نہ ہوسکے تھے۔ حضور اس وقت بھی تو تھے۔ تو وہی محبوب اگر شبِ معراج ان چیزوں کے سدا و ہاں تشریف لے گیا۔ جہاں ان چیزوں میں سے کچھ بھی نہ تھا۔ تو کونسی ناممکن بات ہے۔ مگر ان فلسفیوں کو تو برائے نام فلسفہ سے ڈرنا ہے۔

فلسفی کو رفعتِ سرکار سے انکار ہے!
ایسے بد بختوں کی بے عقلی پر رب کی مار ہے

مسلمانوں کیلئے رحمت | حضرات! ہمارے آقا و مولیٰ سے اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے سارے جہان کے لئے رحمت فرمایا ہے

اور ظاہر ہے۔ کہ نیک و بد مومن و کافر بھی اس جہان میں ہیں۔ تو گویا حضور بھی کے لئے رحمت ہوئے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ ہم حضور کے غلاموں یعنی مسلمانوں پر تو حضور کی رحمت ہی رحمت ہے۔ حضور نے اپنی امت کو ہر وقت یاد رکھا۔ حتیٰ کہ شبِ معراج و ہاں پہنچ کر بھی جہاں کوئی نہ پہنچ سکا تھا آپ نے ہمیں فراموش نہیں فرمایا۔ ہمارے لئے حضور نے راتوں کو بیداری فرمائی ہمارے لئے گریہ فرمایا۔ ہمارے لئے دعائیں فرمائیں۔ ہمیں مصائب و آلام

سے نجات دی۔ جہنم سے بچایا۔ جنت عطا فرمائی۔ قبر میں تشریف لا کر ڈھارس بندھائی۔ حشر میں شفاعت فرمائی۔ غرضیکہ حضور ہمارے لئے دونوں جہان میں رحمت ہی رحمت ہیں۔

رافع نافع و نافع شافع
کیا کیا رحمت لاتے یہ ہیں
ان کے نام کے صدقے جس سے
جیتے ہم ہیں جلاتے یہ ہیں

حضور سے قبل کسی نبی و رسول کی اپنی امت پر وہ رحمت و شفقت ثابت نہیں۔ جو رحمت و شفقت حضور نے اپنی امت پر فرمائی۔ کیا کوئی ایسا نبی رسول گزرا۔ جس نے امت کے گنہ گاروں کے لئے رات رات بھر بیداری فرمائی ہے۔ مسلمانو! مبارک ہو۔ کہ یہ خاص رحمت حضور ہی میں نظر آتی۔ حضور نے خود شب بیداری فرما کر غلاموں کو چین کی نیند سلایا۔

چشم بے خواب کے صدقے کہ ہیں بیدار نصیب
آپ جاگے تو ہمیں چین کی نیند آتی ہے

پہلی امتوں کے لئے مال غنیمت حلال نہ تھا۔ مگر حضور کی رحمت سے ہمارے لئے یہ مال حلال ہے۔ پہلی امتوں کے لئے نماز بجز مسجد کے دوسری جگہ جائز نہ تھی۔ اور ہمارے لئے ساری زمین پر نماز جائز ہے۔ پہلی امتوں پر توبہ کرنا اعیاناً اور علی الاعلان لازم تھا۔ اور ہمارے لئے یہ رحمت کہ ہم خفیۃً اپنے اللہ کے حضور بصدق دل ندامت کے دو آنسو بھی بہا

دی۔ تو توبہ قبول۔ الغرض

ڈوبی ناویں تراتے یہ ہیں
ٹوٹی آسین بندھاتے یہ ہیں
جلتی آگ بجھاتے یہ ہیں
شافع امت نافع خلقت
ہلتی نیویں جھاتے یہ ہیں!
چھوٹی نبضیں چلاتے یہ ہیں!
روقی آنکھ ہنساتے یہ ہیں!
رافع رتبے بڑھاتے یہ ہیں!
کون بنائے! بناتے یہ ہیں!

ہندے کرتے ہیں کام غضب کا
مژدہ رضا کا سناتے یہ ہیں

کافروں کے لئے رحمت

مسلمانوں کے علاوہ چونکہ کافر بھی اس جہان میں شامل ہیں۔ اس لئے بمصداق آیت کریمہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کے لئے بھی رحمت ہیں۔ مگر فرق یہ ہے۔ کہ مسلمانوں کے لئے تو دونوں جہان میں یہاں بھی، اور وہاں بھی رحمت ہیں۔ اور کافروں کے لئے صرف اسی جہان میں یعنی دنیا میں ہی رحمت ہیں چنانچہ مفسرین کرام لکھتے ہیں:-

هُوَ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ فِي الدَّارِیْنِ وَ لِّلْكَافِرِیْنَ فِي الدُّنْيَا بِتَاخِیْرِ الْعُقُوبَةِ فِیْهَا۔ (مدارک التنزیل ص ۲۷۱ حاشیہ خازن) - یعنی حضور

مسلمانوں کے لئے دونوں جہان میں رحمت ہیں۔ اور کافروں کے لئے صرف دنیا میں۔ اس لحاظ سے کہ دنیا میں ان سے عذاب ٹل گیا۔

پہلے نبیوں کی تکذیب کرنے سے کافروں پر عذاب نازل ہوتے تھے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت ان کافروں پر بھی اس طرح ہوئی۔ کہ یہ لوگ یہاں کے عذاب سے بچ گئے۔ چنانچہ قرآن پاک میں آتا ہے کہ کافروں نے خود دعا کی۔

اللَّهُمَّ إِنَّا كَانُوا هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَاصْطِرْ عَلَيْنَا حِجَابًا مِنَ السَّمَاءِ أَوْثِنْتَ بِعَذَابِ إِلِيمٍ (پ ۱۸۴)

اے اللہ اگر یہی (قرآن) تیری طرف سے حق ہے۔ تو ہم پر آسمان

سے پتھر برسسا۔ یا کوئی اور درد ناک عذاب ہم پر لا۔

دیکھئے! کافروں نے خود ہی اللہ سے یہ درخواست کی۔ کہ اے اللہ! اگر قرآن

و اسلام سچا ہے۔ اور ہم بھوٹے ہیں۔ تو ہم پر پتھر برسسا۔ یا کوئی اور درد ناک عذاب

برسائے۔ مگر حضور کی رحمت ان کافروں کے بھی آڑ سے آگئی۔ اور اللہ

نے اس کا جواب یہ دیا۔ کہ

مَا كَانَتْ لِلَّهِ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ نَبِيُّهُمْ (پ ۱۸۴)

خدا کا جواب

اور اللہ کا کام نہیں۔ کہ انہیں عذاب کرے۔ جب تک

اے محبوب! تم ان میں تشریف فرما ہو۔

دیکھا آپ نے۔ کافروں نے خود عذاب کی درخواست کی۔ مگر اللہ فرماتا

ہے۔ کہ میں ان کافروں پر بھی عذاب نازل نہ کروں گا۔ اس لئے کہ رحمتٌ للعالمین ان میں تشریف فرما ہیں۔

تو میرے بھائیو! ہمارے حضور کی رحمت اس دنیا میں ہر نیک و بد، مومن و کافر کے لئے عام ہے۔ آپ مسلمانوں کے لئے تو رحمت ہی ہیں۔ آپ کافروں کے لئے بھی رحمت ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو۔ جبکہ حضور کی رحمت ہمہ گیر رحمت ہے۔ بارش جب ہوتی ہے تو اچھے بڑے ہر مقام کو سیراب کرتی ہے۔ ہمارے رؤف و رحیم آقا کی رحمتوں سے اس دنیا میں سبھی مستفید ہوئے۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے سے

بخدی اس نے تجھ کو ہدایت دی کہ اس عالم میں ہے

کافر و مرتد پہ بھی رحمت رسول اللہ کی!

اللہ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ
نوح علیہ السلام سنئے۔ آپ کی عمر تبلیغ ساڑھے نو سو سال تھی۔ چنانچہ

قرآن پاک میں ہے:-

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ

عَامًا۔ (پطع ۱۱) بیشک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا

تو وہ ان میں پچاس سال کم ہزار برس رہا۔

دیکھا آپ نے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر تبلیغ کتنی طویل تھی۔ اور یہ عرصہ

یعنی ساڑھے نو سو سال کا آپ کی تبلیغ فرمانے کا عرصہ تھا۔ ویسے آپ کی

عمر تشریف اس سے بھی زیادہ تھی۔ مگر میرے بھائیو! یہ دنیا کیا ہے۔ ہزاروں

سال جیو کچھ تپہ ہی نہیں چلتا۔ نوح علیہ السلام کے پاس جب ملک الموت

حاضر ہوا۔ اور دریافت کیا۔ کہ حضور! اس قدر طویل عمر پانے کے

دنیائی زندگی | بعد اب آپ کا تشریف لے چلنے کا وقت آ گیا ہے۔ ذرا فرمائیے

تو اتنے طویل عرصہ زندگی کو آپ نے کیسا محسوس کیا۔ تو حضرت نوح علیہ السلام

نے جواب دیا۔ "بس یوں معلوم ہو رہا ہے۔ جیسے ایک حویلی ہو۔ جس کے

دو دروازے ہوں۔ اور میں ایک دروازے سے اندر داخل ہوا۔ اور اب

دوسرے دروازے سے نکل رہے ہوں۔ یہ جواب حضرت نوح علیہ السلام کا ہم جیسوں کو سمجھانے کے لئے خوب ہے۔ واقعی عمر کا جو حصہ گزر چکا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کچھ تھا ہی نہیں۔ اور اسی طرح جو عمر کا باقی حصہ ہے۔ وہ بھی نہ رہے گا۔ ہاں ایمان و اسلام ایک ایسی چیز ہے۔ جو ہمیشہ ساتھ رہ سکتی۔ میرے بھائیو! پھر ایسی ناپائیدار دنیا سے دل لگانا اور اپنی عاقبت کی فکر نہ کرنا کس قدر حماقت ہے؟ مگر افسوس آج عاقبت کی فکر نہیں۔ اور جب دنیا میں اس قدر فنا ہیں۔ کہ انجام کا کچھ احساس ہی نہیں۔ میرے بھائیو! یہ دنیا یعنی غفلت و ناعاقبت اندیشی کی دنیا بظاہر بڑی دل رُبا ہے۔ اپنی زیب و زینت اور نمائش سے بھرا تو لیتی ہے۔ مگر اپنے شکار کو پھر زندہ نہیں چھوڑتی۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:-

شہد دکھائے زہر پلائے قاتل ڈاٹن شوہر کش!

کس مردار پہ تو لپچایا دنیا دکھی بھائی ہے

یعنی دکھائی تو یہ شہد ہے۔ مگر قابو پا لینے کے بعد زہر کا پیالہ پلٹا دیتی

ہے۔ یہ حقیقت جلنے والا اس سے چوکنہ رہتا ہے۔ مگر جو غافل ہے وہ غفلت

میں آکر اپنا سب کچھ لٹا دیتا ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:-

سونا جنگل، سونا پاس ہے، سونا زہر ہے، اٹھ پیارے

تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے، تیری ستا ہی نرانی ہے

یعنی دیکھ اے غافل! یہ جنگل ہے اور جنگل بھی بھیا نکسا ہے اور سونا

جنگل اور اس جنگل میں تیرے پاس سونا (یعنی ایمان) ہے۔ اب اس سونے

جنگل میں جہاں ہر قسم کا خطرہ ہے۔ اور تیرے پاس قیمتی سونا ہے تیرا سونا

جانا انتہائی حماقت ہے۔ یہاں جاگنا اور بیدار رہنا درکار ہے۔

پھر اسے بھائی اس دنیا میں بیدار ہو۔ یعنی یادِ حق میں رہو۔ خدا کو

کھول جانا یہ سوچنا ہے۔ اور یہی دنیا ہے۔ اور یاد رکھو جو غریب آدمی بھی

یادِ حق سے غافل ہے۔ وہ سویا ہوا اور دنیا دار ہے۔ اور جو کروڑ پتی بھی

یادِ حق سے غافل نہیں۔ بلکہ احکامِ شریعت کا پابند ہے۔ وہ بیدار ہے۔ اور

دیندار ہے۔ دنیا دار نہیں۔ دنیا نام ہے خدا کو بھول جانے کا سہ

چسیت دنیا از خدا غافل بدن!

لے قماش و نقرہ و فرزند و زن!

اسلام یہ نہیں کہتا۔ کہ تم اچھا نہ کھاؤ۔ اچھا نہ پہنو۔ روپیہ پیسہ نہ کماؤ۔

موٹروں میں نہ پھرو۔ نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ سہ

اڑاؤ ہمیش کرو عشرتیں بہت پھولو

اڑو جہاز میں موٹر کی گود میں پھولو

اڑو بلندی پہ اتنا نلک کو بھی چھولو

خدا کے واسطے لیکن خدا کو مت چھولو

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر شریف عرصہ

تیلخ کی ساٹھ سو سال تھی۔ دیکھا آپ نے پہلے لوگوں کی عمریں کتنی طویل ہوتی

تھیں۔ اور آج ہماری عمریں؟ تیس سال فی کس۔ ہماری عمروں کی

اوسط رہ گئی ہے۔ گویا آج سے کچھ عرصہ قبل اگر ایک آدمی سو

سال کی عمر پانا تھا۔ تو اس نئی تہذیب کے دور میں سو سال میں تین جنٹلمین بھگتے

ہیں۔ اور یہ تھوڑی عمر کچھ ایسی عام ہو گئی ہے۔ کہ اپنی عمر کو خواہ مخواہ کم بتانا

ایک فیشن ہو گیا ہے۔ چنانچہ آپ نے تجزیہ کیا ہوگا۔ کہ ستر سالہ بڑھے سے

بھی عمر کا پوچھا جائے۔ تو وہ جواب اس طرح دے گا۔ کہ میری تو ابھی عمر ہی

کہا ہے۔ یہی کوئی تیس پتیس سال۔ یہ تو نزلے نے بال سفید کر دیئے ہیں

اسی طرح ایک لطیفہ بھی مشہور ہے۔ کہ ایک ستر سالہ بوڑھا اپنے

پچاس سالہ دوست سے کہہ رہا تھا۔ کہ میری عمر زیادہ سے زیادہ

چالیس کی ہوگی۔ اس کے پچاس سالہ دوست نے کہا۔ اور میں زیادہ سے پچیس سال

کا ہوں گا۔ پاس ہی چارپائی کے اوپر ایک نوجوان مسخرہ بیٹھا تھا۔ جو واقعی

پچیس سال کا تھا۔ وہ ان دونوں کی یہ باتیں سنور سے سن رہا تھا۔ جب وہ

اپنی اپنی عمر بیان کر چکے۔ تو یہ نوجوان چارپائی پر سے خود بخود ہی نیچے گر گیا۔

ان بڑھوں نے کہا۔ اسے تو کیوں گرا؟ تو وہ بولا! جناب میری پیدائش کج

رات ہی کو ہوتی ہے۔

ہاں تو یہ عمروں میں کمی ساری برکت ہے اس نئی تہذیب کی۔ پہلے لوگوں کے عقائد خالص، خوراک خالص، گفتار خالص۔ کردار خالص، اور اب سب کچھ نخالص اور نخالص بھی خاص نخالص۔ شاید اسی لئے ہمارے پنجاب میں عوام و ہقانیوں کا طبقہ خالص کو کہتا ہی "نخالص" ہے۔ یعنی مثلاً انہیں گھی لینا ہو۔ اور دوکاندار سے یہ کہنا چاہتے ہوں۔ کہ بھٹی خالص گھی دینا۔ تو یوں کہیں گے: "بھٹی نخالص گھی دینا" گویا خالص کی جگہ نخالص نے لے لی۔ اسی طرح یہ لوگ فضول کو "بے فضول" کہنے کے عادی ہیں۔ اور اسی طرح اب چونکہ انقلاب کا زمانہ ہے ہر چیز میں آپ انقلاب دیکھیں گے۔

وہ تو بھلا عام و ہقانیوں کی بات تھی۔ اس روشن دماغ آپ ٹوڈیٹ طبقہ نے بھلا کیا کیا گل نہیں کھلائے؟ وہ عورت جو کبھی

انقلاب

عورت تھی۔ آج کل مرد بنی پھر رہی ہے۔ اور وہ مرد جو کبھی مرد تھا۔ آج عورت بن کر پھر رہا ہے۔ میں نے اپنی "آجکل" کی ایک نظم میں لکھا ہے۔

نئی تہذیب کا نقشہ عیاں ہے میاں بیوی ہے اور بیوی میاں ہے
برابر مرد کے عورت کو سمجھیں زمین کو کہہ رہے ہیں آسماں ہے
اور پھر اس انقلاب ہی کا کرشمہ ہے

شباب آور ہے سرخی اور پوڈر کہ ستر سال کی بڑھیا جواں ہے
وہ شرم و غیرت جو پہلے مسلمان کی ایک متاع عزیز تھی۔ اور جس کے اپنانے والے کو فرض شناس حساس اور مومن کہتے تھے۔ آج وہ قیمتی شے ایک بیکار چیز ہو کر رہ گئی ہے۔ اور اب شرم و غیرت کھانے والے آدمی کو وحشی، جنگلی اور رجسٹا پسند کہتے ہیں۔ پہلے سب سے بڑے عالم دین کو ملا کہا جاتا تھا اور پھر ملا کا سب سے زیادہ احترام کیا جاتا تھا۔ جیسے حضرت ملا جیون جو حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے۔ ملا جامی اور ملا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہم، اور آج یہ لفظ بڑی حقارت کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔

مسٹر اور ملا حضرت! اس عظیم الشان لفظ کو تحقیر سے بولنے والے اور ملا کو تحقیر سمجھنے والے اپنے آپ کو "مسٹر" کہلا کر بڑے خوش ہوتے

ہیں۔ یہ کتنا بڑا انقلاب ہے کہ آج ایک مسلمان "ملا" یا "حافظ" کہلانا پسند نہیں کرتا۔ اور مسٹر کہلانا پسند کرتا ہے۔ مولوی و ملا کی شکل و صورت پر، جو اسلامی ہے۔ مذاق اڑتا ہے۔ اور ایڈن و چرچل اور سٹالن کی شکل و صورت کو جو کافروں کی ہے۔ اپناتا ہے۔ اور چاہتا ہے۔ کہ اسے دیکھ کر ہر کوئی اُسے انگریز سمجھے۔ اور اسے سب "صاحب بہادر" کہیں۔ اور اسی شوق میں وہ اپنی صورت کے علاوہ اپنی آواز کا لہجہ بھی اسی انگریزی سانچے میں ڈھالنا چاہتا ہے۔ آتا کو آٹا، جاتا کو جاتا اور کلکتہ کو "کال کانا" کہہ کر گویا ثابت کرے گا۔ کہ ہم بھی میڈ ان انگلینڈ ہیں۔ ایک شاعر نے کیا خوب لکھا ہے

طاقِ دل میں چراغِ انگریزی سر کے اندر دماغِ انگریزی
چالِ انگریزی ڈھالِ انگریزی جسم کا بال بالِ انگریزی
جسم ہندی میں جانِ انگریزی منہ کے اندر زبانِ انگریزی
چھل رہا ہے گلا تو چھل جائے!
لہجہ صاحب سے اپنا مل جائے!

کہتے ہیں ایک اسی قسم کے صاحب بہادر تالاب پر بیٹھے بیٹھے مچھلی کا شکار کھیل رہے تھے۔ اور اٹھ کر کانٹے کو درست جو کرنے لگے۔ تو پتلون کے ہلکے سے تالاب میں جا پڑے۔ اب پتلون میں کسے ہوئے تو تھے۔ اور پتلون میں کسا ہوا آدمی؟ اس کا یہ عالم ہوتا ہے۔ جو ایک شاعر نے لکھا ہے کہ

مجھ کو ذوقِ سے ہے، اور واعظ کو شوقِ چائے ہے!
اپنا اپنا شغل ہے، اور اپنی اپنی رائے ہے!
نقشِ پائے باز کو چوموں تو چوموں کس طرح!
ہو بُرا پتلون کا مجھ سے نہ بیٹھا جائے ہے!
اب وہ صاحب بہادر معہ پتلون کے تالاب میں جو گرے تو پاؤں واؤں

مار نہ سکے۔ اور لگے ڈوبنے۔ اتفاقاً ایک دہقانی کا اس طرف سے گزر ہوا۔ اس نے صاحب بہادر کو ڈوبتے دیکھا۔ تو از راہ ہمدردی تالاب میں کود کر صاحب بہادر کو باہر نکال دیا۔ صاحب بہادر باہر جو نکلے تو دہقانی سے کہا۔ "تھینک یو۔" دہقانی نے صاحب بہادر کو پکڑ کر پھر تالاب میں پھینک دیا۔ صاحب چلایا کہ ارے یہ کیا؟ تو یہ دہقانی بولا۔ صاحب! خود ہی تو کہا ہے کہ پھینک دو۔ اب غور کیجئے۔ کہ اس دہقانی سے بھلا انگریزی بولنے کی کیا ضرورت تھی اس بے موقعہ انگریزیت نے غوطے کھلائے۔ باوجود اس کے میں یہ کہتا ہوں کہ بچارہ مسٹر، فیشن کی رو میں بہ گیا ہے۔ ورنہ دل اس کا بھی معترف ہے۔ کہ کل اسی ملائیت نے کام آنا ہے۔ اور یہ جانتا ہے کہ وہ ان کفار کی انڈھی تقلید میں اپنی صورت تک بگاڑ بیٹھا ہے۔ میرے بزرگو! یہ بات میں یونہی نہیں کہہ رہا۔ دیکھ لیجئے ہم ملا ہیں۔ ملا رہیں گے۔ اور ملا ہی مرے گے۔ اور ہماری خدا سے دلی دعا ہے۔ کہ وہ ہمیں ملا ہی اٹھائے اور

ہم ملا ہیں

ملا جیوں۔ ملا جامی۔ ملا عبدالحکیم جیسے مقبولوں کے ساتھ ہمارا حشر ہو۔ اب ذرا مسٹر سے بھی پوچھئے۔ کہ کیا تمہارے لئے بھی ایسی دعا کی جائے۔ کہ تم مسٹر ہو، مسٹر بن کے جیو۔ اور مسٹر ہی رہ کر مرو۔ اور خدا تمہیں مسٹر ہی اٹھائے۔ اور مسٹر چرچل۔ مسٹر سٹالن، اور مسٹر ڈارون جیسے مروودوں کے ساتھ تمہارا حشر ہو۔ میرا یقین ہے۔ کہ مسٹر ایسی دعا پر کبھی راضی نہ ہوگا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ دل اس کا بھی معترف ہے۔ کہ یہ جو انبیار کی سیرت و صورت اپنانا ہے۔ یہی قیامت میں کام آنے والی ہے اور جن لوگوں کی شکل و صورت پر یہ مذاق اڑا رہا ہے۔ دراصل یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ اور یہی شکل و صورت کل کام آئے گی۔ تو پھر اسے مسٹر ان کرام! جس چیز کو تمہارا ضمیر اچھا جانتا ہے۔ محض تکمیل فیشن کے لئے اُسے بُرا کہہ کر اپنی عاقبت کیوں خراب کرتے ہو۔ اور جس شکل و صورت کے ساتھ، اور جن غیر مسلموں کے ساتھ تم کل اٹھنا نہیں چاہتے۔ آج بھی انکی رفاقت کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟

دعا علی نوح علیہ السلام | ان تو میں حضرت نوح علیہ السلام کی عمر شریف کا ذکر کر رہا تھا۔ کہ آپ کی عمر تبلیغ ساڑھے نو سو سال

تھی۔ آپ نے اپنی عمر شریف میں دن رات اپنی قوم کو تبلیغ فرمائی۔ مگر قوم ایمان نہ لائی۔ بلکہ اور بھی مغرور و مغرور ہوئی۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے۔
کہ حضرت نوح علیہ السلام نے رب سے عرض کی :-

رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَ نَهَارًا فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَاۤیِیْۤ اِلَّا فِرًاۤسًا۔ (پہا ۹) یعنی اے رب میں نے اپنی قوم کو دن رات تیری طرف بلایا۔ مگر میرے بلانے سے وہ اور بھی دور ہی بھاگی۔

حضرت نوح علیہ السلام نے آخر ان بے دنیوں کے خلاف یہ دعا فرما دی کہ :-
رَبِّ لَا تَنْزِلْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دِیَارًا۔ (پہا ۹) اے رب! ان کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔

یعنی ان کا بیڑا غرق کر! اور ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی۔ طوفانِ نوح آیا اور سب غرق ہو گئے۔

دعا رحمت اللہ علیہ وسلم | اب آئیے! ذرا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمتِ عامہ کا نظارہ دیکھیے۔ میدانِ احد میں ایک

طرف کفار ہیں۔ اور ایک طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے جانثاروں کے (رضی اللہ عنہم) کافروں کی شرارتوں کا یہ عالم ہے کہ سہ ہیرے تھے جھولیوں میں ان کی پتھر سنگباری کو نشانہ دور سے کرنے لگے محبوبِ باری کو

اُھسے اس سنگِ باری سے حضور کے دندانِ مبارک کو تکلیف پہنچتی ہے رخِ انور سے خون جاری ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرام بے چین ہو جاتے ہیں۔ اور عرض کرتے ہیں۔ اُدْعُ عَلَی الْمُشْرِكِیْنَ۔ حضور ان مشرکوں کے خلاف دعا فرمائیے یا رسول اللہ! حضرت نوح علیہ السلام نے بھی تو دشمنوں کے خلاف دعا فرما کر کافروں کا بیڑا غرق کر دیا تھا۔ آپ بھی ان کے خلاف دعا فرمائیے۔ حضور نے فرمایا۔ لو میں دعا کرتا ہوں۔ تم آمین کہو۔ دوستو! ذرا دیکھنا حضرت نوح

علیہ السلام کے ہاتھ اٹھے۔ تو انہوں نے یہ دعا فرمائی۔ کہ اے رب ان کافروں کو مت چھوڑ۔ اور آج رحمتِ عالم کے ہاتھ اٹھے تو یہ دعا ہوتی ہے۔ سے کہ لے پروردگار آمرزگار ان کو معافی دے
 نہ کہ ان کی خطاؤں کا شمار ان کو معافی دے
 صحابہ نے عرض کی۔ حضور یہ تو ان کی معافی کی دعا مانگ لی آپ نے ان کی ہلاکت کی دعا فرمائی تو سے

یہ سن کر رحمتِ للعالمین نے ہنس کے فرمایا!

کہ میں اس دہر میں قہر و غضب بن کر نہیں آیا

مشکوٰۃ شریف ص ۱۵ میں اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد درج ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

إِنِّي لَمْ أَبْعَثْ لِقَانًا وَلَا نَمًا بَعَثْتُ رَحْمَةً — میں لعنت بھیجنے

والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ میں تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں!

اور سلم شریف میں ہے۔ کہ آپ چہرہ انور سے خون مبارک پونچھتے جاتے تھے۔ اور فرماتے جاتے تھے۔ رَبِّ اغْفِرْ قَوْمِي يَا نَهْمُ لَا يَعْلَمُونَ۔ سلم شریف ص ۱۶

اے رب! میری قوم کو بخش دے۔ یہ لوگ جانتے نہیں ہیں!

مسلمانو! ذرا پڑھو تو میرے ساتھ مل کر :-

سلام اس پر کہ گھر واسے بھی جس کو تنگ کرتے تھے!

سلام اس پر وطن والے بھی جس سے جنگ کرتے تھے

سلام اس پر کہ جس نے دشمنوں کو بھی تباہیں دیں

سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں

سلام اس پر جو دشمن پر بھی رحم و فضل فرمائے

سلام اس پر کہ جس نے رحمتوں کے پھول برسائے

میرے بزرگو! دیکھا آپ نے کہ ہمارے حضور صلی اللہ

علیہ وسلم ہر دوست دشمن کے لئے کس قدر رحمت

ہیں؟ اور کیوں نہ ہو جب کہ آپ رحمتِ للعالمین ہیں اور "علمین" ہیں جو چیز بھی

ہے وہ حضور کی رحمت سے مستفید ہے۔ حضور کے وجود باوجود سے عالم کا ذرہ ذرہ فیضیاب ہوا۔ وہ زحمتیں، جو حضور سے قبل دنیا میں تھیں۔ وہ سب جاتی رہیں۔ حضور کے تشریف لانے سے قبل تمام روٹے زمین پر قحط سالی مُسلط تھی۔ وزحمت خشک۔ زمینیں غیر آباد۔ اور جانور لاغر ہو رہے تھے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہوئی۔ تو تریش جو قحط کی شدت میں تھے۔ آپ کی برکت سے نو بہاں ہو گئے۔ زمین پر سبزے کی بہار ہوئی۔ ہر جانب سے خیر و برکت نمودار ہوئی۔ درختوں میں پھل آیا۔ تمام جہان میں ارزانی ہوئی۔ بھیر بکریوں۔ گائے بھینسوں میں طاقت آئی۔ ان کا دودھ حد سے زیادہ بڑھ گیا۔

عرب والوں نے اس سال کا نام ہی سننا الفتح والابتهاج رکھا۔

عجب خیر و برکت کا آیا یہ سال ہوا جس کے آنے سے عالم نہال

تھے اہل عرب قحط سالی سے تنگ اڑا شدتِ غم سے چہرے کا رنگ

نزول اُن پر اب حق کی رحمت ہوئی عیاں ہر طرف خیر و برکت ہوئی

چھٹے قحط کی سختیوں سے تریش لگے ہونے ہر گھر میں سامانِ عیش

پھلے باغ اور خشک سالی گئی کدورتِ دلوں سے نکالی گئی

زمین پر تمام آیا سبزہ نکل درختوں میں خوب آیا کثرت سے پھل

گئے باغِ جنت کے دروائے کھل

معطر ہوئے ارض و انلا کس کھل

دافع البلاء | میرے بزرگو! یہ جو دنیا کی ساری زحمتیں دور ہو گئیں۔ اسی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے، اور خوب یاد رکھئے! کہ

رحمت کا کام ہی یہ ہے۔ کہ وہ زحمت کو دور کر دے۔ اور اگر مصیبت و مشکل کے

وقت حضور کام نہ آئیں۔ جیسا کہ گستاخوں کا عقیدہ ہے۔ تو پھر وہ رحمت ہی

کب ہوئے؟ لہذا! مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور یہی حقیقت ہے کہ ہمارے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہان کے لئے رحمت یعنی دافع البلاء بن کر

تشریف لائے ہیں۔ آپ رنج و مصیبت کو دور فرماتے، اور اپنی رحمت سے مسرور

فرماتے ہیں۔ اور یہ ہیں ہی نہیں کہتا۔ خود خداوند کریم کا ارشاد ہے :-

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الَّذِي يَأْتِيهِم بِالْحَقِّ وَيَذَرُونَ مِمَّا كَانُوا يَعْبُدُونَ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (سپ ۴۹) وہ جو غلامی کریں گے۔ اس رسول سے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جیسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس تورات اور انجیل میں وہ انہیں بھلائی کا حکم دیگا۔ اور برائی سے منع فرمائے گا۔ اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا۔ اور ان پر سے وہ بوجھ اور گھمے کے پھندے جو ان پر تھے اتارے گا۔

دیکھ لیجئے! اس آیت میں صاف صاف ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ رسول کریم نبی عظیم صلی اللہ علیہ وسلم جس کا ذکر تورات اور انجیل میں بتی ہے۔ امر بھی ہے ناہی بھی ہے۔ شارع بھی ہے۔ اور تکلیفوں کے بوجھ بھی اتارتا ہے۔ اور پھینچوں کے پھندے بھی کاٹتا ہے۔ گویا دافع البلاء ہے۔ تو فرمائیے قرآن سے حضور کا دافع البلاء ہونا ثابت ہوا یا نہیں؟ پھر جو حضور کو دافع البلاء کہتا ہے کہہ سکتے ہیں۔ خود ہی فیصلہ کر لیجئے۔ کہ جموٹ کہتے ہیں۔ یا نہیں؟ ہمارا تو قرآن کے ارشاد دَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ کے مستطابق ایمان ہے کہ

شافع امت نافع خلقت	دافع رستہ بڑھاتے یہ ہیں
دافع یعنی حافظ و حامی	دافع بلا فرماتے یہ ہیں
فیض جبین خلیل سے پھیر	آگ میں بارخ کھلاتے یہ ہیں

میرے بزرگو! یہ جو آیت ابھی ابھی آپ نے سنی۔

آمر و ناہی و شارع

اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امر و ناہی — اور شارع بھی ہیں۔ یعنی آپ پاک چیزوں کو ہمارے لئے حلال فرماتے ہیں۔ اور ناپاک چیزوں کو حرام فرماتے ہیں۔ گویا آپ ہی کی زبان حق ترجمان ہمارے لئے شریعت ہے۔ آپ جو فرمادیں وہی ہو جاتا ہے

اور امت کے لئے شریعت بن جاتا ہے۔

حج چنانچہ آئیے اس حقیقت کو ایک حدیث میں بھی ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ فرمایا۔ اور فرمایا :-

أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فَرَضَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوا فَقَالَ رَجُلٌ أَكَلْتُ عَامٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَسُكِّتَ حَتَّى قَالِيهَا ثَلَاثًا فَقَالَ كُو قُلْتُ لَعَمْرُؤُا لَوْجِبَتْ وَ لَمَّا اسْتَطَعْتُمْ - (مشکوٰۃ شریف ص ۲۱۳) - اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے، لہذا حج کیا کرو۔ ایک شخص نے پوچھا کیا ہر سال یا رسول اللہ! حضور خاموش رہے۔ اس شخص نے تین بار یہی سوال کیا۔ حضور نے فرمایا۔ اگر میں ہاں کہہ دیتا۔ تو ہر سال ہی حج فرض ہو جاتا۔ اور تم اس کی طاقت نہ رکھتے۔

حضرات! اس حدیث سے ثابت ہوا، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حق ترجمان سے اگر ہاں نکل جاتی۔ تو ہم پر ہر سال حج فرض ہو جاتا۔ گویا آپ کا ارشاد ہی امت کے لئے شریعت ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو۔ جب کہ اس زبان سے نکلتی ہی وہ بات ہے۔ جو اللہ کی مرضی کی ہو۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے :-

مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ - (سجۃ ۵۴)۔
اور وہ کوئی بات ہی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو نہیں مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔

معلوم ہوا۔ کہ حضور جس کام روکا دیں۔ اس کام پر اللہ بھی ناراض ہے اور جس کام کا حضور ارشاد فرمائیں۔ خدا بھی اسی کام پر خوش ہے۔ جناب مصطفیٰ ہوں جس سے ناخوش ہے۔ نہیں ممکن کہ ہو اس سے خدا خوش پسند حق تعالیٰ تیری ہر بات بہ ترے انداز خوش، تیری ادا خوش میرے بزرگوا! اور دوستوا! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امر و نہی۔ اور شارع ہونا ایک واقعہ اور حقیقت ہے۔ مگر اس دور الحاد میں ایک

کافرانہ عقیدہ یہ بھی پھیلایا جا رہا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) شارع نہیں ہیں۔ آپ کے ارشاد سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا۔ جو کچھ ہے قرآن میں ہے۔ اور حدیث کوئی شے نہیں (معاذ اللہ) چنانچہ یہ عقیدہ آج کل کے محدثین قرآن کا لبادہ اوڑھ کر انکار حدیث کے سلسلہ میں پھیلا رہے ہیں اور صاف لکھ رہے ہیں۔ کہ حدیث ایک سحر ہے۔ اور اس کو آگے لانا ملائی ایجاد ہے۔ اور ہمارا جھگڑا ملا سے اسی بات پر ہے۔ کہ وہ حدیث کو آگے کیوں لانا ہے، چنانچہ اس قسم کا ایک منکر حدیث لکھتا ہے:-

”آج ساری ملت اسلامیہ حدیث کی اس ساحری میں گرفتار ہو چکی ہے۔“
 (طلوعی کتابچہ دو اسلام ص ۶۲)۔ ملا سے میرا نزاع اس بات پر ہے
 کہ وہ حدیث کو آگے لا کر بے شمار ظواہر کو جزو اسلام بنانا چاہتا
 ہے۔ (ص ۶۱)

دیکھنا آپ نے! یہ یورپ زدہ طبقہ۔ حیوانوں کی طرح کھڑے ہو کر موتے والا
 گروہ حدیث رسول اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیسے ناپاک خیالات رکھتا ہے۔
 ان لوگوں کا مقصد یہ ہے۔ کہ حدیث رسول کو برطرف کر کے قرآن پر اپنی
 من مانی کاروائیاں کی جائیں۔ اور حلال حرام کا امتیاز اڑا کر گویا اس شعر کے
 مطابق عیش اڑائیں۔ کہ سے

کہاں کا حلال اور کہاں کا حرام

جو صاحب کھلائے وہ چٹ کیجئے

اور یہی وہ لوگ ہیں جن کا گویا ترانہ یہ ہے کہ سے

منظور ہے کہ سیم تنوں کا وصال ہو

مذہب وہ چاہیے کہ زنا بھی حلال ہو

چنانچہ دیکھ لیجئے۔ کہ قرآن پاک میں حلال و حرام کی فہرست بہت مختصر
 ہے۔ اس کی تفصیل تو بارشاد قرآن یُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَ يُحَرِّمُ
 عَلَيْهِمُ الْغَبَائِثَ۔ حضور ہی کی زبان پاک سے معلوم ہوئی۔ اور وہ ساری
 تفصیل احادیث شریفہ میں ہے۔ اور ان لوگوں نے احادیث کا انکار کر کے گویا

اپنے لئے کھانے پینے میں آزادی حاصل کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ اسی لئے انہوں نے لکھ دیا ہے۔ کہ قرآن میں مردار۔ خون۔ سور کا گوشت اور بوقت ذبح غیر خدا کے نام سے پکارا ہوا جانور صرف یہ چار چیزیں حرام بیان کی گئی ہیں۔ اور۔۔۔ ان کے علاوہ اور کچھ حرام نہیں۔ خدا کہتا ہے۔ ہم نے صرف چار چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ ملا کی شریعت حرام و حلال کی ایسی ایسی لمبی لمبی فہرستیں پیش کرتی ہے۔ کہ عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔ (طلوع اسلام ماہ جون ۱۹۵۲ء)

کچھ سمجھے آپ؟ ملا کی شریعت کی آڑ میں "حدیث رسول" پر وار ہو رہا ہے۔ کیونکہ ان چار چیزوں کے علاوہ دوسری ناپاک چیزیں اللہ کے رسول نے حدیث میں حرام قرار دی ہیں۔ اور ملا انہیں کو پیش کرتا ہے۔ مگر چونکہ حدیث رسول پر ایمان نہیں رہا۔ اس لئے ان چار چیزوں کے سوا ان کے لئے سب کچھ حلال ہے گویا کتا۔ پلا۔ بندر۔ گدھا۔ سانپ۔ بچھو۔ گوہ۔ موت۔ پیپ وغیرہ اور جملہ خبیث درندے۔ پرندے اور گندی چیزیں سب کچھ ان کے لئے حلال، طیب، طاہر اور شیر مادر ہیں۔ پھر آگے لکھتے ہیں:-

"اللہ نے جو چیزیں حرام قرار نہیں دی ہیں۔ ان میں سے طبیعت کی رغبت اور پسند کے مطابق کھانی چاہئیں" (رسالہ مذکور)

گویا کسی منکر حدیث رسول کی طبیعت کتا کھانے پر چاہے تو بیشک کھائے۔ اور دوسرے کی رغبت اگر گوہ تناول فرمائے پر ہو۔ تو بیشک تناول فرمائے۔ اس صورت میں منکرین حدیث کا قوشی ترانہ یہ موندوں رہے گا کہ

اسے پیٹ تیرے واسطے ہم کیا سے کیا بنے
منکر حدیث کے ہوئے اور بے دفا بنے
ملا کی بات چھوڑ طبیعت کا دیکھ رخ
گوہ، موت اور کتا و بندر غذا بنے

میرے بھائیو! اگر غور کیا جائے۔ تو حدیث رسول صلی اللہ
قدرت کا انتقام علیہ وسلم کا انکار کرنے والے منہ کو اس دنیا میں بھی یہ

مزا ٹی ہے۔ کہ اسے گستاخ منہ! تجھ سے جب یہ ناپاک کلمے نکلے ہیں۔ تو سے یہ ناپاک چیزیں نکلا۔

حضرات! یہ تو ذکر کتنا منکرین حدیث چکر الویوں کا مگر آپ یہ **تقویۃ الایمان** سن کر حیران ہوں گے۔ کہ وہ بیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ حضور کا ارشاد شریعت نہیں ہے۔ چنانچہ دیکھئے ان کی مذہبی کتاب تقویۃ الایمان کیا کہتی ہے؟ اس میں صاف یہ لکھا ہے کہ

”یا خود پیغمبر کو یوں سمجھئے۔ کہ شرع انہیں کا حکم ہے۔ ان کا جو جی چاہتا تھا۔ اپنی طرف سے کہہ دیتے تھے۔ اور وہی بات انکی امت پر لازم ہو جاتی تھی۔ سو ایسی باتوں سے شرک ثابت ہوتا ہے (تقویۃ الایمان) دیکھ لیجئے! تقویۃ الایمان نے بھی وہی کچھ لکھ دیا۔ جو کچھ منکرین حدیث کا عقیدہ ہے۔ اور مزے کی بات یہ ہے۔ کہ تشریح رسالت کے انکار کی سزا میں اگر منکرین حدیث نے گندی چیزیں کھائی تھیں۔ تو اسی قسم کی سزا ان لوگوں کو بھی ملی۔ چنانچہ ان لوگوں کے قطب — مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی سے کسی نے سوال کیا۔ کہ گاڑ کی اوچھری اور بکرے کے کپورے کھانے درست ہیں یا نہیں؟ تو مولوی صاحب نے جواب دیا۔

الجواب :- درست ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۱۳)

حضرات! بہر تباک نظارہ ہے۔ جس منہ سے گیارہویں شریعت کے طیبہ و نظام کھانے کے متعلق ناجائز اور حرام ہونے کا فتویٰ صادر ہوتا تھا۔ اس منہ میں دیکھئے کیا نظر آ رہا ہے۔

اور سنئے۔۔۔ اسائل پوچھتا ہے۔ کہ کوآ کھانے والے کو عذاب ہوگا یا ثواب؟ گنگوہی صاحب جواب دیتے ہیں:-

الجواب :- ثواب ہوگا۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۶۳ ج ۲)

یہی قدرت کا انتقام! کہ تشریح رسالت کے انکار کی سزا میں کسی کو کتا۔ بلا بندرہ اور گوہ۔ موت کھانا پڑا۔ اور کسی کو کپورے اور کوسے۔ ایذا اسے مسلمانوں اپنا ایمان مغیوب رکھو۔ اور اس بات پر یقین رکھو۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ

علیہ و سلم امر و ناہی اور شارع ہیں۔ آپ جو کچھ بھی ارشاد فرمائیں وہ ہمارے لئے شریعت ہے۔

ہاں! تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ و سلم رحمت ہیں۔ اور رحمت کا کام زحمت کو دور کرنا ہے۔ بنا بریں حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے مخلوق کی زحمتوں کو دور فرمایا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مصیبت کے وقت حضور ہی کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ چنانچہ سنئے:-

حضرت حبیب بن ذبیک رضی اللہ عنہ
بالکل سفید آنکھوں میں نور پیدا کر دیا کے والد اسی سال کے تھے اور بالکل

ناہیا ہو گئے تھے۔ حدیث میں آتا ہے۔

إِنَّ أَبَا خَرَجٍ يَهْدِي إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - ایک

دن حبیب بن ذبیک کے والد اپنے بیٹے کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی ناہیا آنکھیں پیش کیں۔ حضور نے دریافت فرمایا کہ انہیں کیا ہوا۔ انہوں نے عرض کیا۔ حضور! آنکھیں بالکل ٹھیک تھیں مگر ایک دن ایک سانپ کے انڈے پر میرا پاؤں جا پڑا۔ تو اسی وقت دونوں آنکھیں اندھی ہو گئیں۔“

فَتَفَشَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عَيْنَيْهِ فَأَبْصَرَ وَ

هُوَ يُبْخَلُ الْخَيْطِ فِي الْأَبْرَةِ - رَجَاةُ اللَّهِ عَلَى الْعَالَمِينَ (۱۶۶)۔

حضور نے ان کی آنکھوں میں اپنا تھوک مبارک ڈالا۔ تو وہ فوراً

دیکھنے لگے۔ اور نظر اس قدر تیز ہو گئی۔ کہ سوئی میں دھاگا ڈال

لیتے تھے۔

دیکھا مسلمانو! صحابہ کرام مصیبت کے وقت حضور کے پاس ہی پہنچتے تھے

اور وہیں سے رحمت پاتے تھے۔ اور پھر یہ بھی دیکھو کہ حضور بھی یہ نہیں

فراتے۔ کہ میرے پاس کیا لینے آئے ہو۔ جو کچھ لینا ہے۔ خدا سے لو۔ نہیں

نہیں۔ صحابہ کا تو ایمان ہی یہ تھا۔ اور حضور کی بھی تعلیم یہی تھی کہ

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مفر ! !

جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

اور سنئے ! حضرت حارث بن اوس رضی اللہ عنہ کو ایک زخموں کو اچھا کر دیا

اُگئے۔ حدیث کے لفظ ہیں۔ فاحْتَمَلُوهُ فَمَاذَا بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
" صحابہ کرام اسے اٹھا کر حضور کے پاس لے آئے "۔

دیکھ لیجئے ! اس مصیبت میں صحابہ کرام کہاں پہنچے۔ حدیث میں موجود ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پھر کیا ہوا۔ سنئے !

فَقَتَلَ عَلَى جُرْحِهِ فَلَمْ يُؤْذِهِ — حضور نے اس کے زخموں پر ہتھوک

مبارک ڈالا۔ تو وہ اچھے ہو گئے " (کتاب مذکور ص ۲۲۷)

حضرت برادر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ
عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کی کوٹھے

پر سے گر جانے کے سبب ٹانگ ٹوٹ گئی۔ حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ
عنہ فرماتے ہیں :-

فَحَدَّثْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ — تو میں نے اپنی یہ تکلیف

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی۔

دیکھ لیجئے۔ تکلیف کا بیان ازالہ تکلیف کے لئے کس کے سامنے کیا؟ حضور
کے سامنے پھر کیا ہوا ؟

فَقَالَ ابْسُطْ رِجْلَكَ فَبَسَطْتُهَا فَمَسَحَهَا فَكَانَهَا لَمْ أَشْلُهَا قَطُّ

کتاب مذکور ص ۲۲۵) حضور نے فرمایا ٹانگ پھیلاؤ۔ میں نے پھیلائی۔ تو

حضور نے اپنا دست رحمت اس پر پھیرا۔ تو میری ٹانگ اس طرح

ٹھیک ہو گئی۔ جیسے کبھی ٹوٹی ہی نہ تھی۔

مسلمانو! اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے۔

کہ صحابہ کرام مصیبت کے وقت حضور کے پاس پہنچتے تھے۔ آخر کیوں؟ صرف

اس لئے کہ یہی بارگاہِ رحمت ہے۔ یہ زخموں کا ازالہ اسی در رحمت سے ہو سکتا

ہے۔ اسی لئے صاحبِ تصیدہ بردہ شریف نے بھی لکھا ہے کہ سے

يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَا لِي مِنْ الْوَدِّ بِهٖ

سِوَاكَ عِنْدَ حُلُولِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

”یعنی اسے بہترین خلاق صلے اللہ علیہ وسلم، میں مصیبتوں کے وقت آپکے سوا اور کس کی پناہ میں جاؤں۔ یعنی اہل مصائب کی جائے پناہ صرف ایک آپ ہی کی تو ذات ہے۔“

حضرت امام قسطلانی رحمہ اللہ علیہ کو لا علاج بیماری سے شفا دیدی میرے بزرگو! حضرت امام قسطلانی علیہ الرحمۃ جو بہت بڑے امام و محدث ہیں اور بخاری شریف کے شارح بھی ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب مبارک

مواہب لدنیہ میں اپنی ایک بیماری کا اور اس سے شفا کا تذکرہ فرمایا ہے۔ سننے! امام موصوفت فرماتے ہیں۔ کہ ”مجھے ایسی بیماری آگ گئی۔ جس کا علاج کر کے طبیب تھک گئے۔ اور انہوں نے اس بیماری کو لا علاج قرار دے دیا۔ فرماتے ہیں۔ کہ جمادی الاولیٰ ۸۹۳ھ کی اٹھائیسویں شب کو میں نے کہ معظمہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے فریاد کی۔ اور مدد چاہی۔ امام موصوفت کے الفاظ یہ ہیں:-

فَاسْتَعْنَيْتُ بِهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الثَّامِنِ وَالْعِشْرِينَ

مِنْ جُمَادَى الْاُولَى سَنَةِ ثَلَاثٍ وَتِسْعِينَ وَثَمَانٍ مِائَةٍ

بِسُكَّةٍ زَادَهَا اللهُ شَرْفًا— میں نے اس بیماری میں حضور صلی

اللہ علیہ وسلم سے مدد چاہی۔ جمادی الاولیٰ ۸۹۳ھ ہجری کی

اٹھائیسویں شب کو کہ معظمہ میں :-

دیکھئے! امام موصوفت تین سو میل دور کہ معظمہ میں بیٹھ کر حضور سے مدد

مانگ رہے ہیں۔ اور بیماری کے ازالہ کے لئے فریاد کر رہے ہیں۔ اور کیوں نہ ہو؟

جب کہ مسلمان کا ایمان ہی یہ ہے کہ سے

فریاد امتی جو کسے حال زار کی :- ممکن نہیں کہ خیر بشر کو خیر نہ ہو

امام موصوفت فرماتے ہیں کہ میں نے جب فریاد کی تو:-

فَبَيْنَا أَنَا نَائِمًا إِذْ جَاءَ رَجُلٌ مَعَهُ قَرُطَاسٌ يُكْتَبُ فِيهِ هَذَا دَوَاءٌ
 دَاءِ أَحْمَدَ بْنِ الْقَسْطَلَانِيِّ مِنَ الْحَصَّةِ الشَّرِيفَةِ بَعْدَ إِذْ ذُنِ الشَّرِيفِ
 میں سو رہا تھا کہ ایک شخص آیا۔ جس کے پاس کاغذ کا ایک ٹکڑا
 تھا۔ جس پر یہ لکھا تھا: یہ احمد بن قسطلانی کے مرض کی دوا ہے
 بارگاہ شریف سے اذن شریف کے بعد:

امام موصوف فرماتے ہیں:-

ثُمَّ اسْتَيْقَظْتُ فَلَمْ أَجِدْ فِي وَادِّهِ شَيْئًا مِمَّا كُنْتُ أَجِدُكَ وَحَصَلَ
 الشِّفَاءُ بِبَرَكَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ — پھر میں جاگا
 تو اللہ کی قسم مجھے جو بیماری تھی۔ وہ بالکل نہ رہی اور حضور کی
 برکت سے مجھے شفا ہو گئی۔
 (مواہب لدنیہ ص ۳۹۲ ج ۲)

میرے بزرگو! دوستو! اور عزیزو! یہ سکتا ہے کہ
 بات ہے۔ اور ایک دنیا جانتی ہے کہ والدی
 المعظم حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر مرضی

حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ کو
 مرض فاج سے شفا دیدی

فاج کا حملہ ہوا۔ اور آپ سخت بیمار ہو گئے۔ ان دنوں سیالکوٹ چھاؤنی میں
 ایک بنگالی ڈاکٹر تھا۔ جو بڑا قابل تھا۔ اُسے لایا گیا۔ اس نے حالت دیکھ
 کر مایوسی کا اظہار کیا۔ اور بتایا کہ فاج پر بڑا خطرناک ہوتا ہے۔ تاہم
 علاج کرتا ہوں۔ اس نے علاج شروع کیا۔ مگر بددلی کے سبب حضرت
 والد ماجد کی حالت یہ تھی۔ کہ دونوں ٹانگیں بالکل بے جان ہو چکی تھیں۔
 کھڑے ہونا تو درکنار بیٹھ بھی نہ سکتے تھے۔ ہم سب بڑے پریشان تھے
 کہ والد ماجد علیہ الرحمۃ کا عشق رسول رنگ لایا۔ اور ایک مجیب کوشمہ کا
 ظہور ہوا۔ جسے اس بنگالی ڈاکٹر نے۔ کوٹلی والوں نے۔ ہندو اور مسلمانوں نے
 سیالکوٹ کے کئی باشندوں نے اپنے اور بیگانوں نے۔ الغرض سب نے
 دیکھا۔ اور میں نے اخبار الفقیہ امرت سر، ستمبر ۱۹۰۷ء میں اس پیارے
 واقعہ کو شائع کر دیا۔

حضرات! بات یہ ہوئی کہ ایک رات جبکہ والد ماجد سو رہے تھے اور

میں پاس بیٹھا پنکھا ہلا رہا تھا۔ اچانک سوتے میں حضرت والد ماجد علیہ الرحمۃ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ میں حیران رہ گیا۔ کہ یہ کیا بات ہے۔ اسی وقت والد ماجد بیدار ہوئے۔ اور مجھ سے پوچھا کہ تم نے کچھ دیکھا؟ میں نے عرض کیا کہ آپ سوتے ہوئے رو رہے تھے۔ پھر رو کر فرمایا کہ حضور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے۔ اور اپنے دستِ رحمت سے میری بند آنکھوں کو کھول کر فرمایا۔ کہ آنکھیں کھولو۔ اب ہم ایک دوسرے مریض کی جانب جا رہے ہیں۔“

والد ماجد نے پھر فرمایا کہ حضور میری آنکھیں کھول کر مجھے اچھا فرمائے ہیں۔ مجھے اٹھاؤ۔ میں اب اچھا ہوں۔ چنانچہ اسی وقت ہم نے انہیں کھڑا کیا تو یہ دیکھ کر فرطِ مسرت سے آنکھیں پرٹم ہو گئیں۔ کہ ٹانگوں میں طاقت آ گئی۔ اور بوجھ سہارنے لگی ہیں۔ ہم نے پھر لٹا دیا۔ اور صبح ہی والد ماجد نے چلنا شروع کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعجازِ رحمت کا قصبہ بھر میں چرچا ہو گیا۔ اور لوگ بڑی خوشیوں کے ساتھ زیارت کو آنے لگے۔ بنگالی ڈاکٹر بھی یہ واقعہ سن کر حیران رہ گیا۔ دو ہی دن میں حضرت والد ماجد کو صحت ہو گئی۔ پھر اس خاص کرمِ رحمت کی خوشی میں ایک محفل میلاد کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں اکثر علمائے کرام و نعت خوانانِ عظام شریک ہوئے۔ سیالکوٹ اور مضافات کے اکثر احباب اس محفل میں شریک ہوئے۔ کوٹلی کے ہر فرد۔ مذہب و مرد نے اس میں شرکت کی۔ حتیٰ کہ غیر مسلم بھی آئے۔ علماء کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دافع البلاء ہونے پر تقریریں کہیں نعت خوانوں نے اسی موضوع پر نعتیں سنائیں۔ اور سب سے بعد حضرت والد ماجد نے خود روتے ہوئے اس خواب کا ذکر فرمایا۔ اور فرمایا۔ کہ اس واقعہ کے بعد کون کہہ سکتا ہے۔ کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم دافع البلاء نہیں ہیں۔ میری طرقت دیکھ کر حضور کے دافع البلاء ہونے پر ایمان لاؤ۔ یہ واقعہ کوٹلی کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ سچ فرمایا اعلیٰ حضرت نے کہ

ڈوبی ناویں تراتے یہ ہیں ہلتی نیویں جھاتے یہ ہیں

ٹوٹی آسیں بندھاتے یہ ہیں ا
 چھوٹی نبضیں چلاتے یہ ہیں
 جلتی جایش بجھاتے یہ ہیں !
 روتی آنکھ ہنساتے یہ ہیں
 ماتم گھر میں ایک نظر میں
 شادی شادی رچاتے یہ ہیں
 لاکھوں بلائیں کروڑوں دشمن
 کون بچائے بچاتے یہ ہیں

حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں
 دشتِ عرب کے ایک پیاسے قافلے کا ذکر فرمایا ہے
 اور بتایا ہے کہ ان بیکس لوگوں کی کس طرح حضور رحمت

ایک پیاسے قافلے کو
 سیراب فرمایا

عالم نے بروقت امداد فرمائی۔ فرماتے ہیں۔ عرب کے ایک بیابان میں ایک بہت
 بڑا قافلہ جس میں چھوٹے بڑے سبھی تھے۔ اور ان کے جانور بھی تھے۔ پانی نہ
 ملنے کی وجہ سے زندگی سے مایوس ہو گیا۔ بھائیو! عرب کا بیابان اور پانی ہ خطہ
 عرب میں پانی کی بڑی قلت ہے۔ قافلے والوں کے پاس پانی ختم ہو گیا۔ اور وہ
 زندگی و موت کی کشمکش میں پھنس گئے۔ مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:-

در میان آں بیابان ماندہ! ہ کاروانے مرگ بر خود خواندہ
 یعنی وہ قافلہ پیاس کے مارے موت کو دعوت دے رہا تھا:

اشتراں شاں را زباں آدینختہ ہ خلق اندر ریگ ہر سو ریختہ
 اور ان کے اونٹوں کی دپیاس کے مارے، زبانیں نٹک رہی
 تھیں۔ اور ہر طرف مخلوق ریت پر پڑی ہوئی تھی۔

ناگہانے آں مغیث ہر دو کون ہ مصطفیٰ پیدا شدہ از بہر خون
 اچانک ان لوگوں کی مدد کے واسطے دونوں جہانوں کے فریاد رس
 اور آقا و مولیٰ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف
 لے آئے۔

مسلمانو! دیکھ لو! مولانا رومی علیہ الرحمۃ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو
 دونوں جہانوں کا فریاد رس لکھ رہے ہیں۔ اب اگر کسی کو توحید کا مروڑ اٹھے۔ تو
 وہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ کو مشرک کہے۔ بھائیو! حضور سرور عالم صلی اللہ
 علیہ وسلم واقعی دونوں جہان کے فریاد رس ہیں۔ اللہ کی رحمت اگر کام نہ آئے

مصائب و آلام کو دور نہ فرمائے۔ تو وہ رحمت ہی کب ہوئی۔؟ مسلمانوں! ہمارے حضور اللہ کی رحمت ہیں۔ اور وہ دو عالم کے لئے فریاد رس ہیں۔ یہی حقیقت ہے اور اسی پر ایمان رکھو۔

ہاں تو وہ قافلہ جو پیاس کے مارے مر رہا تھا۔ اپنی قسمت پر ناز کرنے لگا۔ جب اس نے دیکھا کہ ہماری مدد کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ گئے ہیں۔ تو اس کی جان میں جان آئی۔

رحمیش آمد گفت ہیں زوتر دوید : چند یارے سوئے آں کیشاں روید
 ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی یہ حالت دیکھ کر رحم آ گیا۔ اور فرمایا۔ چند آدمی اس ٹیلے کی طرف جائیں۔“

کہ سیاہے بر شتر مشک آورد : سوئے میر خود بزودی میرود !
 ”ٹیلے کے اس پار ایک سیاہ رنگ کا حبشی غلام اونٹ پر رکھ کر پانی کی ایک مشک لا رہا ہے۔ اور اپنے آقا کی طرف جا رہا ہے۔“
 آں شتر بان سپہ را با شتر : سوئے من آرید با فرمان مرا
 ”فرمایا اس حبشی کو اونٹ سمیت میرے پاس لے آؤ۔ اگر خوشی سے آئے تو بہتر۔ ورنہ پکڑ کر لے آؤ۔“

چنانچہ چند آدمی ٹیلے کے اس پار گئے تو دیکھا۔ واقعی ایک حبشی غلام پانی کی مشک لئے اونٹ پر سوار جا رہا ہے۔

پس بدو گفتند سے خواند ترا : این طرف فخر البشر خیر الوری
 انہوں نے اس حبشی سے کہا۔ کہ تجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلا رہے ہیں۔“

گفت من نشا سم اورا کیست او : گفت او آں ماہ روئے قند خو
 ”حبشی بولا میں نہیں جانتا وہ کون ہیں۔ وہ بولے کہ وہ حضور چاند کے چہرے والے اور بیٹھی عادت والے ہیں۔“

نوہا تعریف کر وندش کہ ہست : گفت مانا او مگر او ساحراست
 ان غرض صحابہ نے اس سے حضور کی طرح کی تعریفیں کیں۔ مگر وہ

بولا۔ شاید وہی جادو گر ہے۔ جس کے چرچے ہو رہے ہیں۔ میں تو اس کے پاس نہیں جاؤں گا۔ صحابہ اسے پکڑ کر زبردستی حضور کی خدمت میں لے آئے۔ حضور علیہ السلام نے اس حبشی کو تسلی دی کہ گھبراؤ مت۔ تمہیں کوئی تکلیف نہ دی جائے گی۔ اور تمہارا پانی بھی بالکل چھینا نہ جائے گا۔ تم ذرا یہ مشک میرے حوالے کرو۔ حبشی سے وہ مشک لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ رحمت اس مشک پر پھیرا۔ اور پھر قافلے والوں سے فرمایا۔ کہ لو سب آ کر پانی پی لو۔ اور اپنی پیاسیں بجھا لو۔ خود بھی پیو۔ جانوروں کو بھی پلاؤ۔ اور اپنے سارے برتن بھی بھر لو۔ تاکہ راستے میں کام آئے، اسے جملہ را از مشک او سیراب کر دو۔ اشتران و ہر کسے زان آب خورد الغرض حضور نے اس مشک کے تھوڑے سے پانی سے ان سب کو سیراب کر دیا۔ اور اونٹوں اور سب لوگوں نے اس میں سے پیٹ بھر کر پانی پیا۔ اور مشک ویسی کی ویسی بدستور بھری ہوئی تھی۔ حبشی یہ معجزہ دیکھ کر بڑا حیران ہوا۔ اور والہانہ طور پر آگے بڑھا۔

مصطفیٰ دستِ مبارک بر رخش : آں زماں مالید کرد اُورا درخش
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے چہرے پر اپنا دستِ نور پھیرا۔ تو اس سیاہ رنگ حبشی کا سیاہ رنگ کافور ہو گیا۔ اور وہ نور علیے نور ہو گیا۔ اور چمکنے لگا۔

شد سفید آں رنگی زادہ حبش : بچو بدرود روز روشن شد شمش
وہ حبشی چو وہدیں کے چاند کی طرح سفید ہو گیا۔ اور اس کی رات دن بن گئی۔

پھر وہ حبشی مسلمان ہو گیا۔ اور اجازت لے کر اپنے مالک کے گھر پہنچا تو مالک نے پوچھا تو کون ہے۔ غلام بولا۔ میں آپ کا غلام ہوں۔ مالک نے کہا جمبوٹ کیوں بولتے ہو۔ میرا غلام تو کالا سیاہ ہے۔ غلام بولا۔ مگر میں اس کے پاس سے ہو کر آیا ہوں۔ جس نے ساری کائنات کو اپنی نسیا پاشیوں سے منور فرما دیا ہے۔ پھر غلام نے اپنا سارا قصہ سنا دیا۔ جسے سن کر وہ

اس کا مالک بھی مسلمان ہو گیا۔

حضرات! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
رحمۃ للعالمین ہیں۔ اور "علمین" میں جانور

جانوروں کیلئے بھی رحمت

بھی شامل ہیں۔ اس لئے ہمارے حضور جانوروں کے لئے بھی رحمت ہیں۔ چنانچہ
کتب حدیث میں ایک ہرئی کا واقعہ موجود ہے۔

طبرانی شریف کی حدیث ہے۔ کہ ایک جنگل کی ہرئی کسی شکاری
ہرئی کا قصہ کے جال میں پھنس گئی۔ اور رحمۃ للعالمین بھی اس جنگل میں

آپہنچے۔ ہرئی نے دیکھا۔ تو حدیث کے یہ لفظ ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے سنا۔ اِذَا مَنَّادٍ يُّنَادِيهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ! — کوئی پکارنے والا

حضور کو پکار رہا ہے۔ اور کہہ رہا ہے۔ یا رسول اللہ!

حضور نے توجہ فرمائی۔ تو ہرئی جال میں پھنسی ہوئی نظر آئی۔ اور وہی پکار رہی
تھی۔ حضور نے دریافت فرمایا۔ تو نے مجھے کیوں پکارا۔ تو ہرئی بولی۔

اُدنُ مِنِّي يَا رَسُولَ اللَّهِ! — حضور ذرا میرے پاس تشریف لائیے!

حضور آگے بڑھے اور فرمایا:-

مَا حَاجَتُكَ — تمہاری کیا حاجت ہے؟

گویا حضور حاجت روا ہیں۔ اور نہ صرف انسانوں ہی کے بلکہ جانوروں کے

بھی۔ ہرئی نے عرض کیا۔ حضور میرے دو بچے ہیں۔ میں انہیں دودھ پلانے

جا رہی تھی۔ کہ اس جال میں پھنس گئی۔ حضور! میرے بچے میری راہ دیکھ

رہے ہونگے۔ آپ رحمت عالم ہیں اور میں بھی مستحق ہوں۔ مجھ پر رحم فرمائیے

اور تھوڑی دیر کے لئے اپنی ضمانت پر مجھے اس جال سے رہا کرا دیجئے۔

تاکہ میں اپنے بچوں کو دودھ پلا آؤں۔ حضور میں دودھ پلا کر پھر واپس

آ جاؤں گی۔ حضور نے فرمایا اچھا جا! اور بچوں کو دودھ پلا۔ اور دیکھ دودھ

پلا کر پھر جلدی واپس آ جاتا۔ ہرئی نے عرض کیا۔ بہت اچھا حضور! اور

چلی گئی۔ حدیث کے لفظ ہیں:-

فَنَهَبَتْ فَأَرْضَعَتْ خَشْفِيهَا ثُمَّ رَجَعَتْ — ہرئی گئی اور

بچوں کو دودھ پلا کر پھر واپس آ گئی۔
 دوستو! جانور جال سے چھوٹ کر پھر اس راہ سے بھی کنارہ کرتے ہیں۔ مگر اللہ سے
 سلطنت مصطفیٰ کہ ہر نی کی یہ تاب نہیں۔ کہ وہ حکم سرکار پا کر واپس نہ آئے
 وہ ہر نی گئی۔ اور پھر واپس آ گئی۔ شکاری نے یہ معجزہ دیکھا تو حیران رہ گیا
 حضور نے پھر اس شکاری سے فرمایا۔ اب تم اس ہر نی کو چھوڑ دو۔ شکاری نے
 کہا۔ بہت اچھا۔ اور ہر نی کو چھوڑ دیا۔

فَخَرَجَتْ تُعَدُّوا دَرَجِي تَقُولُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ
 أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ — ہر نی دوڑتی ہوئی نکل گئی۔ اور یہ کہتی گئی
 کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور آپ
 دیا رسول اللہ، اللہ کے رسول ہیں۔ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَى الْعَالَمِينَ صَلَاتُ

یہ روایت نزہتہ المجالس کے ص ۹۲ جلد ۳ پر بھی
 موجود ہے۔ اور نزہتہ المجالس میں اس روایت

ہر نی کی موویا وولاد

کے درج کرنے کے بعد ایک بزرگ کا اور واقعہ بھی لکھا ہے۔ اور وہ یہ ہے
 کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ میں ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر
 انور کے حضور حاضر تھا۔ کہ مسجد میں ایک ہر نی آ گئی۔ اور قبر انور کے سامنے ہو
 کر اس نے اپنا سر جھکا دیا۔ گویا حضور کو سلام عرض کر رہی تھی۔ سلام عرض
 کرنے کے بعد پھر پیٹھ کٹے بغیر اٹے پاؤں مسجد سے نکل گئی۔ اور اپنی پیٹھ
 قبر انور کی طرف نہ ہونے دی۔ وہ بزرگ فرماتے ہیں۔ یہ ہر نی یقیناً اس ہر نی
 کی اولاد میں سے تھی۔ جسے حضور نے جالی سے آزاد کرایا تھا۔

میرے بزرگو! یہ تو ایک جانور کا ادب ہے۔ کہ قبر انور کی طرف پیٹھ
 نہیں ہونے دی۔ اور ایک برائے نام مسلمان نجدی سپاہی بھی ہم نے
 دیکھے ہیں۔ جو روضہ انور کے ساتھ پیٹھ لگا کر دن بھر بیٹھے رہتے ہیں۔
 اور قبر انور کی طرف اپنی پیٹھ کٹے رہتے ہیں۔

اُونٹ کی فریاد
 ایک اونٹ کا قصہ بھی سن لیجئے۔ حدیث شریف میں
 ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے

بارغ میں تشریف لے گئے۔ اس بارغ میں اونٹ تھا۔ اس اونٹ نے حضور کو دیکھا تو فریادی بن کر حضور کی خدمت میں آیا۔ حدیث میں آتا ہے۔ کہ اس اونٹ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اور وہ رو رو کر حضور سے کچھ فریاد کرنے لگا۔ حضور نے پوچھا۔ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ ایک نوجوان نے عرض کیا حضور! یہ اونٹ میرا ہے۔ حضور نے فرمایا۔ تو اس جانور کے باب میں اللہ سے نہیں ڈرتا۔ — فَإِنَّهُ شَكَاَ إِلَىٰ إِيَّاكَ تَجِيعًا — (حجۃ اللہ ص ۴۵۸)

اس اونٹ نے مجھ شکایت کی ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو۔

چڑیا کی فریاد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ہم ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ کہ ہم ایک درخت کے پاس سے گزرے۔ اس درخت پر ایک چڑیا کے دو بچے تھے۔ ہم نے وہ پکڑ لئے۔ اُن بچوں کی ماں چڑیا نے دیکھا تو اڑتی ہوئی حضور کے سامنے آگری۔ اور فریاد کرنے لگی۔ حضور نے پوچھا۔ اس کے بچوں کو کس نے پکڑا ہے؟ ہم نے عرض کیا۔ ہم نے یا رسول اللہ! فرمایا۔ جاؤ ان بچوں کو اپنی جگہ پر رکھ آؤ۔ — (حجۃ اللہ ص ۴۶۶)

دیکھا میرے بزرگو! جانور بھی اسی بارگاہِ رحمت میں آ کر اپنی فریادیں سنائے حاجتیں پیش کرتے، اور مرادیں پاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں :-

ہاں یہیں کرتی ہیں چڑیاں فریاد
ہاں یہیں چاہتی ہے ہر فی اولاد
اسی در پہ شترانِ ناشاد
گلہ رنج و عنایت کرتے ہیں
آستینِ رحمتِ عالم اٹے
کمر پاک پہ دامن باندھے
گرنے والوں کو کوچہ دوزخ سے
صاف الگ کھینچ لیا کرتے ہیں

مدرسہ دیوبند میرے بزرگو! اس موقع پر یہ بات بھی سن لیجئے کہ احادیث سے ثابت ہے۔ کہ ہر فی، اونٹ اور چڑیاں سب حضور کی بارگاہِ

رحمت میں حاضر ہوتے اور اپنی اپنی عرضیں پیش کرتے تھے۔ اور حضور ان کی فریاد رسی فرماتے تھے۔ معلوم ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان جانوروں کی زبان بھی جانتے تھے۔ صحیحی تو یوں فرمایا۔ کہ اونٹ مجھ سے یہ کہہ رہا ہے

اور ہرٹی یہ کہہ رہی ہے۔ تو مسلمانو! اب ذرا انصاف سے کہنا۔ کہ جو لوگ اپنے مدرسہ دیوبند اور دیوبندی مولویوں کی عظمت بیان کرنے کے لئے یہ کہنے لگیں کہ حضور کو زبان اردو ہمارے مدرسہ دیوبند اور ہمارے مولویوں کی وجہ سے آگئی۔ وہ پرلے درجے کے گتاج اور بیوقوف ہیں یا نہیں؟

میرے سنی بھائیو! دیکھ لو عبارت یہ ہے:-

ایک صالح فخر عالم علیہ السلام کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے۔ تو آپ کو اردو میں کلام کرتے دیکھ کر پوچھا۔ یہ کلام کہاں سے آگئی؟ آپ تو عربی ہیں۔ فرمایا جب سے علمائے مدرسہ دیوبند سے ہمارا معاملہ ہوا۔ ہم کو یہ زبان آگئی۔ (براہین قاطعہ ص ۲۶) دیکھا آپ نے؟ ان دیوبندیوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو عالم ماکان و مایکون ہیں۔ اور اولین و آخرین کے علوم کے منبع و مخزن ہیں اور جو جانوروں تک کی زبان کے جاننے والے ہیں۔ انہیں زبانِ اردو سے ناواقف بتا کر پھر اپنے مدرسہ دیوبند اور اپنے دیوبندی مولویوں کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے یہ خواب گھڑ لیا کہ حضور نے (معاذ اللہ) فرمایا کہ مجھے یہ زبان ان دیوبندی مولویوں اور مدرسہ دیوبند کی وجہ سے آگئی ہے۔ تو یہ! تو یہ!!

قادیانی کی طرح خواب سنائے نجدی

ذاتِ بے عیب کو یہ عیب لگائے نجدی

جن کو اللہ نے ہر شے کا بنایا عالم

اپنے کلموں سے انہیں اردو پڑھائے نجدی

تعلیمِ رحمت
میرے بھائیو! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمتِ عالم بن کر تشریف لائے ہیں۔ آپ کی تعلیم بھی تعلیمِ رحمت ہے۔ آپ

نے اللہ کی مخلوق پر رحم فرمانے کی تاکید فرمائی۔ اور فرمایا:-

لَا يَرْحَمُ اللَّهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ — (مشکوٰۃ شریف ص ۴۳)

”جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ اللہ اس پر رحم نہ کرے گا۔“

اسی حدیث کا ترجمہ یہ شعر ہے سہ

کرد ہر بانی تم اہل زمین بہ
خدا ہر بیاں ہوگا عرش بریں پر

مسلمانو! حضور علیہ السلام کی اس تعلیم رحمت میں ہزاروں خوبیاں ہیں۔
صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر بزرگان دین جو حضور کے صحیح
سببوں میں شیع تھے۔ رحمت و شفقت علی المخلوق کامل طور پر نظر آتی
ہے۔ ان نفوس قدسیہ نے حتی الامکان اللہ کی مخلوق پر رحم ہی فرمایا۔
اور خود تکلیف اٹھا کر بھی رحم علی المخلوق کا دامن نہیں چھوڑا۔ حضور کی
اس تعلیم رحمت نے بڑے بڑے جلالی مزاج والوں میں رحم و عفو کوٹ
کوٹ کر بھر دیا۔ چنانچہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جن کی جلالت و سطوت
اور جن کا رعب و دبدبہ شہرہ آفاق ہے۔ آپ ایک مرتبہ نماز تہجد ادا
کرنے کو مسجد میں آ رہے تھے۔ کہ اندھیرے کا پلٹا
فاروق اعظم کی ایک حکایت کے باعث ایک شخص کے پاؤں پر حضرت

کا پاؤں آ گیا۔ شاعر لکھتا ہے:-

روایت ہے اک شخص کے پاؤں پر پڑا سہو سے پائے حضرت عمر!
کہا اس نے اندھا ہے اے بیخبر پگے معذرت کرنے حضرت عمر!
کہ اندھا نہیں میں خطا وار ہوں پگے خطا بخشنے کا طلب گار ہوں
بزرگوں کے الطاف کو دیکھتے!
کہ کیا کیا کرم عاجزوں پر کئے

دیکھا آپ نے؟ آج ایک معمولی سپاہی کو بھی اس کی غلطی پر بھی ٹوکا جائے
تو لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں۔ مگر فاروق اعظم! وہ فاروق اعظم جنکے نام
سے قیصر و کسریٰ بھی کانپ اٹھتے ہیں۔ اور جن کی سطوت و جلالت
کا ڈنکا بچ رہا ہے۔ اپنی ایک لغزش پر ایک عامی سے معافی کے طلب گار
ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے اندھا کہہ دینے پر کوئی عضو نہیں فرماتے۔

شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ایک حکایت
مسلمانو! حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کی اس تعلیم

رحمت سے بزرگانِ دین نے نہ صرف انسانوں ہی پر بلکہ جانوروں پر بھی رحم و شفقت فرما کر دکھایا۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب علیہ الرحمۃ نے ایک بار ایک کتے کا بچہ کچھڑ میں پڑا دیکھا۔ سردی سے اس کا برا حال ہو رہا تھا۔ ایک حمام قریب تھا۔ وہاں لے جا کر اس کو غسل کرایا۔ اور پھر اُسے گرم جگہ رکھا۔

اور ایک مرتبہ یہی صاحب کہیں جا رہے تھے۔ کہ ایک چھوٹا راستہ جسے پگڈنڈی کہتے ہیں۔ اور جس پر بمشکل ایک آدمی ہی چل سکتا ہے۔ اس پر آپ چل رہے تھے۔ کہ اتفاقاً سامنے سے ایک کتا آگیا۔ پگ ڈنڈی کی دونوں جانب کچھڑ اور نجاست تھی۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ اے کتے تو نیچے اتر۔ تاکہ میں نکل جاؤں۔ کتے نے جواب دیا۔ تعجب ہے کہ آجکل کے درویشوں میں تکبر پایا جانے لگا ہے۔ آپ نے اس وقت اپنے آپ کو اچھا سمجھا ہے اور مجھے حقیر۔ شاہ صاحب نے فرمایا۔ یہ بات نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ میں مکلف ہوں۔ تو مکلف نہیں۔ اگر میں نجاست میں آلودہ ہو گیا تو بے دھوئے نماز نہ پڑھ سکوں گا۔ اور دھونے سے مشقت میں پڑوں گا۔ اور اگر تو نجاست میں آلودہ ہو گیا۔ تو تیرا کوئی حرج نہیں۔ سوکھ کر پھر ویسا ہی ہو جائیگا۔ کتے نے جواب دیا۔ حضرت! یہ سچ ہے۔ مگر یہ یاد رکھئے۔ اگر آپ اتر گئے اور نجاست میں آلودہ ہو گئے۔ تو یہ نجاست ایک ٹوٹے سے دھل جائے گی اور اگر میں نیچے اتر گیا۔ اور آپ پاک صاف نکل گئے۔ تو یاد رکھنا کہ آپ کے دل میں تکبر و غرور پیدا ہو گا۔ اور وہ سات سمندر سے بھی نہ دھسل سکے گا۔ اب آپ کو اختیار ہے۔ اس بات سے حضرت شاہ صاحب پر ایک کیفیت طاری ہوئی اور نیچے اتر گئے۔ اور کتا نکل گیا۔

مسلمانو! دیکھا آپ نے ان بزرگوں نے کتنی تک پر رحم و شفقت فرمائی اور اس بات پر کوئی یورپیا زدہ شخص اعتراض نہ کرے۔ کہ کہتے ہیں کلام کیسے کر لیا بھائیو! آج اگر تمہارے گراموفون ریکارڈ تمہارے سامنے بول سکتے ہیں تو اللہ والوں سے جانور کیوں بات نہیں کر سکتے۔ یہ اللہ والوں کی باتیں ہیں۔

اور ان کی کرامات حق ہیں۔

دوستو! یہ ہیں ہمارے اسلاف جن کے حالات آپ نے سنے اور ایک

ہم بھی ہیں۔ جن کے حالات یہ ہیں۔

شنیدم کہ مردانِ راہ خدا! دل دشمنان ہم نکر و نہ تنگ!

ترا کے بیتر شود این مقام کہ با دوستانت خلاف است جنگ

بھائیو! آج کل اس ترقی یافتہ زمانہ میں بڑے بڑے

لوگ ہمدردی کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔ اور ہمدرد

آج کل کی قومی ہمدردی

قوم ہونے کے مدعی بنتے ہیں۔ مگر حالت یہ ہے کہ قوم سے ان کو نہ مناسبت

ہے۔ نہ محبت۔ بنگلوں میں آبھوی سے باہر رہتے ہیں۔ اور دنیا بھر کی غذا میں

چائے، بسکٹ، ڈیل روٹیاں، پیٹریاں، کیک، انڈے، پھل فروٹ وغیرہ سب

کچھ رگڑ جاتے ہیں۔ اور ان کے غریب بھائی شہر میں ننگے۔ بھوکے پھرتے ہیں۔

اور ان کو خبر تک بھی نہیں۔ اگر کسی کے لئے کچھ خیر خواہی وغیرہ بھی کرتے ہیں

تو وہ بھی اپنے ہی جیسے امیروں کے لئے۔ تو اس کا نام قومی ہمدردی نہیں

ہے۔ اس لئے کہ قوم نام ہے مجموعہ افراد کا۔ اور مجموعہ میں اعتبار اکثریت کا

ہوتا ہے۔ اور اکثر افراد قوم میں یہی غریب لوگ ہیں۔ امیر تو بہت تھوڑے ہیں

تو اس اعتبار سے قوم گویا غریبوں کا نام ہوا۔ تو قومی ہمدردی کے معنی یہ ہونگے

غریبوں کے ساتھ ہمدردی کی جائے۔ مگر وہ لوگ غریبوں سے ہمدردی کیا کریں گے

جن کے خیال میں غریبی خود جرائم کی فہرست میں درج ہو۔ ان قومی ہمدردی

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلائی ہے۔ چنانچہ فرمایا :-

الْمُؤْمِنُونَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ اِنْ اسْتَكْفَى عَيْنُهُ اسْتَكْفَى كُلَّهُ وَاِنْ

اسْتَكْفَى رَأْسَهُ اسْتَكْفَى كُلَّهُ — (مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۰) سارے

مسلمان ایک آدمی کی طرح ہیں۔ جس کی آنکھ دکھے۔ تو سارا جسم ہی

اس کا دکھنے لگتا ہے۔ اور اگر سر دکھے۔ تو سارا جسم اس کا دکھنے

لگتا ہے۔

اس حدیث کا ترجمہ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے یہ اشعار ہیں :-

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند : کہ در آفرینش ز یک جوہر اند
 چو عضویہ یہ زو آورد روزگار : دگر عضو لا را نمسند قرار
 فی اے میرے بھائیو! قومی ہمدردی یہ ہے کہ قوم کا ایک فرد بھی
 پریشان ہو۔ تو ساری قوم پریشان نظر آنے لگے۔ مگر یہاں اس قسم کی ہمدردی
 یہاں تو نفسی نفسی کا عالم ہے۔ خوب یاد رکھئے۔ آج جس قدر بھی مشکلات
 ہیں۔ ان سب کی وجہ یہی ہے۔ کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ رحمت
 کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اُڑا اور پھر مضبوطی سے اسی دامنِ رحمت کو پکڑ لو۔
 اور اس مادرِ پدرِ آزادی کو چھوڑ کر زلع بنی کے گردنار بن جاؤ پھر دیکھو کہ
 ہوسلسلہ الفت کا جسے زلع بنی سے!
 اچھے نہ کوئی کام نہ پابندِ بلا ہوا

وَ اٰخِرُ عَوْنِنَا اِنَّا بِمَدَدِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



پانچواں وعظ

إِنَّا عَطَيْنَاكَ الْكُوثُرَ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ - وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ - وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ
عَلَى رَسُولِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ

اَمَّا بَعْدُ

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

إِنَّا عَطَيْنَاكَ الْكُوثُرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ

انْحَرْ - إِنَّ شَأْنَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ (پج ۳۳)

اے محبوب! بیشک ہم نے تمہیں بشمار خوبیاں عطا فرمائیں۔ تو تم
اپنے رب کے لئے نماز پڑھو۔ اور قربانی کرو۔ بیشک جو تمہارا
دشمن ہے۔ وہی ہر خیر سے محروم ہے۔

حضرات! آج میں نے آپ کے سامنے قرآن پاک کی ایک چھوٹی سی سورت
پڑھی ہے۔ یہ سورت اگرچہ بظاہر چھوٹی سی ہے۔ مگر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
کے فضائل و کمالات کا ایک سمندر اس میں موجزن ہے۔ قرآن پاک ایک ایسی
جامع کتاب ہے۔ کہ اس کی چھوٹی سی عبارت میں بھی دین و دنیا کے مسائل

سو دیئے گئے ہیں۔ اور یہ قرآن پاک کا اعجاز ہے۔

علامہ اسمعیل حقی علیہ الرحمۃ روح البیان میں لکھتے ہیں۔ کہ سارے علوم قرآن پاک میں ہیں۔ اور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قرآن پاک کے سارے علوم سورۃ فاتحہ میں ہیں۔ اور سورۃ فاتحہ کے سارے علوم "بسم اللہ" میں ہیں۔ اور "بسم اللہ" کے سارے علوم بسم اللہ کی "با" میں ہیں۔ اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ جو باب مدینۃ العلم ہیں وہ فرماتے ہیں۔ اَنَا النَّقْطَةُ تَحْتَ الْبَاءِ۔ "ب" کے نیچے کا نقطہ میں ہوں۔ (روح البیان ص ۶۳) گویا بسم اللہ کی "ب" کا نقطہ بھی اسرار و علوم کا ایک منبع و مخزن ہے۔ اور اس ایک نقطہ میں بھی کئی علوم مضمون ہیں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کہ ایک مرتبہ راولپنڈی کے ایک جلسہ میں میں نے یہی روایت بیان کی۔ تو ایک جنٹلمین نے تقریر کے بعد مجھ سے سوال کیا۔ کہ مولانا یہ روایت

ریلوے ٹائم ٹیبل کا نقطہ

کچھ عجیب سی ہے۔ کہ ایک نقطہ میں سب کچھ ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میرے پاس ریلوے ٹائم ٹیبل تھا۔ میں نے اس میں سے ریلوے لائن کے نقشے کا صفحہ اس کے سامنے رکھ کر پوچھا۔ فرمائیے۔ اس میں لاہور کہاں ہے، اس نے ایک جگہ انگلی رکھ کر بتایا۔ کہ لاہور یہ ہے۔ میں نے کہا یہ کہاں ہے؟ تو بولا۔ یہ میری انگلی کے نیچے۔ میں نے کہا۔ ہوش سے بات کیجئے۔ اتنا بڑا لاہور۔ آپ کی انگلی کے نیچے کیسے آگیا۔ تو بولا یہ جو نقطہ سا ہے۔ یہی لاہور ہے۔ میں نے کہا۔ تو آپ کے سوال کا جواب ہو گیا۔ یہ جو ٹائم ٹیبل کا نقطہ ہے۔ اس کی حیثیت یہ ہے کہ آپ اسے لاہور کہہ رہے ہیں۔ گویا انارکلی بازار اسی نقطہ میں ہے۔ کشمیری بازار اسی ایک نقطہ کے اندر موجود ہے۔ تو اگر آپ کے ریلوے ٹائم ٹیبل کے ایک نقطے میں اس قدر جامعیت ہے۔ تو رب کائنات کی جامع کتاب قرآن پاک کے نقطے کی جامعیت کا انکار کیسے ہو سکتا ہے؟ اس میرے الزامی جواب پر، وہ خاموش ہو گیا۔ بہر حال یہ سورت اس کتاب پاک کی ہے۔ جس میں سب

کچھ ہے۔ یہ الگ بات ہے۔ کہ ہماری ناقص عقلیں قرآن پاک کے جملہ علوم تک نہ پہنچ سکیں۔ مگر قرآن پاک میں دین و دنیا کی جملہ مشکلات کا حل موجود ہے۔

جَمِيعَ الْعِلْمِ فِي الْقُرْآنِ لَكِنَّ تَقَاصَرَ عَنْهُ أَفْهَامَ الرِّجَالِ

حضرت امام محمد رضی اللہ عنہ جو ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں

ایک بوڑھے باپ کی حکایت

سے ہیں۔ ان کے زمانہ میں ایک لاولد بوڑھا آدمی تھا۔ آخری عمر میں اس کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ وہ بوڑھا مارے خوشی کے آپے سے باہر ہو گیا اور خوشی میں قسم کھا بیٹھا۔ کہ خدا کی قسم میں اپنی اس بچی کو جہیز میں دنیا بھر کی ساری چیزیں دوں گا۔ اور لڑکی جب بڑی ہو گئی۔ اور اس کی شادی ہونے لگی۔ تو بڑھے کو اس کی قسم یاد دلائی گئی۔ اب وہ حیران ہوا کہ دنیا کی ساری چیزیں تو جہیز میں دینا میرے بس کی بات نہیں۔ اب قسم کیسے پوری کروں؟ حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ سے یہ مسئلہ دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ تم جہیز میں قرآن پاک دیدو۔ قرآن دیا تو گویا دنیا کی سب چیزیں دے دیں۔ دیکھا آپ نے کیسا عجیب فیصلہ ہے۔ واقعی قرآن پاک دین و دنیا کی ساری برکتوں پر حاوی ہے۔

مگر یہ تو پرانی باتیں ہیں۔ جب کہ لوگ جہیز میں قرآن پاک دیا کرتے تھے۔ اب تو جہیز میں ریڈیو سیٹ اور گراموفون

آجکل کا جہیز

دیا جاتا ہے۔ کہ لے بیٹی! دن بات گانے ہی سنتی رہنا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آج کل کی لڑکیاں قرآن و حدیث کے علاوہ گھر کا کام کاج بھی نہیں جانتیں ہاں گانے بجانے کی باتوں میں ماہر ہوتی ہیں۔ چنانچہ میں نے "آجکل" کی ایک نظم میں لکھا ہے:

ڈینجرس ہی ڈینجرس ہیں عضو سب : سرخ تلوے سرخ ناخن سرخ لب

ہونہ ہو سینے پر رونے کی تمیز : ناچنے گانے کا ہو لڑکی کو ڈھب

لطیفہء ایک پرانے زمانے کی بڑھیا نے اپنی پوتیوں اور نواسیوں میں

بڑے افسوس کے ساتھ یہ بات کہی۔ کہ "آجکل" کی لڑکیاں تو "سوٹی" کہ بھی نہیں جانتیں۔ کہ وہ کس مہرف کے لئے ہے۔" یہ سن کر اس کی ایک۔ پوتی بونی۔ دادی جان۔ جانتیں کیوں نہیں۔ میں بتاتی ہوں۔ سوٹی سے ریکارڈ بجایا جاتا ہے۔" دیکھا آپ نے! بڑھیا تو کپڑے سینے کی سوٹی کا کہہ رہی تھی۔ مگر پوتی نے گراموفون ریکارڈ کی سوٹی سمجھ لیا۔

میرے بزرگو! قرآن کو اپناؤ! اپنی اولاد کو قرآن سکھاؤ۔ اور اپنی بچیوں کو قرآنی زیور۔ لباس جہیز میں دو۔ یہ جو دنیاوی نمائش کے لئے جہیز دیا جاتا ہے۔ اور نمائش کا لفظ میں نے اس لئے اختیار کیا ہے۔ کہ جہیز میں زیادہ تر نمائش ہی مقصود ہوتی ہے۔ دیکھ لیجئے۔ بازار سے جب جہیز کا سامان خریدنے کے لئے جاتے ہیں۔ تو دکاندار یہ پوچھتے ہیں۔ کہ یہ سامان استعمال کے لئے چاہیے۔ یا جہیز میں دینے کیلئے؟ گویا جہیز کا سامان استعمال کے قابل نہیں ہوتا۔ ہاں نمائشی ضرور ہوتا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جہیز کا سامان عموماً پڑا خراب ہی ہو جاتا ہے۔ استعمال کے وہ لائق ہی نہیں ہوتا۔ نمائش جو اس سے مقصود تھی۔ وہ حاصل ہو گئی۔ اب بجز اس کے کہ پڑا پڑا خراب ہوتا رہے۔ اور کس کام کا؟ ہاں تو آج کل جو نمائشی جہیز دیا جاتا ہے۔ اس کا کیا فائدہ؟ جب کہ اسلامی ہندیا کا کوئی زیور اس جہیز میں نہ ہو۔

حضور سلطان دارین صلی اللہ علیہ وسلم کی

خاتون جنت کا جہیز

لخت جگر، حضرت خاتون جنت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کا جہیز دیکھئے۔ شاخ نے کیا خوب لکھا ہے۔

متاعِ دنیوی جو حقہ زہرا میں آئی تھی!

کھجوری کھردے سے بان کی الہ چارپائی تھی

مشقت عمر بھر کرنا لکھا تھا جو مقدر میں

میں تھیں چکیاں دو تاکہ آٹا پس پس گریں

باپ کے گھر سے آج کل کی لڑکیاں رنگ رنگ کا لباس پہن کر نکلتی

ہیں۔ مگر شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کا انبیازی

لباس ملاحظہ فرمائیے سے

چلی تھی باپ کے گھر سے بنی کی لاڈلی پہنے
حیا کی چادریں عفت کا جابر صبر کے گہنے

میں نے اپنی ایک نظم میں لکھا ہے سے

دیکھئے اس قسم کے زیور سے ان کو پیار تھا
صبر کے کانٹے تھے اور تقویٰ گلے کا مار تھا

تھیں ادھر پہنی ہوئیں صبر و رضا کی چوڑیاں
اور ادھر پہنی ہوئیں شرم و حیا کی چوڑیاں

حضرات! اس سورت کا شانِ نزول سننے سے قبل یہ بات معلوم کر لیجئے۔ کہ ہمارے

حضور علیہ السلام کی اولاد کرام

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صاحبزادے تھے۔ اور چار صاحبزادیاں۔

صاحبزادیوں کے چار ہونے میں تو کوئی اختلاف نہیں۔ ان صاحبزادوں کی

تعداد میں اختلاف ہے۔ چنانچہ امام قسطلانی علیہ الرحمۃ نے مواہب لدنیہ

شریف میں لکھا ہے کہ متفق طور پر یہ بات ہے۔ کہ حضور کے دو ہی

صاحبزادے تھے۔ حضرت قاسم اور حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ مگر بعض

نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ طیب و طاہر بھی دو صاحبزادے تھے۔ بہر حال حضور

کی صاحبزادیوں کے چار ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ حضور کی ان چار

صاحبزادیوں کے نام تھے۔ زینب۔ رقیہ۔ ام کلثوم اور

چار صاحبزادیاں فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ حضرت زینب کی شادی ان کے

خالہ زاد بھائی ابوالعاص سے ہوئی۔ حضرت رقیہ اور ام کلثوم کی شادی

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ پہلے حضرت رقیہ کی اور آپ

کی وفات کے بعد پھر ام کلثوم کی۔ اسی واسطے حضرت عثمان رضی اللہ

عنہ ذوالنورین کہلاتے ہیں۔ اور اسی لئے اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے۔ سے

نور کی سرکار سے پایا دوشالہ نور کا!

ہو مبارک تجھ کو ذوالنورین جوڑا نور کا!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان سے فرمایا: "اے عثمان! اگر میری سولہ کی بھی ہو۔ اور ان کا یکے بعد دیگرے انتقال ہوتا جائے۔ تو میں یکے بعد دیگرے تمہارے نکاح میں دیتا جاؤں۔ (مواہب لدنیہ ص ۱۹۶ جلد ۱)۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی۔ اسی ایک روایت سے حضرت عثمان کی فضیلت ظاہر ہے۔ مگر

دیدہ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے!

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا درجہ بلند ہے۔

میرے بزرگو! حضور کی صاحبزادیوں کا چار ہونا کچھ ایسا متفقہ روایا شیعہ کا مسئلہ ہے۔ کہ اس میں شیعہ روایات بھی مختلف نہیں ہیں۔ چنانچہ ان کی معتبر کتاب اصول کافی ہے:-

تَزَوَّجَ خَدِيجَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا وَهُوَ يَضَعُ وَعِشْرِينَ سَنَةً فَوَلَدَ مِنْهَا قَبْلَ مَبْعَثِهِ قَاسِمٌ وَرُقِيَّةٌ وَزَيْنَبُ وَأُمُّ كَلثُومٍ وَوَلَدَ بَعْدَ الْمَبْعَثِ الطَّيِّبُ وَالطَّاهِرُ وَالْفَاطِمَةُ عِنْيَهَا السَّلَامُ. (اصول کافی ص ۲۴۸ اسطر ۳)۔ یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کیا۔ تو بعثت سے پہلے قاسم۔ رقیہ۔ زینب۔ ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ اور بعثت کے بعد طیب۔ طاہر اور فاطمہ پیدا ہوئیں۔

اور سننے۔ حیات القلوب میں ہے:-

"برسند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ است کہ از برائے رسول خدا از خدیجہ متولد شدند۔ طاہر۔ قاسم۔ فاطمہ۔ رقیہ۔ ام کلثوم۔ زینب" (حیات القلوب ص ۱۸ ج ۲)

یعنی معتبر سند سے حضرت صادق سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجہ سے جو اولاد ہوئی۔ وہ یہ ہے۔ طاہر۔ قاسم۔ فاطمہ۔ رقیہ۔ ام کلثوم۔ اور زینب۔

کیوں دوستو! ایسے متفقہ مسئلہ میں آج اگر کوئی شخص اختلاف کرے۔ اور خواہ مخواہ یوں کہے۔ کہ حضور کی ایک ہی صاحبزادی تھی۔ تو وہ غلط گوہوا یا نہیں یقیناً ہوا۔ اور ایسے لوگ اس حقیقت کو اس لئے جھٹلاتے ہیں۔ تاکہ حضرت عثمان کی فضیلت ثابت نہ ہو جائے۔ مگر ان باتوں سے کیا ہوتا ہے۔ بجز اس کے کہ اپنی ہی نادانی ظاہر کرتے ہیں۔ موٹی بات ہے۔ کہ خود خدا نے قرآن میں فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِرِزْوَانِكَ وَبَنَاتِكَ — (پطع ۵)

اے نبی! اپنی بیٹیوں اور بیٹیوں سے فرادے۔

دیکھ لیجئے خدا نے یہاں "بناتک" جمع کے صیغہ سے فرمایا ہے کہ اپنی بیٹیوں سے فرادے۔ اگر حضور کی ایک ہی بیٹی ہوتی۔ تو اللہ بندگان فرماتا۔ کہ اپنی بیٹیوں سے اور بیٹی سے فرادے۔ مگر اللہ تو جمع کے صیغہ سے فرماتے کہ بیٹیوں سے فرادے اور یہ خواہ مخواہ یہی کہتے چلے جا رہے ہیں۔ کہ حضور کی تو ایک ہی بیٹی تھی۔ میرے بزرگو! یہ لوگ خود تو قرآن کے تابع نہیں ہوئے۔ ہاں قرآن کو اپنے تابع کرنے کے لئے یوں کہہ دیا کرتے ہیں۔ کہ اللہ نے یہاں جمع کا صیغہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تعظیم کی خاطر ارشاد فرمایا ہے اگر یہ بات مان لی جائے۔ تو پھر کل کو کوئی یوں بھی کہہ دے گا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی بھی ایک ہی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور قرآن میں "قل لِرِزْوَانِكَ" جو اللہ نے جمع کے صیغہ سے ارشاد فرمایا ہے۔ وہ حضرت خدیجہ کی تعظیم کے لئے فرمایا ہے۔ تو بھائیو! جس طرح یہ بات غلط ہے۔ اسی طرح وہ بات بھی غلط ہے۔

حضرات! اس سورہ کوثر کا شان نزول بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو دو صاحبزادے تھے۔ ان میں سے مبلغ ربحال تک کوئی نہ پہنچا۔ یعنی بالغ کوئی نہ ہوا۔ دو لڑکیوں قبل بلوغت ہی وصال فرمایا گیا۔ اور اس کی وجہ یہ بھی ہے۔ کہ وہ صاحبزادے بالغ ہو کر یا نبی ہوتے یا نبی نہ ہوتے۔ اگر وہ ہی نہ ہوتے تو دشمن

اعتراض کرتے کہ دیکھو صاحب! پہلے نبیوں کی اولاد بنی ہوئی رہی۔ مگر ان کی اولاد بنی نہیں ہوئی۔ اور اگر بنی ہوتے تو حضور کی ختم نبوت میں فرق آتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ان اعتراضات سے بچانے کے لئے کسی صاحبزادے کو بالغ نہ ہونے دیا۔

میرے بھائیو! اس موقع پر مرزائی عموماً ایک روایت **مرزائیوں کا فریب** سنایا کرتے ہیں کہ:-

لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِيمُ لَكَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ط. اگر حضور کے صاحبزادے ابراہیم زندہ رہتے۔ تو بنی ہوتے۔

اس سے وہ یہ بات ثابت کرتے ہیں۔ کہ حضور کے بعد بنی آنے کا امکان تھا۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ کہ اگر وہ زندہ رہتے تو بنی ہوتے۔ مگر چونکہ وہ زندہ نہ رہے۔ اس لئے بنی نہ ہوئے۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ یہ روایت بیشک ابن ماجہ میں موجود ہے۔ مگر یہ تو لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ پڑھنا اور "اَنْتُمْ سَكَرٰی" چھوڑ جانے والا قصہ ہے کہ اپنے مطلب کا جملہ پڑھ لیا۔ اور اگلا حصہ چھوڑ دیا۔ ذرا اس حدیث کے آگے جو دوسری حدیث ہے وہ بھی تو پڑھی ہوئی۔ دیکھتے اس حدیث میں کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:-

لَوْ قَضِيَ اَنْ يَكُوْنَ بَعْدَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيٌّ لَعَاشَ اِبْنُهُ وَ لٰكِنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَكَ - (ابن ماجہ ص ۱۱۳) یعنی اگر یہ

بات مقدر ہوتی۔ کہ حضور کے بعد بھی کوئی بنی ہو سکتا ہے۔ تو حضور کے صاحبزادے زندہ رہتے۔ لیکن حضور کے بعد تو کوئی بنی نہیں!

میرے بھائیو! سنا آپ نے یہ ہے اصل حقیقت۔ مگر اس حدیث کو مرزائی نہ پڑھتے ہیں نہ سناتے ہیں۔ حالانکہ یہ حدیث صحیح ہے اور بخاری شریف میں بھی ہے۔ چنانچہ دیکھئے بخاری شریف ص ۱۱۳ باب من تسمی باسماء الانبياء۔ اور ابن ماجہ میں اسی حدیث کے حاشیے پر لکھا ہے کہ:-

الَّذِي اَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ فِيْ بَابِ مَنْ تَسَمَّى بِاَسْمَاءِ الْاَنْبِيَاءِ صَحِيحٌ لَا شَكَّ فِيْ صِحَّتِهِ - (ابن ماجہ ص ۱۱۳) یعنی جس حدیث کا

بخاری نے اخراج کیا ہے وہ بلا شک صحیح ہے۔
 اور جو حدیث مرثائی پیش کرتے ہیں یعنی **لَوْ عَاشَ إِبْرَاهِيمُ لَكَانَ
 صِدْقًا نَبِيًّا** — اس کے متعلق جملہ محدثین نے لکھا ہے۔ کہ یہ حدیث صحیح
 نہیں ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :-
وَفِي سَنَدِهِ أَبُو شَيْبَةَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَثْمَانَ الْوَاسِطِيُّ وَهُوَ ضَعِيفٌ
 (مرقاۃ ص ۹۵) وکذا فی مواہب لدنیہ ص ۱۲۱) — یعنی اس کی سند
 میں ابو شیبہ راوی ہے۔ جو ضعیف ہے۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔
 "بصحت ترمذیہ و اعتبار سے نادر" (مدارج النبوة ص ۲۶۴)

تو میرے بھائیوں! مرثائیوں کا یہ ایک فریب ہے۔ ورنہ حقیقت یہی ہے
 کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر کوئی نبی ہونا ممکن ہوتا۔ تو آپ کے
 صاحبزادے زندہ رہتے اور نبی ہوتے۔ تو اس سورۃ کوثر کا شان نزول یہ
 ہے۔ کہ حضور کے صاحبزادوں کا انتقال ہو گیا۔ تو کافروں نے
شان نزول کہنا شروع کر دیا۔ کہ بس اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی
 نسل باقی نہ رہے گی۔ اور آپ اہتر ہو گئے ہیں۔ (معاذ اللہ) اہتر ۲ سے کہتے
 ہیں۔ جس کی نسل باقی نہ رہے۔ کافروں نے اپنے زعم باطل میں یہ سمجھ لیا
 کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ اب نسل باقی رہے گی۔ اور نہ ہی آپ
 کا ذکر و نام باقی رہے گا۔ کفار کی اس بکواس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 کو رنج و ملال ہوا۔ تو اللہ نے اپنے محبوب کی تسکین خاطر کے لئے یہ سورنا
 نازل فرمائی اور فرمایا :-

"إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكُوثُرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ. إِنَّ شَانِئَكَ
 هُوَ الْأَمْتَرُ"

یعنی اے محبوب! ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا ہے۔ یعنی آپ پر ہم نے
 بڑے بڑے انعامات فرمائے ہیں۔ ہر نعمت کثرت کے ساتھ آپ کو عطا
 فرمائی ہے۔ گویا یہ بے ایمان جو بکتے ہیں۔ کہ آپ اہتر ہو گئے ہیں۔ پیارے

یہ ان کی بکواس ہے۔ ہم نے ہر خیر و خوبی میں آپ کو کثرت عطا فرمائی ہے۔ پیارے تو نماز پڑھ اور دیکھ یہ جس قدر نمازی تیری اقتدار میں ہیں۔ یہ سب تیرے ہی نام لیوا، اور تیری ہی روحانی اولاد ہے۔ قربانی کے دنوں یعنی ایام حج میں دنیا کے گوشہ گوشہ سے کھچے چلے آنے والے سب تیرے ہی غلام ہیں۔ پیارے تیرا ذکر، تیرا نام تو ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ تیری نسل تیری امت تیرے نام لیوا قیامت تک باقی رہیں گے۔ ہاں جو تیرا دشمن ہے۔ وہی نامراد مرے گا۔ بے نام و نشان ہو جائے گا۔ اور کوئی اس کا نام تک لینے والا نہ رہے گا۔ گویا اے محبوب! جو تیرا دشمن ہے۔ اصل میں وہی اہتر ہے۔

مٹ گئے ملتے ہیں مٹ جائیں گے اعدائے تیرے

نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا!

ذکر مصطفیٰ | چنانچہ میرے دوستو! یہ حقیقت ہے۔ دیکھ لو۔ جس قدر چرچا اور جس قدر نام ہمارے آقا و مولیٰ حضور ﷺ اللہ

علیہ و سلم کا ہے۔ اس قدر چرچا آج تک نہ کسی کا ہوا نہ ہوگا۔ عرش پر ہے تو حضور کا چرچا۔ فرش پر ہے تو حضور ہی کا چرچا۔

عرش پہ تازہ چھڑ چھڑا فرش پہ طرفہ دھوم دھام
کان جدمہر لگا بیٹے تیری ہی داستان ہے

مسجدوں میں مدرسوں میں، اور خانقاہوں میں حضور ہی کا ذکر۔ گھروں میں شاہراہوں میں انہیں کا تذکرہ۔ کلمہ طیبہ میں۔ نمازوں میں دعاؤں اور اذانوں میں الغرض زمینوں اور آسمانوں میں انہیں کا ڈنکا بچ رہا ہے۔ وہ جن کا ذکر ہوتا ہے زمینوں آسمانوں میں نمازی کی دعاؤں میں، مؤذن کی اذانوں میں

(نبیاء کرام کی مقدس زبانوں پر۔ صحابہ کرام کی مجلسوں میں۔ اولیاء کرام اور امامان دین کے ارشادات میں۔ علماء کرام کے مواعظ اور نعت خوانوں کی نعت خوانیوں میں اسی محبوب کا ذکر ہوتا نظر آ رہا ہے۔ یہی ایک تو ہے جو ہم گہر محبوبیت پا کر تشریف لائے۔ سب اپنی کے فدائی ہیں۔ اور سب

انہیں کے ذکر کے شیدائی - ۵

ہم ہوتے تم ہوئے کہ میر ہوئے!
ان کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

پھر ایسے محبوب پاک کا ذکر مٹ جائے، اور ان کا نام لیوا کوئی نہ رہے؛
توبہ! توبہ!! یہ بات کھلا کب ممکن ہے۔ اجی جس محبوب کا خدا خود مداح و
ذاکر ہو۔ اس کے ذکر کو کون مٹا سکتا ہے۔ اور جب کہ خدا خود اپنے محبوب
کے لئے فرماتے۔ کہ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ اے محبوب ہم نے تمہارا ذکر تمہارے
لئے بلند کر دیا۔ تو جس کے ذکر کو بلند کرنے والا خدا ہو۔ اس ذکر کو کوئی مٹائے
ع

مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ کہ خدا نے حضور سے وعدہ فرمایا ہے کہ

رونقت را روز روز افزوں کنم نام تو بر نقرہ و بر زر زخم
منبر و محراب سازم بہر تو از محبت قہر من در قہر تو
چاکرانت ملک لا گیرند وجاہ دین تو باقی ز ماہی تا بامہ

تا قیامت باقیش داریم ما!

تو مٹس از نسخ دین اے مصطفیٰ

یعنی اے محبوب میں تیری عزت و رونق کو دن بدن دو بالا کروں گا۔
اور سونے و چاندی پر تیرا نام منقش کروں گا۔ تیرے لئے منبر و محراب بناؤں گا۔
تیری محبت کے پیش نظر میں تیرے غصے میں اپنا غصہ ظاہر کروں گا۔ تیرے
غلام بڑے بڑے ملکوں پر قابض ہو کر عزت پائیں گے۔ اور تیرا دین زمین
سے آسمان تک باقی رہے گا۔ اور تیرے دین کو ہم خود قیامت تک
باقی رکھیں گے۔ پیارے تو نسخ دین سے مت ڈر!

حضرت عبدالمطلب کا خواب | حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے ایام شباب
میں ایک خواب دیکھا کہ ایک درخت زمین

سے نکلا ہے۔ جڑیں اس کی زمین میں اور چوٹی آسمان سے جا لگی ہے۔ اور
درخت کی ایک ٹہنی مشرق کے کنارے اور دوسری ٹہنی مغرب کے کنارے

جانگی ہے۔ ملک عرب کے کچھ لوگ اس درخت کی ٹہنیوں کو پکڑے ہوئے ہیں۔ ایک جماعت اس درخت کو کاٹنے کے لئے آئی۔ تو ناگہاں ایک خوبصورت نوجوان اس درخت کی جڑ سے نمودار ہوا۔ جس نے اس کاٹنے والی جماعت کو مار دیا گیا۔ حضرت عبدالمطلب نے صبح ایک مقبرے سے اس کی تعبیر پوچھی۔ تو اس نے بتایا کہ :-

لَيَخْرُجَنَّ مِنْ صَدْرِكَ رَجُلٌ يَمْلِكُ الْمَشْرِقَ وَالْمَغْرِبَ -
 (خصائص کبریٰ ص ۳۹ ج ۱) - آپ کی پشت سے ایک ایسا مبارک وجود پیدا ہوگا۔ جو مشرق و مغرب کا مالک ہوگا۔

پنجابی شاعر نے اس خواب کا تذکرہ کرتے ہوئے اسکا ترجمہ کیا ہے یہ
 پشت تری حقیں بچہ ہوسی ربا دیاں سمجھ عطا پس
 مانگ ہوسی کل دتیا دا مشرق مغرب تائیں

ہاں تو بھائیو! ایسے محبوب کا بھی ذکر منٹا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! تو کافروں کی یہ بکواس کہ حضور امیر ہو گئے ہیں۔ (معاذ اللہ) اور اب انکا کوئی نام لیوا باقی نہ رہے گا۔ محض بکواس ہی ہے۔

کوثر کا معنی میرے دوستو! اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اپنے محبوب کو
 انا اعطیناک الکوثر فرمایا ہے۔ کہ اسے محبوب ہم نے آپ کو

کوثر عطا فرمایا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کوثر کا معنی کیا ہے؟ تو کہا تو آپ نے اشار میں اس کا ترجمہ سنا۔ یعنی "میں محبوب! بیشک ہم نے تمہیں بیشمار خوبیاں عطا فرمائیں" یہ ترجمہ اعلیٰ حدیث سے کیا ہے۔ اور یہی ترجمہ السدجاء و اولیٰ سجدہ۔ اور مفسرین کرام علیہم الرحمۃ نے بھی یہی لکھا ہے۔ چنانچہ علامہ حسینی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

التَّدَادُ الْكَثِيرُ مِنَ الْخَيْرِ تَالِ فِي الْقَامُوسِ الْكُوثَرُ الْكَثِيرُ مِنْ حَبْلِ

شئ - (روح البیان ص ۹۷ ج ۴) یعنی بہت سی خوبیاں اور ہر شے کی کثرت

اور صدر الافاضل مراد آبادی علیہ الرحمۃ اس آیت پر لکھتے ہیں :-

"اور فضائل کثیر عنایت کر کے تمام خلق پر افضل کیا جس ن ظاہر بھی دیا

حسنِ باطن بھی۔ نسبِ عالی بھی دی ثبوت بھی۔ کتاب بھی حکمت
 بھی علم بھی شفاعت بھی۔ حوضِ کوثر بھی۔ مقامِ محمود بھی۔
 کثرتِ امت بھی اعدائے دین پر غلبہ بھی۔ کثرتِ فتوح بھی۔
 اور بے شمار نعمتیں اور فضیلتیں جن کی نہایت نہیں (کنز الایمان)
 معلوم ہوا کہ انا اعطیناک الکوثر نزا کر خدا نے اس امر کا اعلان فرمایا ہے۔ کہ
 ہم نے اپنے محبوب کو ہر قسم کی خوبیاں۔ فضائل و کمالات اور بہت کچھ عطا
 فرمایا ہے۔ **إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكُوثَرَ**
 ساری کثرت پاتے یہ ہیں

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے پاس کیا ہے جو نہ ہو۔ خالق
 کل نے اپنے حبیب کو مالکِ کل بنا دیا ہے۔
 خالقِ کل نے آپ کو مالکِ کل بنا دیا!
 دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضہ و اختیار میں
 مگر کس قدر عداوت ہے نجدیوں کی کتابِ تقویۃ الایمان کو
تَقْوِيَةُ الْإِيمَانِ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و سلم سے کہ وہ اس امر کا
 اعلان کرتی ہے کہ جس کا نام محمد ہے وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں۔
 خدایا تو فرماتے۔ کہ اے محبوب! ہم نے آپ کو بہت کچھ عطا فرمایا اور یہ کہے
 کہ وہ کسی چیز کے مالک ہی نہیں۔

میرے دوستو! مسلمان کا تو یہ ایمان ہے کہ خدا نے مصطفیٰ کو سب
 کچھ دیا۔ اور مصطفیٰ نے خدائی کو سب کچھ دیا۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی
 علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ کہ گویا اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سے فرماتا ہے کہ:-
إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكُوثَرَ فَأَعْطِ أَنْتَ الْكَثِيرَ۔ (تفسیر کبیر ص ۹۷ جلد ۸)
 یعنی پیارے ہم نے آپ کو بہت کچھ دیا۔ اور آپ بھی لوگوں
 کو بہت کچھ دیجئے۔

دیکھ لیجئے۔ خدا نے اپنے محبوب کو سب کچھ دے کر خدائی کو اس در
 پر لا ڈالا۔ اور اسی لئے محبوب کو یہ حکم فرمایا کہ **وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ**

محبوب! مانگنے والے کو جھڑکنا نہیں۔ یعنی یہ لوگ تیرے پاس سائل بن کر آئیں۔ تو انہیں جھڑک مت دینا۔ اگر تم نے ہی جھڑک دیا تو یہ بچاے پھر کہاں جائیں گے۔

بے ٹھکانوں کا ٹھکانا ہے یہی! ایسا کہاں جائیں تمہارے در سے ہم
دیکھ لینا سب مرادیں مل گئیں جب لپٹ کر دے انکے در سے ہم

سب کو صدقہ عطا ہوا تیرا | یہاں مجھے حضرت مولانا حسن میاں علیہ الرحمۃ کے بھی چند اشعار یاد آ گئے۔ یہ حقیقت ہے

کہ زمین والے ہوں، یا آسمان والے۔ ہر کسی کو حضور ہی کا صدقہ عطا ہوا چنانچہ مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

اے جنان میرے گل کے صدقے میں
لے ٹٹک ہر حق کے باٹے سے
لے چمن بھیک ہے تبتسم کی
ہوں زمیں والے یا فلک والے
ایسی شوکت کے تاجدار کہاں
اس وجاہت کے بادشاہ کہاں
اس جلالت کے شہریار کہاں
جسے تو نے دیا خدا نے دیا
جو صلے کیوں گھٹیں غریبوں کے
تختہ تختہ بسا ہوا تیرا!
کاسہ کاسہ بھرا ہوا تیرا
غنچہ غنچہ کھلا ہوا تیرا
سب کو صدقہ عطا ہوا تیرا
تخت تخت خدا ہوا تیرا
حکم حکم خدا ہوا تیرا
ملک ملک خدا ہوا تیرا
دین رب کی دیا ہوا تیرا
ہے ارادہ بڑھا ہوا تیرا

بگڑی باتوں کی فکر نہ حسن

کام سب سے بنا ہوا تیرا

دوستو! اگر ایک حویلی میں دعوت عام ہو اور یہ اعلان عام ہو۔ کہ جسے کچھ لینا یا کھانا ہو۔ وہ اس حویلی میں آ کر کھائے اور لے جائے

تو ہر شریف آدمی اس حویلی میں حویلی کے دروازے سے اندر جائیگا۔ مگر چور اور اچکا دروازے سے نہیں۔ دیواریں پھاند کر اندر جانے کی کوشش کریگا اور پھر پکڑا بھی جائیگا۔ تو بھائیو! اس دنیا میں خداوندی نعمتوں کے حصول کے

لئے درِ مصطفیٰ ہی ایک ایسا دروازہ ہے۔ جس سے سب کچھ مل سکتا ہے
لہذا شریف بن کر اسی دروازہ کو لو۔ اور چور اچکے بن کر اس دروازہ کو
چھوڑ کر دیواریں پھانسنے کی کوشش مت کرو۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے ایک جگہ لکھا ہے:-
وسیلہ مصطفیٰ سے بے ان کے واسطے سے خدا کچھ عطا کرے

حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بھر کی ہے

یعنی اللہ تعالیٰ جو کچھ اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ وہ اسی وسیلہ مصطفیٰ
سے عطا فرماتا ہے۔ اور ان کے وسیلہ کے بغیر کچھ مل جائے؟ یہ ناممکن ہے۔
اور اگر کچھ ملے بھی۔ تو پھر میرے دوستو! وہ چیز حلال نہیں رہتی۔ چنانچہ
دیکھتے ایک مثال عرض کروں۔

فرمائیے! ایک تاجر کو روٹی دینے والا کون ہے؟ سب یہی کہیں گے
تاجر اور چور کہ اللہ تعالیٰ! اور یہ بالکل ٹھیک ہے۔ اور یہ بھی فرمائیے۔

کہ چور کو روٹی دینے والا کون ہے؟ اس کا جواب بھی یہی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ!
دیکھتے۔ جب گھر کا مالک سوتا ہے۔ تو یہ کہہ کر سوتا ہے۔ یا اللہ تیرا ہی آسرا۔
اور جب چور چوری کے لئے نکلتا ہے۔ تو وہ بھی یہی کہتا ہے۔ کہ یا اللہ تیرا ہی
آسرا۔ اور چونکہ اللہ سب کا رازق ہے۔ اس لئے ہر نیک و بد اسی کا آسرا
ڈھونڈتا ہے۔ اور وہ سب کو رزق دیتا ہے۔

یہاں مجھے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ یاد آ گیا۔
حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ یہ ایک صحابی رسول ہیں۔ مشکوٰۃ شریف میں انکا ایک

واقعہ لکھا ہے۔ کہ ایک مرتبہ وہ قافلہ سے بچھڑ کر کسی جنگل میں نکل گئے۔ جنگل
میں ایک بڑا زبردست شیر رہتا تھا۔ اس نے حضرت سفینہ کو دیکھا۔ تو حملہ کرنے
کے لئے منہ پھاڑ کر حضرت سفینہ کی طرف دوڑا۔ حضرت سفینہ خطر سے میں
بچھڑ گئے۔ مگر قربان جائیں ان لوگوں کے عزم و استقلال کے۔ کہ مطلق گھبرائے
نہیں۔ اور ڈرے نہیں۔ ایک آج ہم بھی ہیں۔ کہ چوہے سے بھی ڈر جاتے
ہیں۔ چنانچہ ایک شاعر نے اسی قسم کی بہادری کا نقشہ اس شعر میں کھینچا ہے کہ

بفضلِ خدا میں ہوں ایسا دلیر !
 سمجھتا ہوں بتی کو مانند شیر !
 مگر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہا ڈرے نہیں۔ بلکہ ڈٹ کر کھڑے ہو گئے۔ اور
 شیر کو مخاطب فرما کر فرماتے گئے :-

يَا اَبَا الْحَارِثِ اَنَا صَوْلَا رَسُولِ اللّٰهِ — او شیر ! خبردار !

میں رسول اللہ کا غلام ہوں ! (مشکوٰۃ شریف ص ۵۲۷)

ابو حارث شیر کی کنیت ہے۔ حضرت سفینہ نے شیر کو مخاطب فرما کر حضور
 صلی اللہ علیہ و سلم کا نام لیا اور فرمایا۔ خبردار ! اس بات کا خیال رکھنا۔ میں
 غلام کس ذات پاک کا ہوں ؟ مجھے اذیت نہ پہنچانا کہ میں رحمتِ عالم کا غلام
 ہوں۔ اتنا کہنا تھا۔ کہ وہ شیر کتے کی طرح خوشامد کرتے ہوئے اپنی دم ہلانے لگا۔
 اور سفینہ کو کچھ نہ کہا۔ بلکہ سفینہ کے ساتھ ساتھ چل کر حضرت سفینہ کو قافلہ میں
 ملا کر واپس ہوا۔ ایک پنجابی شاعر نے اس موقع پر لکھا ہے کہ شیر نے گویا زبان
 حال سے کہا ہے

شیر کہیا سفینے تائیں سن راہی راہ جانده !

جو غلام رسول اللہ دے اسیں غلام انہاندے !

میرے بھائیو ! سوچو کہ جنگ میں شیر حملہ کر کے آجائے۔ اور آدمی تنہا،
 اور نہتا ہو تو کیا یہ موت کا سامنا نہیں ہے ؟ ہے اور یقیناً ہے ! تو فرمائیے
 اس قدر مشکل کے وقت ایک صحابی رسول کو مناسب تو یہ تھا کہ اللہ کا
 نام لیتے اور یوں کہتے۔ او شیر ! خبردار۔ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مگر حدیث کے
 لفظ یہ ہیں کہ انہوں نے یوں کہا :-

اَنَا مَوْلَى رَسُولِ اللّٰهِ — میں رسول اللہ کا غلام ہوں ۔

میرے بھائیو ! گویا مصیبت کے وقت ایک صحابی رسول نے خدا کا
 نہیں۔ بلکہ رسول خدا کا نام لیا۔ آپ جانتے ہیں۔ ایسا کیوں کیا ؟ سنئے !
 اس لئے کہ صحابی رسول نے سوچا کہ اگر اللہ کا نام لیا۔ تو اللہ جس طرح میرا
 رب ہے۔ اسی طرح شیر کا بھی رب ہے۔ وہ اللہ اگر میرا حافظ ہے۔ تو اس

شیر کا رازق بھی وہی ہے۔ تو کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھی کو اس شیر کا لقمہ بنا دے۔ اس لئے میں اس وقت رحمۃ للعالمین کا نام لیتا ہوں۔ تاکہ ان کی رحمت کی بدولت میں اس مصیبت سے نجات پاؤں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور وہ رحمت عالم کی بدولت اللہ کی حفاظت میں آگئے۔

نہ کیونکر نام لوں ہر دم تمہارا یا رسول اللہ!

ہوئیں حل مشکلیں جس دم پکارا یا رسول اللہ!

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا۔ کہ تاجر کو بھی روٹی دینے والا اللہ، اور چور کو بھی روٹی دینے والا اللہ۔ وہ بھی اللہ سے لیتا ہے۔ اور یہ بھی اللہ ہی سے لیتا ہے۔ پھر ذرا سوچئے۔ کہ تاجر کی روٹی حلال کیوں؟ اور چور کی روٹی حرام کیوں؟ جب دونوں ہی اللہ سے لیتے ہیں۔ تو پھر ایک کی حلال کس لئے؟ اور ایک کی حرام کس لئے؟ — تو سنئے صاحب! اس کا جواب یہ ہے۔ کہ تاجر اپنی روٹی اللہ سے لیتا ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے ہوئے اپنی جائز محنت اور تجارت کر کے لیتا ہے۔ گویا وسیلہ مصطفیٰ سے اور در مصطفیٰ پر پہنچ کر اللہ سے لیتا ہے۔ اور چور در مصطفیٰ کو چھوڑ کر اور وسیلہ مصطفیٰ سے منہ موڑ کر براہ راست اللہ سے لیتا ہے۔ تو جس نے حضور کے وسیلے سے اللہ کی روٹی لی۔ اس کی روٹی حلال، اور جس نے یہ وسیلہ چھوڑ کر براہ راست اللہ سے روٹی لی۔ اس کی روٹی حرام! ایک مثال اور سن لیجئے۔ ایک منکوحہ عورت کے ہاں منکوحہ عورت اور فاحشہ بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اور ایک بچہ کسی فاحشہ رنڈی کے ہاں بھی پیدا ہوتا ہے۔ فرمائیے! منکوحہ عورت کو وہ بچہ کس نے دیا؟ خدا نے ہی تو دیا۔ اور اسی طرح اس رنڈی کے ہاں جو بچہ پیدا ہوا۔ وہ کس نے دیا؟ وہ بھی اللہ ہی نے دیا۔ مگر سب جانتے ہیں کہ رنڈی کا بچہ حرامی اور منکوحہ کا بچہ حلالی۔ حالانکہ دونوں بچے اللہ ہی نے دیئے ہیں۔ اور انکی ماؤں نے اللہ ہی سے لئے ہیں۔ اگر حلالی بچہ روتا ہوا آیا ہے۔ تو حرامی بھی اسی طرح روتا ہوا آیا ہے۔ حلالی کی بھی دو ٹانگیں، دو ہاتھ، دو

آنکھیں۔ اور دو کان ہیں۔ اور حرامی کی بھی دو ٹانگیں، دو ہاتھ۔ دو آنکھیں اور دو کان ہیں۔

ہمسری کے مدعی | میرے بزرگو! یہاں یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ اگر وہ حرامی بچہ اس ظاہری حالت کی بنا پر اس حلالی بچے سے ہمسری کا مدعی بننے لگے۔ اور یوں کہنا شروع کر دے۔ کہ وہ بھی میرے ہی جیسا بشر ہے۔ تو اس حرامزادے کی یہ حرامزدگی ہے یا نہیں؟ وہ حرامزادہ اس حلال زادے کے برابر نہیں ہو سکتا۔ یہی حالت کافروں کی ہے۔ جنہوں نے انبیاء کرام کو اپنے جیسا سمجھا۔ اور ان سے یوں کہا۔ مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا۔ اسی لئے مولانا رومی نے فرمایا ہے۔

کافراں را دیدہ بسینا نہ بود و نیک و بد در دید شاں یکساں نمود

ہمسری یا انبیاء برداشتند یا اولیاء را، بچو خود پنداشتند

یعنی کافروں کے پاس دیکھنے والی آنکھ نہ تھی۔ اسی لئے ان کی نظر میں

نیک و بد برابر تھے۔ اور انہوں نے انبیاء سے ہمسری کے دعوے کئے۔ اور اولیاء کو اپنے جیسا بشر کہنے لگے۔

ابنہ حقیقہ نما | بھائیو! آج بھی کئی گستاخ ایسے ہیں۔ جو حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے جیسا بشر کہتے ہیں۔ حالانکہ

کہاں وہ ذاتِ نورِ علی اور کہاں یہ لوگ سرتا پانتور۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

بات اصل میں یہ ہے۔ جو حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے لکھی ہے۔

دید احمد را ابو جہل و بگفت

زشت روئے کز بنی ہاشم گفت

ایک مرتبہ ابو جہل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کہا کہ بنی ہاشم

میں تم ایک بد صورتا پیدا ہوئے ہو۔ (معاذ اللہ۔ معاذ اللہ)

دید عدلیش بگفت اے آفتاب

نے زشرقی نے زغربی خوش تاب

اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر کہا۔ اے آفتابِ حسن! مشرق و مغرب میں تجھ جیسا کوئی خوبصورت نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سے فرمایا۔ کہ تم دونوں ہی سچ کہہ رہے ہو۔

حاضرین گفتند اے صدر الورثے

راست گو گفتی دو ضد گورا چرا؟

حاضرین نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ کیا بات ہے؟ کہ صدیق اکبر نے آپ کو خوبصورت کہا۔ تو آپ نے انہیں فرمایا کہ تم سچ کہہ رہے ہو۔ اور اس بے ایمان ابو جہل نے بدصورت کہا تو آپ نے اسے بھی فرما دیا کہ تم بھی سچ کہہ رہے ہو۔

گفت من آئینہ ام مصقول دست!

ترک و ہند و در من آن بند کہ ہست

حضور نے فرمایا! میں دستِ قدرت کا صیقل کردہ ایک آئینہ حق نما ہوں اور آئینہ جس کے سامنے ہوگا۔ دیکھنے والا اس میں اپنی برائی و خوبی دیکھے گا۔ جیسا آپ ہوگا ویسا ہی نظر آئیگا۔ گویا صدیق اکبر کا خود اپنا دل نورِ ایمان سے منور تھا۔ اس نے مجھے دیکھا۔ تو میں اُسے حسن و نور نظر آیا۔ اور ابو جہل کم نبت خود ہی سیاہ دل اور سیاہ رو تھا۔ اس نے مجھے دیکھا۔ تو اُسے میں اچھا نظر آتا۔ دراصل دونوں نے اپنی اپنی ترجمانی کی ہے۔ اس لئے میں نے دونوں کو ہی سچا کہا ہے۔

تو میرے بھائیوں! اس مثال کے پیش نظر ہم کہتے ہیں۔ کہ آج بھی جو لوگ سیاہ باطن ہیں۔ ابو جہل کے تابع بن کر وہ حضور کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں۔ اور جن کے دل نورِ ایمان سے منور ہیں۔ وہ حضور کو اللہ کا نور سمجھتے ہیں۔ اور صدیق اکبر کی اتباع میں اعلیٰ حضرت کی طرح یہی نغمہ گاتے ہیں۔ کہ

باغِ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا

مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا

تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

طریقہ

کہتے ہیں ایک شہر ایسا شہر تھا۔ جس کے باشندوں نے کبھی آئینہ نہیں دیکھا تھا۔ اس شہر کا ایک باشندہ کہیں جا رہا تھا۔

اتفاقاً راستے میں اسے ایک آئینہ مل گیا۔ اس نے اُسے جو اٹھایا تو اس میں اپنی شکل دیکھ کر سمجھا۔ کہ یہ میرے ابا جان کا فوٹو ہے۔ چنانچہ بڑی حفاظت سے اسے گھر لے آیا۔ اور بڑے اہتمام سے ایک الماری میں رکھ دیا۔ اب ہر روز دفتر میں جاتے ہوئے اور وہاں سے آتے ہوئے الماری کھولتا۔ اور بزیم خویش اپنے ابا کے درشن کرتا۔ چند دنوں کے بعد اس کی بیوی کو جو بڑی بد شکل چچک زدہ چہرے والی اور کانی بھی تھی۔ شک گزرا۔ کہ یہ الماری میں ہر روز کسے دیکھتے ہیں؟ چنانچہ ایک بار خاوند کے دفتر چلے جانے کے بعد اٹھی۔ اور الماری کو کھول کر جو دیکھا۔ تو آئینہ میں اسے اپنی شکل نظر آئی۔ اب آئینہ اس نے بھی کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس نے جو اپنی شکل دیکھی۔ تو غصے میں آ کر بولی۔ میں تو پہلے ہی جانتی تھی۔ کہ یہ کسی عورت پر فدا ہو گئے ہیں۔ ذرا دیکھو تو۔ ان کا داغ چل گیا ہے۔ کہ میرے جیسی حور کو چھوڑ کر اس پٹیل پر عاشق ہو گئے ہیں۔ اس حرامزادی کی ذرا شکل تو دیکھو۔ چچک زدہ منہ۔ آنکھ سے کانی۔ دیکھنے کو دل نہیں چاہتا۔

حضرات غور کر لیجئے۔ کہ یہ عورت جتنے عیوب و نقائص بیان کر رہی تھی۔ کیا وہ اس آئینہ میں سے یا وہ سب کے سب خود اس کی اپنی ہی ذات میں تھے؟ یقیناً وہ اپنے ہی عیوب کو آئینہ پر بھوپا رہی تھی۔ حالانکہ آئینہ اسے اپنی شکل دکھا رہا تھا۔ کہ دیکھ تو ایسی ہے۔ وہ عورت اپنے خاوند سے بدگمان ہو کر رونے لگی۔ اتنے میں شوہر آ گیا اور اس نے روٹی مانگی۔ تو بولی۔ روٹی مجھ سے کیوں مانگتے ہو۔ اس الماری والی کانی سے مانگو۔ شوہر نے کہا۔ مگر وہ تو میرے ابا ہیں۔ وہ بولی مجھے بہکاتے کیوں ہو۔ وہ تو کوئی بد معاش بھوتی ہے۔ اب دونوں میاں بیوی آپس میں جھگڑنے لگے۔ میاں کہتا تھا۔ وہ میرے قابلِ تعظیم ابا جان ہیں اور عورت کہتی تھی۔ نہیں۔ بلکہ وہ ایک بد شکل عورت ہے۔ میرے دوستو! ان کا جھگڑا

بالکل ایسا ہی جھگڑا ہوا۔ جیسے دو آدمی بحث کرنے لگیں۔ ایک کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم اللہ کے نور ہیں اور دوسرا کہے نہیں۔ بلکہ وہ تو ہمارے جیسے ایک بشر تھے۔ اب ان میاں بیوی کا جھگڑا بڑھا۔ تو ایک پادری صاحب وہاں سے گزرتے۔ اور سارا قصہ سن کر بولے۔ مجھے وہ فوٹو دکھاؤ۔ چنانچہ پادری صاحب کو الماری کھول کر آئینہ دکھایا گیا۔ تو وہ بھی چونکہ اسی شہر کے تھے۔ دیکھ کر بولے۔ یہ تو کسی پیر پادری کا فوٹو ہے۔ یہ کہہ کر آئینہ اٹھا لیا اور گرجے میں لے گئے۔

تو میرے بزرگو! ہمارے حضور ایک آئینہ حق نما ہیں۔ جس نے دیکھا۔ اسے اپنے ہی جذبات کا عکس نظر آیا۔ دعا کرو۔ اللہ تعالیٰ اس کا فی عورت کی طرح نہ بنائے۔ ہاں تو میں بیان یہ کر رہا تھا۔ کہ منکوحہ عورت کو جو بچہ دیا۔ وہ بھی اللہ نے دیا۔ اور رنڈی کو جو بچہ دیا۔ وہ بھی اللہ ہی نے دیا۔ پھر یہ کیا؟ کہ منکوحہ کا بچہ حلالی۔ اور رنڈی کا حرامی۔ تو اس کا جواب بھی یہی ہے کہ منکوحہ عورت نے در مصطفیٰ پر پہنچ کر اور سنت رسول پر عمل کر کے یعنی نکاح کر کے حضور کے وسیلے سے اللہ سے بچہ لیا۔ لہذا یہ بچہ حلالی اور رنڈی نے در مصطفیٰ کو چھوڑ کر وسیلہ رسول سے منہ موڑ کر براہ راست اللہ سے بچہ لیا۔ لہذا اس کا بچہ حرامی!

تو اے میرے بزرگو! معلوم ہوا کہ اللہ کی ہر نعمت حضور ہی کے وسیلے سے ملتی ہے۔ اور اگر حضور کے وسیلے کو چھوڑ دیا جائے۔ تو پھر اس کی ہر نعمت نعمت نہیں رہتی۔ بلکہ لعنت بن جاتی ہے۔ لہذا مسلمان کا یہی ایمان ہے جو علیہ السلام نے بیان فرمایا کہ

لا ورب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا

بٹی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

وہ جہنم میں گیا، جو ان سے مستغنی ہوا

ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

حضرات! آپ سن چکے کہ اللہ نے اپنے محبوب کو کوثر عطا فرمایا ہے

کوثر

اور کوثر کا معنی ہے۔ "بیشمار خوبیاں اور بہت کچھ" تو جسے خود معطی حقیقی بہت کچھ دینے کا اعلان فرمائے۔ اس کے پاس کیا کچھ نہ ہوگا؟ میرے بھائیو! یہ ساری دنیا جس میں امریکہ و افریقہ - یورپ و ایشیا - زمین و آسمان - چاند سورج، اور دیگر بے شمار مخلوق سب کچھ ہے۔ یہ زمین کی وسعت اور اس کے وسیع و طویل جنگلات بے پایاں سمندر اور دریا یہ پہاڑوں کا طویل و عریض سلسلہ اور ان کی سرنگوں بندیاں اور یہ چاند و سورج کی وسعتیں۔ ساتوں زمیوں - اور ساتوں آسمانوں کی عظمتیں وغیرہ من المخلوقات یہ ساری کی ساری چیزیں متاع الدنیا ہیں۔ اور ان سب کو خدا نے متاع الدنیا قلیل فرمایا ہے۔ یعنی ان سب کی سب اشیا کو جن کا شمار اور جن کی عظمتیں احاطہ علم انسانی سے باہر ہیں - خدا فرماتا ہے: "قلیل" یعنی تھوڑی ہیں تو میرے بزرگو! اللہ کا "تھوڑا" آپ نے دیکھ لیا کہ کس قدر بڑا اور احاطہ علم انسانی سے بھی باہر ہے۔ مگر اللہ سے عظمت شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہ وہی خدا جس نے ساری دنیا کے سارے سامانوں کو "تھوڑا" فرمایا ہے۔ اپنے محبوب کے لئے فرماتا ہے۔ اسے محبوب! ہم نے آپ کو کوثر یعنی "بہت زیادہ" عطا فرمایا۔ تو میرے عزیزو! جب خدا کے قلیل ہی کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ تو اسکے کوثر کا اندازہ کون کر سکتا ہے

ہے انتہائے عُلَا ابتدائے اوج یہاں!

ورا خیال سے ہے شان بارگاہِ رفیع!

خداوند کریم کا ایک چلہ | میرے بزرگو! بڑوں کی ہر بات بڑی - خدا سب سے بڑا ہے۔ تو اس کے "کوثر" کی عظمت کو کون بیان کر

سکے؟ یہاں مجھے ایک حدیث یاد آگئی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ اللہ نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا ہے۔ کہ وہ میری امت میں سے چار لاکھ آدمیوں کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کر دے گا۔ حدیث کے لفظ ہیں۔ کہ یہ سن کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

زِدْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ اس سے زیادہ کیجئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر فرمایا۔ اچھا تو اللہ اس طرح اپنے دونوں چلو بھر کے میری امت کو جنت میں داخل کر دے گا۔ صدیق اکبر نے پھر عرض کیا۔

زِدْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ — يَا رَسُولَ اللَّهِ اور زیادہ کیجئے۔

اتنے میں حضرت عمر بولے۔ اے ابوبکر! چھوڑ بھی لینے اب بس بھی کر۔ اس طرح تو لوگ عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔ صدیق اکبر نے فرمایا۔
وَمَا عَلَيْكَ أَنْ يُنْخِلَنَا اللَّهُ كَلَّمْنَا الْجَنَّةَ — یعنی (اے عمر!) اگر اللہ ہم سب کو یونہی جنت میں داخل کر دے۔ تو تیرا کیا بگڑتا ہے؟

حضرت عمر نے جواب دیا۔۔۔ إِنَّ اللَّهَ إِنْ شَاءَ أَنْ يُنْخِلَ خَلْقَهُ الْجَنَّةَ يَكْفِي وَاجِبًا فَعَلَّ — اللہ اگر چاہے۔ تو اپنی ساری مخلوق کو اپنے ایک ہی چلو سے جنت میں داخل کر دے۔

یعنی اے ابوبکر! اللہ کی عظمت و بڑائی کے پیش نظر اس کے چلوؤں کو بھی تو دیکھو۔ اس کے ایک چلو کی بھی وسعت اس قدر ہے۔ کہ یہ ساری مخلوق اس کے ایک ہی چلو میں آسکتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کی یہ بات سنی۔

فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ عُمَرُ — تو حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عمر نے سچ کہا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۸۶)

میرے دوستو! اس حدیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار بھی ثابت ہوا۔ ذرا حدیث کی طرف پھر غور

اختیار مصطفیٰ

کیجئے۔ اور دیکھیے حضور فرماتے ہیں۔ میرے اللہ کا مجھ سے وعدہ ہے۔ کہ وہ چالا لاکھ میرے امتی بغیر حساب کے جنت میں داخل کر دے گا۔ اس پر صدیق اکبر کا عرض کرنا۔ زِدْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ — یا رسول اللہ اور زیادہ کیجئے۔ کیا ہی ایمان افروز اور نخبیت سوز جملہ ہے۔ گویا صدیق کا یہ ایمان ہے کہ اس مقدار میں اضافہ کر دینا یہ حضور کے اختیار میں ہے۔ حضور جو کچھ

یہاں فرما دیں گے۔ وہی کچھ وہاں بھی ہو جائے گا۔ چار لاکھ کا وعدہ اللہ کا ہے۔ مگر اس میں اضافہ کے لئے صدیق اکبر حضور سے فرما رہے ہیں۔ گویا ہم غلاموں کے لئے وعدہ مصطفیٰ ووردہ خدا ہی ہے۔ یعنی اس لب اقدس سے جو ارشاد ہوگا۔ وہی مرضی حق ہوگی۔ اور مَا آدَى رَبِّكَ إِلَّا يَسَارٌ فِي هَذَآلِكَ کے مطابق حضور کے وعدے کو اللہ پورا فرما دے گا۔ اسی لئے مولانا حسن میاں علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ

دکھائی جائے گی محشر میں شانِ محبوبی
کہ آپ ہی کی خوشی آپ کا کہا ہوگا
خداے پاک کی چاہیں گے اگلے پھلے خوشی
خداے پاک خوشی ان کی چاہتا ہوگا

میرے بزرگوار! اس حدیث پاک سے میں بتانا آپ کو یہ چاہتا تھا کہ اللہ کا ایک چلو اس قدر بڑا ہے کہ یہ ساری مخلوق اس میں آسکتی ہے۔ تو ذرا غور کیجئے۔ اللہ کے کوثر کی عظمت و وسعت کس قدر ہوگی۔ تو اللہ نے جس محبوب کو "کوثر" عطا فرمایا ہو۔ نہایت اس کے پاس کیا نہ ہوگا؟ اور یہ زمین و آسمان اور مافیہا کیوں نہ اس کی ملک و اختیار میں ہوگا۔ وہی نور حق وہی نطق رب ہے انہیں سے سب سے انہیں کا سب انہیں ان کی ملک میں آسمان کہ زمین نہیں کہ زباں نہیں

میرے دوستو! اللہ نے جب فرما دیا۔ کہ اے محبوب! ہم نے آپ کو "کوثر" بہت کچھ دیا۔ اور اللہ کے اس بہت کچھ

میں "سب کچھ" ہے۔ تو معلوم ہوا کہ حضور کی ملک میں "سب کچھ" ہے۔ اور آپ زمین و آسمان کے بیابان حق ملک ہیں۔ انہیں حضرت علیہ الرحمۃ "نجدی" کو مخاطب فرما کر فرماتے ہیں۔

ان کو تملیک ملک الملک سے
ملک عتالم کہا، پھر تجھ کو کیا
ان کے نام پاک پر دل جان مال

عبداللہ بن ابی مرثدہ کو یہ
 سب باتیں کہیں کہیں کر کے سوتے ہیں یہ پڑھا کرتا ہے
 اور اس دستبند ہوتا ہے کہ اس سوتے ہیں کہ ایک ہا ہے جس کا وہ
 اس وقت ہے کہ اس نامہ کے مضمون تیسے در حدیث کا تہ نہ کیجئے
 تو یہ پڑھتے ہیں کہ اللہ نے ابن ابی مرثدہ کو جو چیز پڑھنے کی تھی کہ
 وہ کہیں پڑھے کہ اس حقیقت کا علم ہو جائے کہ خالق کائنات نے
 اپنے محبوب کو ایک کائنات بنا دیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
 جو پڑھتا ہے وہ جنت میں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے

لَا يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ فِيهَا مَن يَتَذَكَّرُ وَلَا يَحْتَبِرُ فِيهَا
 مَن يَحْتَبِرُ سَبَّحُ لِلَّهِ فِيهَا مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي
 الْأَرْضِ مَن ذُو الْعَرْشِ وَمَن حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ
 فِيهَا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ حِينَ تَقُومُ وَحِينَ تَسْجُدُ
 وَحِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحُوهُ
 حِينَ قَامَتِ النُّجُومُ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَأَمَّا
 الَّذِينَ ظَلَمُوا فَلَيْسَ فِي جَنَّاتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ
 يَسْمَعُونَ۔ (سورہ نازعات ۲۰-۲۱)۔ اللہ نے جب مجھے جنت میں
 لے گیا تو میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے۔ فرمایا کہ یہ وہ ہے
 جنہوں نے حضور ﷺ کی باتیں سنیں اور انہیں
 جنت کے لیے لیا گیا۔ اور اللہ نے انہیں جنت کے لیے
 لیا ہے۔ اور اللہ نے انہیں جنت کے لیے لیا ہے۔

اور میں نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
 انہیں جنت کے لیے لیا ہے۔ اور اللہ نے انہیں جنت کے لیے لیا ہے۔

میں نے اس سے پوچھا کہ سب پر اپنا نام لکھی پڑا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے
 انہیں جنت کے لیے لیا ہے۔ اور اللہ نے انہیں جنت کے لیے لیا ہے۔
 ہر شے پر اللہ تعالیٰ نے اپنا نام لکھی پڑا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے
 انہیں جنت کے لیے لیا ہے۔ اور اللہ نے انہیں جنت کے لیے لیا ہے۔
 میں نے پوچھا ہے۔ تاکہ لوگ سمجھیں کہ اللہ کی ہر چیز کے یہ نام ہیں۔ خالق
 نے انہیں ایک بنا دیا ہے۔ اور ہر چیز کو مخلوق فرما کر سے ان کا مخلوق کو

دیا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے۔ کہ ایک پرندہ دیکھا جس کے منہ میں سبز رنگ کا ایک موتی تھا۔ وہ موتی اس پرندے نے حضور کے آگے پھینک دیا۔ حضور نے اس موتی کو دیکھا۔ تو اس سبز رنگ کے موتی میں ایک سبز رنگ کا کیرا تھا۔ اس کیرے پر زرد رنگ سے لکھا ہوا تھا۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ — (حجۃ اللہ علی العالمین ص ۲۱۲)

میرے بزرگو! اور بھائیو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اس موتی کے کیرے پر لکھا ہوا حدیث سے ثابت، اور اس کے علاوہ اور بھی کئی واقعات اس نام پاک کے ظہور کے ہیں۔ چنانچہ علامہ بہانی علیہ الرحمۃ نے اپنی جامع کتاب حجۃ اللہ علی العالمین میں انہیں درج فرمایا ہے۔ ایک روایت ان سے یہ ہے کہ ایک جزیرہ میں ایسا درخت پایا گیا۔ جس کے پتوں پر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ ایک دوسری روایت سنئے۔ فرماتے ہیں کہ بلاوہند میں ایک ایسا درخت دیکھا گیا۔ جس کا پھل اخروٹ کی مانند ہوتا ہے۔ اسے توڑا جائے۔ تو اس میں سے ایک سبز رنگ کا کاغذ سا نکلتا ہے۔ جس پر سرخی سے لکھا ہوتا ہے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ محمد رسول اللہ۔ یہ روایت کتاب مذکور کے ص ۲۱۲ پر موجود ہے۔ جس کا دل چاہے دیکھ لے۔ اور پھر راوی نے آگے یہ بھی لکھا ہے کہ :-

وَهُمْ يَنْبَرُكُونَ بِتِلْكَ الشَّجَرَةِ وَيَسْتَقُونَ بِهَا إِذَا مَنَعُوا الْغَيْثَ
اور وہ لوگ اس درخت سے برکت حاصل کرتے ہیں اور بارش بند ہو جائے تو اس درخت کے وسیلے سے داماگتے ہیں۔ تو بارش ہونے لگتی ہے۔

دیکھا آپ نے میرے بھائیو! یہ فیض و برکت اس درخت میں کیسے آگیا؟ صرف اس نام پاک کی برکت سے۔

اور سنئے! بہانی علیہ الرحمۃ اس اپنی کتاب میں درج فرماتے ہیں کہ ایک مچھلی ایسی فشکار کی گئی۔ جس کے ایک پہلو پر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور دوسرے

پہلو پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ ایک اور راوی فرماتے ہیں کہ ۱۹۶۷ء میں میرے پاس ایک بکری تھی۔ جس نے ایک بچہ جنا۔ جس کا رنگ سیاہ تھا۔ اور اس پر کچھ سفید گول دائرہ ہیں بڑی خوبصورتی کے ساتھ لکھا ہوا تھا۔ "ھیں" (صلی اللہ علیہ وسلم)

اور سنئے! فرماتے ہیں افریقہ میں میں نے خود دیکھا ہے۔ کہ ایک شخص کی داہنی آنکھ کی سفیدی میں باریک سرخ خط میں لکھا تھا۔ "محمد رسول اللہ" (صلی اللہ علیہ وسلم) علامہ پنہانی فرماتے ہیں کہ قطب کبیر۔ عالم شہیر اور صادق خیر سینا و مولانا شیخ عبدالوہاب شعرانی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب نوار الانوار القدسیہ میں فرمایا کہ ایک شخص میرے پاس بکری کا بھنا ہوا سر لایا۔ اور مجھے دکھایا کہ اس کی جبین پر لکھا ہوا تھا۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُهُ أَرْسَلَكُ بِالْمُهْدَى وَدِينِ الْحَقِّ يَهْدِي
بِهِ مَنْ تَشَاءُ ط۔

دوستو! یہ ایک بہت بڑے قطب وقت کا شاہدہ ہے۔ اس میں شک کرنے والا دل کا اندھا ہی ہو سکتا ہے۔ اور ہمارا تو ایمان ہے۔ کہ بیشک بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کا نام ان اشیا پر لکھ کر اپنے محبوب کی عظمت اور آپ کی ملک و حکومت کا اظہار فرمایا ہے۔

حضرت ابو عبید اللہ محمد بن الفضل مالکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تحفۃ الاخیار میں فرماتے ہیں۔ میں نے ایک سفر میں ایک محلہ میں ایک ہرنی دیکھی۔ جس کے دونوں کانوں پر "ھیں" لکھا ہوا تھا۔ حضرت مفری فرماتے ہیں۔ میں نے ۱۰۲۶ھ میں شہر فاس میں ایک سیاہ رنگ کا پتھر دیکھا۔ جس پر قلم قدرت سے ایک طرف لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور دوسری طرف محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ اس پتھر کی مالک ایک عورت تھی۔ میں نے اس پتھر سے دو گنا سونا دے کر اسے خریدنا چاہا۔ مگر وہ راضی نہ ہوئی۔ مجھے معلوم ہوا۔ کہ عورتیں اس پتھر سے بڑا فائدہ حاصل کرتی ہیں۔ عسر ولادت کے وقت جو عورت اس مبارک پتھر کو ماتحت میں پکڑ لے۔ بچہ بڑی آسانی سے پیدا ہو جاتا،

اے صل علی نام ہے کیا نام محمد!

ہر درد سے لیتا ہے بچا نام محمد!

میرے دوستو! درود شریف پڑھو۔

صَلِّ اللّٰهَ عَلَیْكَ وَسَلِّمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ!

صَلِّ اللّٰهَ عَلَیْكَ وَسَلِّمْ يَا حَبِیْبَ اللّٰهِ!

اور غور کرو۔ کہ جس کے نام پاک ہیں یہ فیض و برکت ہے۔ کہ ایک پتھر پر نقش ہو کر اس پتھر کو لا علاج امراض کی دوا بنا دیتا ہے۔ بھلا خود اس نام والے وجود باجود میں کس قدر برکتیں ہوں گی۔ اور پھر وہ اللہ والے جن کے دلوں میں یہ نام پاک نقش ہے۔ ان اللہ والوں کے فیوض و برکات سے انکار کرنا کیوں جہالت نہ ہوگی؟

میرے بزرگو! یہ جس قدر واقعات میں نے سنائے ہیں۔ یہ اور ان کے علاوہ اور بھی کئی ایک واقعات علامہ بہمانی علیہ الرحمۃ کی کتاب حجۃ اللہ علی العالمین میں ص ۲۱ سے لے کر ص ۲۱۶ تک موجود ہیں۔ جس کی طبیعت چاہے دیکھ لے۔

اور سنئے! علم الحیوانات کے ماہر عالم اور اسلامی دنیا کے ماہر ناز محقق حضرت علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ جن کی کتاب حیوۃ الحیوان میں لکھتے ہیں کہ عبد الرحمن بن لارون ٹھرتے ہیں۔ کہ میں بحر مغرب میں سفر کر رہا تھا۔ کہ ایک ایسے شہر میں پہنچا۔ جس کا نام برطون تھا۔ میرے ساتھ ایک غلام تھا جس کے پاس مچھلی پکڑنے کا جال تھا۔ اس نے جال دریا میں ڈالا تو ایک ایسی مچھلی جال میں آگئی جو بالشتت بھر گئی۔ ہم نے اسے دیکھا۔ تو اس کے داہنے کان کے نیچے لآ الہ الا اللہ لکھا تھا۔ اور اڑپر سر پر "مچھلی" اور پھر بائیں طرف نیچے "رسول اللہ" لکھا ہوا تھا۔ (حیوۃ الحیوان ص ۲۱)

میرے بزرگو! ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے۔ کہ دہلی کے رائے سینا کی تعمیر کے وقت ایک سنگ مرمر ایسا دستیاب ہوا۔ جس میں اسم محمد لکھا ہوا تھا۔ چنانچہ قلم قدرت سے لکھے ہوئے اس نام کا فوٹو بھی لیا گیا اور

اس مبارک نام کے عکسی قلمے عام ملتے رہے ہیں۔ میں نے خود اس عکسی قلمے کی زیارت کی ہے۔ آپ میں سے بھی کئی حضرات نے یہ مبارک نام دیکھا ہوگا۔ اور کچھ عرصہ ہوا۔ جبل پور کے لوگوں نے اس نام پاک کا اعجاز اس طرح دیکھا تھا کہ ایک رات کو اچانک تیز روشنی ہوئی۔ لوگوں نے اوپر دیکھا تو آسمان پر نوری خط سے لکھا تھا۔ ”حجتا“ اور ان حرفوں سے نور نکل رہا تھا۔ اس واقعہ کا تذکرہ حسن نظامی نے بھی اپنے اخبار ”منادی“ میں کیا تھا اور ہمارے قصہ کوٹلی کا یہ واقعہ تو کوٹلی کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ کہ ایک عورت روٹی پک رہی تھی کہ اچانک تو سے پر پکتے پکتے اس روٹی پر نام محمد لکھا گیا۔ عورت نے اپنے والد کو وہ روٹی دکھائی۔ وہ شخص وہ روٹی حضرت والد ماجد نقیبہ اعظم علیہ الرحمۃ کے پاس لے آیا حضرت نے اسے چونا اور پھر کوٹلی کے ہر مسلمان اور ہندو۔ سکیمہ افراد نے بھی اسکی زیارت کی۔ اسی واقعہ کو جناب الدین شاعر نے پنجابی نظم میں لکھا ہے۔ جسکا نام قلم قدرت ہے۔ اور جسکا اشتہار آپ ماہ طیبہ میں پڑھتے رہے ہیں۔ اور جو ہزاروں کی تعداد میں نکل چکی ہے اور ہزاروں لوگوں نے اس نورانی واقعہ کو پڑھا ہے۔

حضرت! اب آپ خود ہی سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جو حضور کا نام ہر شے پر لکھ دیا۔ آخر کیوں؟ یاد رکھئے صرف اس لئے کہ اللہ کے بندے جان جائیں۔ کہ اللہ تعالیٰ جو خالق کل ہے۔ اس نے اپنے محبوب کو ہر شے کا مالک بنا دیا ہے۔ خالق کل نے آپ کو مالک کل بنا دیا!

دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضہ و اختیار میں

! وجود ان خالق کے جو شخص یہ کہے کہ جس کا نام محمد ہے۔ وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں۔ تو فرمائیے اُسے کیا کہا جائے۔ بجز اس کے کہ ظالم تو اس نام سے واقف ہی نہیں۔ اور تیری قسمت میں اس نام پاک کا عرفان ہے ہی نہیں۔

حضرات! پہلی حدیث سے ثابت ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کا نام جنت کی ہر چیز پر بھی لکھا ہے۔ چنانچہ امام قسطلانی

بمآلک جنت

شارح بخاری ص ۱۰۱ لدنیہ میں فرماتے ہیں :-

وَكُنِيَّتُهُ أَبُو الْقَاسِمِ لِأَنَّهُ يُقَسِّمُ الْجَنَّةَ بَيْنَ أَهْلِهَا (مواہب لدنیہ ص ۱۲)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابو القاسم ہے۔ اس لئے

کہ آپ مستحقین میں جنت بانٹتے ہیں۔

کیوں بھائیو! اگر حضور جنت کے مالک نہ ہوں۔ تو اسے تقسیم کیسے فرمائیں؟

ہر حال یہ جنت حضور کی ہے۔ اور احمد باللہ ثم الحمد للہ! کہ جنت بھی حضور کی

ہے۔ اور ہم گنہگار امت بھی حضور کی ہیں۔ اور حضور کے فضل و کرم سے

امید ہے کہ ہم جنت میں ضرور جاؤں گے۔ اس لئے کہ

گنہگاروں کو جنت سے کوئی روکے تو کیوں روکے

جو جنت مسلمانوں کی اتو یہ امت ہے۔

ہاں جو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ملک و تصرف کے نگران ہیں

وہ بیشک ہمارے حضور کی جنت سے محروم رہیں گے۔ اسی لئے اہل معرفت سے

فرمایا ہے۔

تجد سے اور جنت سے کیا مطلب و لابی دور ہو

ہم رسول اللہ کے، جنت رسول اللہ کی

بیچے ایک اور حدیث سنئے۔ جس سے عبادت ثابت ہوتا ہے کہ

ایک اور حدیث

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت کے بانی مالک ہیں اور مشرف

و مختار ہیں۔ جسے چاہیں دیں۔ جسے چاہیں نہ دیں۔ حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ

عنه فرماتے ہیں۔ میں خدمت کے لئے راستہ کو حضور کے پاس سوتا تھا۔ ایک مرتبہ

میں نے حضور کو وضو کرایا۔ تو حضور علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: "سئل عنی

کچھ مالک! میں نے عرض کیا۔ اَسْأَلُكَ مَرَّاتٍ فِي الْجَنَّةِ۔ حضور ہیں

آپ سے یہ مانگتا ہوں۔ کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں۔

یعنی یا رسول اللہ! جنت بھی دیجئے اور جنت میں اپنی رفاقت بھی

عطا فرمائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَوْ غَيْرُ ذَلِكَ۔ کچھ اور بھی

عرض کیا۔ بس یا رسول اللہ! جو عرض کر چکا۔ فرمایا! اچھا نماز کثرت سے

پڑھتے رہو۔

مسلمانوں! یہ حدیث مشکوٰۃ شریفینا کے ص ۷۱ پر موجود ہے۔ دیکھ لو۔ اول تو خود حضور کا ارشاد کہ مجھ سے کچھ مانگ لو۔ اس امر پر شاید ہے کہ حضور مالک معطی ہیں۔ آپ اپنے غلاموں کو دینے والے ہیں۔ بھلا وہ جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ کب یہ کہتا ہے۔ کہ مجھ سے کچھ مانگ لو۔ اور پھر صحابہ کرام کا عقیدہ بھی دیکھئے۔ کہ حضرت ربیعہ نے یہ نہیں عرض کیا۔ کہ حضور! آپ سے مانگ کر کیوں از تکابِ شرک کروں۔ ہمیں جو مانگنا ہے اللہ سے مانگ لینگے۔ نہیں بلکہ عرض کیا۔ حضور! آپ سے جنت اور اس میں آپ کی رفاقت مانگتا ہوں۔ گویا صحابہ کا ایمان تھا۔ کہ حضور جنت کے مالک ہیں۔ جیسی تو جنت مانگی اور پھر حضور نے بھی یہ نہیں فرمایا۔ کہ جنت پر میرا کیا اختیار۔ نہیں! بلکہ فرمایا۔ اچھا نمازیں پڑھتے رہنا۔ گویا ہم نے تمہیں جنت اور اس میں اپنی رفاقت دیدی۔ سبحان اللہ! یہ شان ہے ہمارے حضور کے مالک و اختیار کی۔ سچ ہے۔

کس چیز کی کمی ہے مولا تری گلی میں

دنیا تری گلی میں عقبتے تری گلی میں

اب پوچھئے اس نام کی تقویٰ الایمان اور کام کی تقویٰ الایمان سے کہ تری یہ بیہودگی کہ جس کا نام محمد ہے۔ وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں۔ تقویٰ الشیطان اور جہنم کا سامان ہے یا نہیں؟ مسلمانو! اپنے عقیدہ پر جسے رہو۔ کہ ہمارے حضور خدائی بھر کے مالک و مختار ہیں۔ اور یہ شان اللہ نے انہیں عطا فرمائی ہے۔ وہ دینے والا ہے۔ اور یہ لینے والے ہیں۔ اور تماشا یہ ہے کہ وہ دیتا ہے یہ لیتے ہیں۔ اور دشمنانِ رسول جلتے ہیں۔ اور کیوں نہ جلیں۔ جبکہ انہیں جلدنا ہی ہے۔ یہاں بھی اور وہاں بھی۔ ایسے لوگ حاسد اور بخیل ہیں۔ اور انکا عجب حال ہوتا ہے۔ دیتا کوئی ہے اور جلتے یہ ہیں۔ چنانچہ ایک منظوم لطیفہ ہے۔

بیوی بولی شوم کی کیوں ہے بدن علییل

کیا گرہ سے کھل پڑا یا کسی کو دیل

منظوم لطیفہ

یعنی ایک بخیل کی بیوی نے اپنے بخیل خاوند کو دیکھا۔ کہ وہ بڑا پریشان سا نظر آ رہا ہے۔ تو پوچھا کیا کچھ گر گیا ہے؟ یا کسی کو کچھ دے بیٹھے ہو؟ جو

پریشان نظر آ رہے ہو۔ تو وہ بخیل بولا :-

نہ گره سے کھل پڑا نہ کسی کو دہل

دیتے دیکھا اور کو تو ہے بدن علیل

یعنی نہ تو کچھ گره سے گرا ہے۔ نہ کسی کو کچھ دیا ہے۔ بلکہ کسی دوسرے

آدمی کو سخاوت کرتے دیکھا ہے۔ اس لئے پریشان ہوں۔

مسلمانو! یہی حال ان دشمنوں کا ہے۔ کہ حضور کا خدا حضور کو دیتا ہے

اور یہ اس کی عطا کو دیکھ کر جلتے ہیں اور مرتے ہیں مگر سہ

ہے گا یونہی ان کا چرچا رہے گا۔

پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

میرے بزرگو! اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ

عمل ضروری ہے

ہیں جنت میں جانے کے لئے عمل بھی کرنا ضروری ہے

دیکھئے حضور علیہ السلام نے حضرت ربیعہ سے فرمایا کہ نمازیں پڑھتے رہنا۔ گویا

جنت میں تجھے لے تو جاؤں گا۔ مگر تم بھی عبادت میں کوشش کرنا۔ میرے

عزیزو! آج کل ہم میں سے بھی ہر ایک جنت کا طالب تو ضرور ہے۔ مگر

افسوس کہ نماز روزہ کے معاملہ میں ہم بڑے سست واقع ہوئے ہیں۔ نام

کے مسلمان ہیں۔ ایک بار کلمہ پڑھ لیا۔ اور پھر چھٹی۔ نہ نماز نہ روزہ نہ حج

نہ زکوٰۃ اور نہ کوئی اور نیک عمل۔ اور کہا یہ جانا ہے۔ کہ صاحب! جس

نے کلمہ پڑھ لیا۔ بس وہ جنت کا مالک بن گیا۔ پھر اس نماز روزہ کی کیا

حاجت! توبہ! توبہ! میرے دوستو!

ریلوے ٹکٹ کی مثال سامنے رکھو۔ دیکھتے آپ مثلاً لاہور سے

ریلوے ٹکٹ

کراچی تک جانے کے لئے ٹکٹ خریدیں۔ تو اس ٹکٹ پر یہ

لکھا ہوا موجود ہوگا۔ "لاہور سے کراچی" مگر یہ ٹکٹ لے کر آپ پھر اپنے گھر جا

لیٹیں۔ اور آرام سے سو جائیں۔ اور اگر کوئی پوچھے کہ آپ کراچی کیوں نہیں

گئے۔ تو آپ اس کے سامنے ٹکٹ کر دیں۔ کہ یہ دیکھتے میرے پاس کراچی کا

ٹکٹ موجود ہے۔ میں کراچی پہنچ جاؤں گا۔ تو سب آپ کو بیوقوف کہیں گے۔

اور جواب یہی دیں گے کہ صاحب! اگرچہ آپ کے پاس یہ ٹکٹ موجود ہے جس پر "لاہور سے کراچی" لکھا ہوا ہے۔ مگر آپ جب تک پلیٹ فارم پر جا کر ٹرین پر سوار نہ ہوں گے۔ اور ۲۴ گھنٹے کی زحمت سفر برداشت نہ فرمائیں گے۔ آپ اس ٹکٹ کے باوجود بھی ہرگز کراچی نہ پہنچ سکیں گے۔ تو اسی طرح میرے بھائیو! ہمارے پاس لا الہ الا اللہ کا ٹکٹ تو بیشک موجود ہے۔ اور بیشک یہ ٹکٹ سیدھا جنت کا ہی ہے۔ مگر خوب یاد رکھیے کہ یہ ٹکٹ لے کر بھی ہم جب تک عملی پلیٹ فارم پر قدم نہ رکھیں گے اور نماز و روزہ اور دیگر ارکان اسلامیہ کی ٹرین پر سوار نہ ہوں گے۔ اس وقت تک ہم اس ٹکٹ کے باوجود بھی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔ لہذا ضروری ہے کہ مسلمان کو اگر جنت کی خواہش ہے۔ تو احکام شریعت پر عمل بھی کرے۔ اور اپنے آپ کو اس شعر کے مطابق بنائے کہ

مصنور دیکھنا تصویر میری یوں بناتی ہو

ادھر حکم الہی ہوا ادھر گردن جھکائی ہو

حضرات اکوثر کا ترجمہ اور تفسیر آپ سن چکے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو "ہمت کچھ" عطا فرمایا۔ مفسرین کرام علیہم

حوض کوثر

الرحمۃ نے کوثر سے مراد حوض کوثر بھی بیان کیا ہے۔ مگر جب کوثر کا ترجمہ بشمار "خوبیاں" "خیر کثیر" اور "ہمت کچھ" کیا جائے گا۔ تو حوض کوثر بھی خود بخود اس میں آجائے گا۔ چنانچہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کوثر کی تفسیر "خیر کثیر" سے فرمائی۔ تو سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ لوگ تو کہتے ہیں۔ کوثر سے مراد حوض کوثر ہے۔ تو ابن عباس نے فرمایا۔

مَنْ شَرِبَ مِنْ حَوْضِ الْكُثْرِ بِحَسْبِ حَسْبِ حَوْضِ الْكُثْرِ (روح البیان ص ۷۹)

تو میرے بھائیو! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منجملہ خیر کثیر کے یہ حوض کوثر بھی عطا ہوا۔ اور حضور اس حوض کوثر کے بھی مالک ہیں۔ یہ حوض کوثر کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ یہ ایک جنت کا نہر ہے

مَاءٌ لَا أَبْيَضُ مِنَ اللَّبَنِ وَرِيحُهُ أَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ وَكَيْفَ أَنْتَ

كُنْجُومِ السَّمَاءِ مَنْ يَشْرِبُ مِنْهَا فَلَا يَظْمَأُ أَبَدًا - (مشکوٰۃ شریف ص ۷۷)

اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید خوشبو اس کی مشک سے زیادہ خوشبودار۔ اور جام اسکے آسمان کے تاروں کے برابر ہیں۔ جو شخص ایک بار اس کا پانی پی لیگا۔ پھر کبھی وہ پیاسا نہ ہوگا۔

میرے بزرگوا! یہ ہے وہ حوض کوثر جو منجملہ دیگر خوبوں کے حضور کو عطا ہوا۔ حضور اس کے مالک ہیں۔ اور اللہ نے حضور کو اس کا مالک بتایا ہے۔

حشر میں حضور کی تلاش | ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کل قیامت کے دن اس حوض سے اپنے غلاموں کو پانی پلانے کے

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

كُنْجُومِ السَّمَاءِ مَنْ يَشْرِبُ مِنْهَا يَمُوتُ بِمَاءِهَا

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے ایک مرتبہ حضور سے عرض

کیا۔ یا رسول اللہ! کل میدان حشر میں آپ کو کہاں ڈھونڈوں۔ آپ کہاں

ہوں گے؟ حضور نے فرمایا۔ سب سے پہلے تو مجھے "پل عراق" پر دیکھنا۔

حضرت انس نے عرض کیا۔ اور حضور اگر آپ وہاں نہ ہوتے تو؟ تو فرمایا۔ پھر

میزان کے پاس دیکھنا۔ وہاں ہوں گا۔ عرض کیا۔ حضور اگر وہاں بھی نہ

پاسکوں تو پھر؟ فرمایا۔

فَاَطْلُبْنِي عِنْدَ الْحَوْضِ فَإِنِّي لَا أُخْطِئُ هُنَاكَ الثَّلَاثَ النَّوَاطِرَ

پھر مجھے حوض کوثر پر تلاش کرنا۔ میں ان تین جگہوں میں سے

ایک نہ ایک جگہ غمزد ہوں گا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۷۷)

سبحان اللہ! لاکھوں درود اور کروڑوں سلام غمزد امنی پر جو اپنے

غلاموں کی خاطر یا پل عراق پر تشریف فرما ہوگا۔ اور اپنے غلاموں کو اپنی حشر

سے پار گزار رہا ہوگا۔ یا میزان کے پاس تشریف فرما ہوگا۔ اور اپنے گنہگار

غلاموں کے نیکیوں کے ہلکے پلے اپنے گراں قدر انعامات و الطاف سے

بھاری فرار رہا ہوگا۔ یا حوض کوثر پر تشریف فرما ہوگا۔ اور اپنے پیاسے

غلاموں کو جام پلا رہا ہوگا۔ شاعر نے اس حدیث کا ترجمہ کیا ہے اور حضور

کا جواب اس طرح لکھا ہے کہ سہ
یا ہوں گا میں کوثر پہ پلاتا ہوا پانی
یا میں پہ کھڑا ہونگا حفاظت کو تمہاری
شاعر پھر لکھتا ہے :-

گر حکم جہنم کا مجھے دے گا الہی
اس وقت میں چلاؤں گا اور دوں گا دہائی
اور بھیجے پکڑنے کیلئے اس نے سپاہی !
ٹھہرو میں ذرا اپنے محمد کو بلا لوں

آئینگے شبہ والا مدد کرنے اسی دم
میں آیا ہوں بن کر تراموس ہمدم
اور بھائیو! پھر جسے اس مبارک کلمی میں پناہ مل گئی اسے پھر کیا خطرہ سہ
ڈھونڈنا ہی کریں صدر قیامت کے سپاہی

وہ کس کو ملے جو ترے دامن میں چھپا ہو
بزرگو! خدا تعالیٰ نے انا اعطیناک الکوثر فرما کر پھر فرمایا۔
فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ تو تم اپنے رب کیلئے نماز پڑھو۔

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ نے اپنی تفسیر کبیر میں اس آیت کے تحت ایک
بڑی پر لطف بات لکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے
کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو تفضلاً کوئی چیز دے۔ یعنی ہبہ کر دے
تو وہ اپنی دی ہوئی چیز واپس بھی لیتا چاہے۔ تو اگرچہ یہ بات مناسب نہیں۔
مگر وہ واپس لے سکتا ہے۔ اور اگر لینے والا بھی اس کے عوض کچھ دیدے۔
چاہے ایک پائی ہی کی چیز کیوں نہ ہو۔ تو پھر اس صورت میں دینے والا
اپنا عطیہ واپس نہیں لے سکتا۔ تو بنا بریں حق تعالیٰ نے حضور کو کوثر عطا
فرمایا۔ اور شبہ مذکور کو دور فرمانے کے لئے فرما دیا۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ اس کے عوض میں، تم اپنے رب کے لئے
نماز پڑھو۔ اور قربانی دو۔

تاکہ اس عطا کے بعد آپ کی طرف سے بھی عوض کا ظہور ہو جائے۔

اور کوثر ہمیشہ کے لئے آپ ہی کا رہے۔ (تفسیر کبیر ص ۲۹۶ ج ۸)

اخلاص عمل حضرات اَقْصَىٰ لِرَبِّكَ فِي حَرْفِ لٍ "قابل غور ہے، خدا

نے یہاں سے اخلاص عمل کا درس مستنبط فرمایا ہے۔ کہ گویا خدا کا ارشاد ہے کہ نماز پڑھو تو خاص اپنے رب کیلئے یعنی ریا کاری کے لئے نہ پڑھو۔

بلکہ بڑے حسنِ خلوص کے ساتھ اور صرف اللہ کے لئے پڑھو۔ مسلمانو! اخلاص عمل جان عمل ہے۔ اگر یہ اخلاص نہ رہا تو سمجھ لو کہ وہ عمل بیکار ہو گیا حدیثاً اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ کے مطابق جیسی نیت ہوگی۔ ویسا ہی اثر مرتب ہوگا۔ چنانچہ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے :-

ایک عابد کی حکایت کہ ایک عابد کو جو عرصہ دراز سے عبادت الہی میں

مہروف تھا۔ لوگوں نے کہا کہ یہاں ایک قوم ہے جو ایک درخت کی پوجا کرتی ہے۔ عابد سن کر بڑا غصے میں آیا۔ اور اسی وقت

کلہاڑا لے کر اٹھا۔ اور اس درخت کو کاٹنے کے لئے چل پڑا۔ راستے میں اسے شیطان ایک شیخ کی صورت میں ملا۔ اور پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ عابد

نے بتایا کہ وہ درخت جسے لوگ پوجتے ہیں۔ کاٹنے جا رہا ہوں۔ شیطان نے کہا۔ تو ایک درویش آدمی ہے۔ تجھے اس جھگڑے میں پڑنے کی کیا ضرورت

ہے؟ خواہ مخواہ اپنی عبادت کا وقت ضائع کر دے۔ جاؤ گھر جا کر اللہ اللہ کرو۔ عابد نے کہا۔ تو میری راہ چھوڑ۔ میں اس کام سے باز نہ رہوں گا۔

میرے لئے یہ کام بھی عبادت ہی ہے۔ شیطان نے کہا۔ مگر میں تجھے ہرگز جانے نہ دوں گا۔ عابد نے کہا۔ دیکھوں تو، تو میری ماہ کیسے روکتا ہے

بس پھر کیا تھا۔ عابد و شیطان دونوں کی لڑائی شروع ہو گئی۔ اور دونوں آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد عابد نے شیطان کو

نیچے گرا لیا۔ اور اس کی چھاتی پر سوار ہو گیا۔ شیطان نے کہا۔ مجھے چھوڑ دے۔ اگر چھوڑ دے گا۔ تو میں تجھے ایسی بات بتاؤں گا۔ کہ تو خوش ہو جائے گا۔ چنانچہ عابد نے اسے چھوڑ دیا۔ اور شیطان نے اٹھ کر کہا۔

کہ دیکھ تجھے اس درخت سے کیا مطلب۔ لوگ پوچھتے ہیں تو پوچھنے دو۔ اگر اللہ کو یہ درخت کٹواتا ہی منظور ہوا۔ تو کسی بی بی کو بھیج کر کٹوائے گا۔ تو واپس چلا جا۔ اور اللہ اللہ کر! میری بات مان کر اگر تو واپس چلا گیا۔ تو میں ہر روز صبح تیرے تکیے کے نیچے دو دینار رکھ دیا کروں گا۔ تو فقیر آدمی ہے اس طرح تو نان و نفقہ سے بے نیاز ہو جائے گا۔ درخت کے قصے کو چھوڑ اور واپس چلا جا۔

عابد نے جب دو دینار ہر روز ملنے کا سنا۔ تو سوچنے لگا۔ کہ بات تو ٹھیک ہے۔ میں کوئی بی بی تو ہوں نہیں۔ کہ درخت کا کاٹنا مجھ پر ضروری ہو۔ نہ خدانے مجھے اس کے کاٹنے کا حکم ہی دیا ہے۔ کہ میں نہ کاٹنے سے گنہ گار ہو جاؤں گا۔ یہ شیخ جو کچھ کہہ رہا ہے۔ یہی ٹھیک ہے۔ یہ سوچا اور کہا اچھا تو میں واپس جانا ہوں۔ اب تم بھی اپنا وعدہ پورا کرنا۔ چنانچہ رات کو سویا اور صبح اٹھا۔ تو واقعی اس کے تکیے کے نیچے دو دینار پڑے ہوئے تھے۔ بڑا خوش ہوا۔ دوسرے دن بھی اٹھا۔ تو دو دینار مل گئے۔ مگر جب تیسرے دن اٹھا۔ تو دینار و دینار کچھ بھی نظر نہ آئے۔ اب تو عابد صاحب بڑے غصے میں آئے۔ اور پھر کلہاڑا لیا۔ اور درخت کاٹنے چل پڑے راستے میں پھر شیطان اسی شکل میں ملا۔ اور پوچھا۔ خیر تو ہے؟ آج پھر اسی طرف جا رہے ہو۔ عابد نے کہا۔ آج میں پھر اسی درخت کے کاٹنے کو جا رہا ہوں۔ شیطان نے کہا۔ میں آج بھی نہ جائے دوں گا۔ عابد نے کہا۔ آج تو میں ضرور ہی جاؤں گا۔ اس جھگڑے میں پھر لڑائی شروع ہو گئی۔ اور تھوڑی دیر میں پہلے دن کے خلاف شیطان نے عابد کو گرا لیا۔ اور عابد کی چھاتی پر سوار ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔ اگر درخت کاٹنے سے باز آ جائے تو بہتر ورنہ ابھی ذبح کر دوں گا۔ عابد نے محسوس کیا کہ آج مجھ میں اسکے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے۔ کہنے لگا۔ یہ تو بتا دو۔ کہ اس دن تو میں نے تجھے گرا لیا تھا۔ مگر آج یہ کیا بات ہوئی۔ کہ تو مجھ پر غالب آ گیا ہے شیطان کہنے لگا۔ کہ اس دن تو تو خالص اللہ کے لئے درخت کاٹنے

جاری تھا۔ اور تیری نیت میں خلوص تھا۔ اور آج تجھے دو دینار کے نہ ملنے کا غصہ ہے۔ اور نیت میں وہ اس دن والا خلوص نہیں
(ترجمہ المجالس ص ۱۰۱)

دیکھا میرے دوستو! اہل خلوص حضرات پر شیطان کا قابو نہیں چلتا۔
وہ تو پہلے دن ہی خدا کے سامنے شیطان نے اقرار کر لیا تھا۔ کہ
إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ۔

یعنی تیرے فطری بندوں پر میرا قابو نہ چلے گا۔ اور سنیے اس نیت
کا بدل جانا کیا کیا گل کھلاتا ہے۔ علامہ دمیری علیہ الرحمۃ حیوۃ ایمران
میں لکھتے ہیں۔

کہ ایک بادشاہ کو اپنی مملکت کی سیر کرتے ہوئے کسی
گاؤں میں ایک دہقانی کے ہاں رات بسر کرنے کا
اتفاق ہوا۔ دہقانی کو علم نہ تھا کہ یہ بادشاہ ہے۔

ایک بادشاہ اور
دہقانی کی حکایت

اس نے عام مہمان سمجھ کر بڑی خدمت کی۔ اور رات کو جب دہقانی اپنی
گائے کا دودھ دوہنے لگا۔ تو بادشاہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کہ اس ایک
گائے نے تین گائے کے دودھ کے برابر دودھ دیا ہے۔ بادشاہ نے اسی وقت
دل میں ارادہ کر لیا۔ کہ واپس جاتے ہی شاہی حکم سے اس گائے کو اپنے
قبضے میں کر لوں گا۔ دوسرا دن بھی بادشاہ وہیں رہا۔ اور دوسرے دن اس
گائے کا دودھ دوہا گیا۔ تو بادشاہ نے دیکھا۔ کہ دودھ آدھا رہ گیا ہے۔

بادشاہ نے دہقانی سے پوچھا۔ کہ آج گائے نے دودھ کم کیوں دیا؟ اور دہقانی
کہنے لگا۔ میرے خیال میں آج ہمارے بادشاہ کی نیند میں لکڑی فٹور آ گیا ہے
اور اس نے اپنی رعایا کے کسی فرد پر ظلم کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ پس
یہ اس کی بد نیتی کی غوسٹ ہے۔ جو سارے ملک پر اثر انداز ہو گئی ہے
اور میری گائے کے دودھ سے بھی برکت اڑ گئی ہے۔ بادشاہ پرسن کر
دل ہی دل میں بڑا شرمندہ ہوا۔ اور اسی وقت اپنا ارادہ بدل ڈالا اور
پتھے دل سے عہد کر لیا۔ کہ میں ہرگز ایسا ظلم نہ کروں گا۔ تیسرا دن بھی

بادشاہ وہی رہا۔ اور دیکھا کہ تیسرے دن گائے نے پھر پورا دودھ دیا ہے۔ کم نہیں ہوا۔ دہقانی آیا اور کہنے لگا۔ **الحکم للہ!** ہمارے بادشاہ کی نیت درست ہو گئی ہے۔ (حیوۃ الحیوان ص ۱۳۵ ج ۱)

میرے بھائیو! اس حکایت سے اندازہ لگا لو۔ کہ آج دنیا بھر میں جو نحوست ہی نحوست نظر آرہی ہے۔ اور کسی چیز میں برکت نہیں رہی۔ اسکی وجہ دراصل یہی ظلم و ستم کا عام ہونا ہے۔ آج اس ظلم و ستم نے ہر شخص کو بد حال و پریشان کر رکھا ہے۔ اور یہ جس قدر بھی مصیبتیں اور تنگیوں ہمارے سامنے آرہی ہیں۔ یہ ہمارے اپنے ہی اعمال و افعال اور بری نیتوں کا پھل ہیں۔

جب میں کہتا ہوں کہ یا اللہ مرا احوال دیکھ
حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامہ اعمال دیکھ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک حکایت

مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے ثنوی شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ ایک جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ

نے ایک کافر پر قابو پا لیا۔ اور اسے گرا کر اس پر تلوار چلانے لگے۔ کہ اس کافر نے حضرت کے منہ پر تھوک دیا۔ حضرت علی نے فوراً تلوار میان میں کر لی۔ اور پیچھے ہٹ گئے۔ کافر بڑا جبران ہوا۔ کہ علی نے مجھ پر پورا پورا قابو پا لیا تھا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ کیوں دیا۔ چنانچہ حضرت علی سے اس نے اس کی وجہ دریافت کی۔ تو فرمایا

گفت من تیغ از پی حق سے زخم بے بندہ حقم نہ مامور تنم

شیر حقم نیتم شیر ہوا بے فعل من بر دین من باشد گواہ

یعنی میں حق کا شیر ہوں۔ خواہش کا غلام نہیں ہوں۔ تلوار میں نے محض رضائے حق کے لئے پکڑی ہے۔ میں حکم خدا کا بندہ ہوں۔ اپنے نفس کا بدلہ لینے کے لئے مامور نہیں ہوں۔ میں خدا کے لئے تجھ سے لڑ رہا تھا۔ اور اسی کے لئے تجھے مارنے والا تھا۔ کہ تو نے مجھ پر تھوک دیا۔ تو مجھے اس پر غصہ آگیا۔ اور میں نے دیکھا۔ کہ اب اس خالص لوجہ اللہ جنگ میں اپنے

نفس کا غصہ بھی شامل ہو گیا ہے۔ اور خلوص جاتا رہا ہے۔ تو میں اس ڈر سے پیچھے ہٹ گیا۔ کہ میرا یہ کام اخلاص سے خالی شمار نہ ہو۔ کافر نے یہ ایمان افروز ارشاد سنا۔ تو قدموں میں گر کر مسلمان ہو گیا۔

سبحان اللہ! کیا لوگ تھے کہ جن کا ہر عمل محض لوجہ اللہ ہوتا تھا اور ریا کاری یا خواہش نفس کا نام تک نہ ہوتا تھا۔

مسلمانو! ہمیں بھی لازم ہے کہ ہم بھی ہر عمل محض خدا کیلئے کریں اور ریا کاری کو کبھی نزدیک تک نہ آنے دیں۔

حضرات! اس سورت کے آخر میں اللہ نے فرمایا ہے۔ کہ یہ آپ کو "ابتر" کہنے

اِنَّ شَانِكَ هُوَ الْاَبْتَرُ

والے دشمن خود ہی "ابتر" ہیں۔ ان بے ایمانوں کا اپنا ہی نام و نشان مٹ جائے گا۔ اور آپ کا نام پاک ہمیشہ کے لئے قائم و دائم رہے گا۔ چنانچہ دشمنانِ رسول کا دیکھ لیجئے۔ نام و نشان مٹ چکا ہے۔ اور سرکار کا ذکر و نام دن دن ترقی و عروج پر ہے۔ اور قیامت تک اسی طرح دن بدن بڑھتا ہی رہے گا۔

دشمنانِ رسول تھے۔ اور مٹ گئے ہیں۔ اور مٹ رہے ہیں۔ ہونگے اور مٹ جائیں گے۔ اوسے - ذکر رسول تھا اور رہا۔ ہے اور باقی ہے۔ ہوگا اور رہے گا۔ مٹانے والے خود مٹ گئے۔ مٹ رہے ہیں اور مٹ جائیں گے۔ مگر ذکر مصطفیٰ نہ مٹا ہے نہ مٹے گا۔ اور نہ مٹ سکتا ہے۔

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعداد تیرے

نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا!!

وَالْاٰخِرُ خَيْرٌ مِّنَ الْاَوَّلِ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَدَيْتُ الْعَالَمِيْنَ

پہنچنا و عطا

نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ وَالصَّلَاةُ
وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ

أَمَّا بَعْدُ

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ

بے شک اللہ کی طرف سے ایک نور آیا۔ اور روشن کتاب۔

حضرت! آج میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کا بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اور بتانا چاہتا ہوں کہ وہ اللہ جو خود نور ہے، اس نے اس ظلمت کدہ عالم میں اپنے محبوب کو بھی نور ہی بنا کر بھیجا ہے چنانچہ یہ جو آیت میں ہے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو "نور" فرمایا ہے۔ اور جملہ مفسرین کرام علیہم الرحمۃ نے یہاں "نور" سے مراد حضور ہی کی ذات لکھی ہے۔ چنانچہ علامہ اسماعیل حقی علیہ الرحمۃ روح البیان میں لکھتے ہیں :-

وَقِيلَ الْمُرَادُ بِالْأَوَّلِ هُوَ الرَّسُولُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ

بِالشَّانِ الْقَاتِ - (روح البیان ص ۵۴ ج ۱) یعنی کہا گیا ہے کہ اول
یعنی نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور کتاب مبین
سے مراد قرآن ہے۔

علامہ اسمعیل حقی علیہ الرحمۃ نے پھر آگے چل کر لکھا ہے کہ :-
سَمَى الرَّسُولَ نُورًا لِأَنَّ أَوَّلَ شَيْءٍ أَظْهَرَ الْحَقَّ نُبُوْرَ قُدْرَتِهِ
مِنْ ظُلْمَةِ الْعَدَمِ كَمَا نُوْرٌ مَحْتَمِلٌ صِلَةَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَمَلَمَّ كَمَا
قَالَ أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي - یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی
اللہ علیہ وسلم کا نام نور رکھا۔ اس لئے کہ اللہ نے اپنے نور
قدرت سے جو چیز سب سے پہلے پیدا فرمائی۔ وہ حضور ہی کا
نور ہے۔ جیسے کہ حضور نے خود فرمایا۔ کہ سب سے پہلے اللہ
نے میرے نور کو پیدا فرمایا۔ (روح البیان ص ۵۴ ج ۱)

معلوم ہوا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے نور بنایا ہے، اور نور
فرمایا ہے۔ اور ہمارے پاس جو نور آیا ہے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

تاریکی و ظلمت میرے بہائیو! تاریکی و ظلمت ایک ایسی چیز ہے جس سے
انسان طبعاً خالفت رہتا ہے۔ چنانچہ کسی شخص کو اگر
کوئی رات تاریکی میں بسر کرنی پڑے۔ تو جو حال اس کا ہوتا ہے۔ سب سے پہلے
ہیں۔ اسی واسطے انسان نے اس تاریکی و ظلمت کے ازالہ کیلئے مختلف
قسم کی تیاں تیار کر لی ہیں۔ یہ چراغ۔ لائٹیں۔ بیڑیاں۔ گیس اور بجلی
کے ہنڈے سب اسی تاریکی و ظلمت کے ازالہ کے لئے ہیں۔ تو اسی طرح
یاد رکھیے۔ کہ ایک روحانی تاریکی و ظلمت بھی ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے تشریف لانے سے قبل نہ صرف عرب بلکہ ساری دنیا میں
اور ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی اس حالت
پر رحم فرمایا۔ اور اس تاریکی و ظلمت کے ازالہ کے لئے فاست با برکات حضور
منج النور سید الانبیاء جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
کو اس دنیا میں مبعوث فرمایا۔ حضور کی تشریف آوری سے اس جہان تیرہ

و تاریک میں چاروں طرف نور ہی نور پھیل گیا۔ اور دنیا نے تاریکی و ظلمت سے نجات حاصل کرنی سے

جہاں تاریک تھا ظلمت کدہ تھا سخت کالا تھا !

کوئی پردے سے کیا نکلا کہ گھر گھر میں اجالا تھا !

میرے بزرگو! یہ تاریکی و ظلمت کئی ایک بلاؤں

لوح واقع البلا ہوتا ہے

کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہوتی ہے۔ اور

اندھیرے میں انسان کے لئے کئی قسم کے خطرات ہوتے ہیں۔ انسان اگر اندھیرے

میں چل رہا ہو۔ تو اُسے کیا خبر کہ راستے میں کوئی سانپ بیٹھا ہے یا کوئی دوسرا

موذی جانور راستے میں ہے۔ اور اگر راستے میں کوئی گڑھا ہو۔ اس سے بچنا

بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ الغرض ہزار ہا قسم کی مشکلات اور بلاؤں سے بچنے کے

لئے مختلف بتیاں تیار کی ہیں۔ دیکھ لیجئے! اندھیرے میں جب لالٹین یا بیٹری

روشن ہو جائے۔ تو اندھیرا کافور ہو جاتا ہے۔ اور اندھیرے میں جو جو خطرات

اور بلائیں ہوں۔ لالٹین یا بیٹری کا نور ان سے بچا لیتا ہے۔ گویا ہماری اپنی

تیار کردہ لالٹین اور بیٹری کا یہ نور بھی خطرات اور بلاؤں کا دور کرنے والا

ہوتا ہے۔ تو میرے دوستو! اب آپ خود ہی فیصلہ کر لیں۔ کہ جو اللہ کا نور

ہوگا۔ وہ کیوں نہ واقف البلا ہوگا۔ درود شریف پڑھیے۔

صلی اللہ علیہ وسلم

دافع ہمم و کاشف ہرغم

صلی اللہ علیہ وسلم

باعث عفو و رحمت آدم

رواق عیش و طور سینا

عظمت کعبہ ماہ دینہ

صلی اللہ علیہ وسلم

نور و ضیاء کے ہر ذرہ عالم

سب کا سہارا سب کا ہے پیارا

آنکھ کا تارا، درد کا چارا

صلی اللہ علیہ وسلم

آقا ہمارا مونس و ہمد

میرے دوستو! یہ بات بھی سب جانتے ہیں۔ کہ چور ہمیشہ تاریکی

پاراں ظلمت

پسند اور ظلمت کا طرف دار ہوتا ہے۔ اس کی منشا یہی ہوتی

ہے۔ کہ شمع گل ہو۔ اور میرا کام چلے۔ مگر جو سادھ ہے۔ وہ روشنی پسند

اور نور کا طرفدار ہوتا ہے۔ تو بھائیو! اب خود ہی سمجھ لو۔ کہ جو لوگ ہمارے حضور کو نور نہیں تسلیم کرتے۔ اس کی وجہ ہی یہ ہے۔ کہ وہ لوگ ظلمت پسند اور یارانِ ظلمت میں سے ہیں۔ اور ان کی خواہش ہی یہ ہے۔ کہ شمعِ حق بجھے۔ اور ہمارا کام چلے۔ مگر یہ کیسے ممکن ہے۔ جب کہ خدا نے خود فرما دیا۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ
وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ — (سورۃ ۹) — اور چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور موانہوں سے بجھا دیں۔ اور اللہ کو اپنا نور پورا کرنا ہے۔
اگرچہ کافر برا منائیں۔

تو بھائیو! جس نور کا روشن کرنے والا اور اس کا حافظ خود خدا ہو اسے کون بجھا سکتا ہے۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

ایک پنجابی شاعر لکھتا ہے

پھونکان مار بوجھایا اورن نور محمدیہ والا

نور محمدیہ کدے نہ بجھسی وعدہ حق تعالیٰ

مسلمانو! آیتِ کریمہ میں خدا نے جس نور کا ذکر فرمایا ہے

یہ وہ نورِ پاک ہے۔ جسے اللہ نے ہر شے سے پہلے

پیدا فرمایا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا۔ یا رسول اللہ

ہر شے سے پہلے
نور محمدیہ
صلی اللہ علیہ وسلم

یہ تو فرمائیے! کہ اللہ نے ہر شے سے پہلے کیا پیدا فرمایا۔ تو حضور نے فرمایا۔

يَا جَابِرُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ قَبْلَ كُلِّ الْأَشْيَاءِ نُورَ نَبِيِّكَ مِنْ نُورِهِ

— وَ لَمْ يَكُنْ فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ نُوْحٌ وَ لَا قُلُوْبٌ وَ لَا جَنَّةٌ وَ لَا

نَارٌ وَ لَا مَلَكٌ وَ لَا سَمَاءٌ وَ لَا اَرْضٌ وَ لَا شَمْسٌ وَ لَا قَمَرٌ

وَ لَا حَيٌّ وَ لَا اِنْسٌ — (حجۃ اللہ علی العالمین ص ۱۰۰)

اے جابر اللہ تعالیٰ نے ہر شے سے پہلے تمہارے نبی کے نور کو

اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ اور اس وقت نہ لوح کھٹی نہ قلم ، نہ
جنت، نہ دوزخ ، نہ آسمان ، نہ کوئی فرشتہ ، نہ زمین ، نہ سورج
نہ چاند تھا۔ اور نہ کوئی جن تھا۔ نہ انسان ۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور
پاک ہر شے سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔ اور حضور سے پہلے کسی کو پیدا نہیں
کیا گیا۔

اللہ کے نور سے

حضرات باحدیث میں جو "من نور" کا جملہ ہے۔ یعنی
حضور کا نور "اللہ کے نور سے" پیدا کیا گیا ہے تو

اس پر منکرین نور یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ اس طرح تو پھر اللہ کا نور کم ہو گیا
کیونکہ اس میں سے کچھ حصے کا محمدی نور بنا دیا گیا۔ منکرین نور کا یہ جاہلانہ اعتراض
ان کی عداوتِ نور کا پردہ فاش کرنے والا ہے۔ ان جاہلوں نے اہل سنت پر
یہ محض بہتان باندھ رکھا ہے۔ کہ ہم اہل سنت یہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ کا نور
معاذ اللہ کوئی قابلِ تقسیم چیز ہے۔ جس سے کچھ حصہ الگ کر کے اس کا نور
محمد بنا دیا گیا ہے۔ تو بہ! تو بہ! ایسا تو کوئی بھی نہیں کہتا۔ ہمارا تو یہ
ایمان ہے۔ کہ خدا کا نور ازلی وابدی ہے۔ اور یہ تقسیم و تجزی ہرگز ہرگز
اس کے لائق نہیں۔ اور حضور کے نور کا اس کے نور سے ہونے کا مطلب
یہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پاک اللہ کے نور کا پر تو اور اسی
کی روشنی ہے۔ دیکھئے ایک مثال عرض کروں۔

گیس کی مثال | ایک روشن گیس ہے۔ اور ایک اس کی روشنی ہے۔ اب
فرمائیے۔ کہ اس روشنی کو سب یہی کہتے ہیں یا نہیں؟ کہ

یہ روشنی اس "گیس سے" ہے تو کیا اس کا معنی یہ ہوتا ہے۔ کہ گیس کے ٹکڑے
کر کے اس میں سے ایک ٹکڑا لے لیا گیا ہے۔ اور اُسے پس کر سارے کمرے
میں پھیلا دیا گیا ہے۔ اور یہ ساری روشنی اسی ٹکڑے کی ہے۔ بھائیو!
یہ معنی کوئی بھی نہیں لیتا۔ حالانکہ کہتے سب یہی ہیں کہ یہ روشنی اس
"گیس سے" ہے۔ تو حضور کا نور "اللہ کے نور سے" ہے۔ اس کا معنی بھی

یہی ہے۔ کہ حضور کا نور اللہ کے نور کی تجلی و روشنی ہے۔ اور اسی نور کا عکس و پرتو ہے۔

یہاں ایک اور بات بھی حل ہو گئی۔ اور وہ یہ کہ ہمارا نہ خدا ہیں نہ جدا ہیں | ایمان ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم نہ خدا ہیں اور

نہ خدا سے جدا ہیں۔ جو خدا کہے وہ مشرک۔ اور جو جدا کہے وہ بے ایمان۔ آپ کہیں گے کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ کہ نہ خدا ہیں اور نہ خدا سے جدا ہیں نہیں کہتا ہوں۔ کہ یہی گئیں اور اس کی روشنی والی مثال لے لو۔ دیکھ لو یہ اسکی روشنی نہ خود گئیں ہے۔ اور نہ ہی گئیں سے جدا ہے۔ اگر اس روشنی کو کہا جائے کہ یہی گئیں ہے تو چاہیے یہ کہ ہم اس روشنی پر پتھر ماریں۔ تو گئیں ٹوٹ جائے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ یہ روشنی عین گئیں نہیں اور کیا پھر گئیں سے جدا ہے؟ یہ بات بھی نہیں۔ کیونکہ اگر یہ روشنی گئیں سے جدا مانی جائے تو ہونا یہ چاہیے۔ کہ گئیں کو اندر لے جایا جائے۔ تو روشنی باہر ہی رہے۔ یا گئیں کو باہر لایا جائے۔ تو روشنی اندر ہی رہے۔ حالانکہ یہ بات بھی نہیں ہوتی۔ بلکہ جہاں گئیں ہو وہیں روشنی بھی ہوتی ہے۔ جہاں گئیں۔ وہاں روشنی اور جہاں روشنی وہاں گئیں۔ تو اسی طرح یاد رکھیے۔ حضور صلی اللہ علیہ و سلم نہ تو عین خدا ہیں اور نہ ہی اس سے جدا ہیں۔ بلکہ جہاں خدا وہاں مصطفیٰ اور جہاں مصطفیٰ وہاں خدا۔

تم ذاتِ خدا سے نہ جدا ہو نہ خدا ہو

اللہ ہی کو معلوم ہے کیا جانئے کیا ہو

میرے بھائیو! میں سے ایک اور بات بھی معلوم ہو گئی۔ اور وہ یہ کہ روشنی کو دیکھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ یہاں گئیں موجود ہے۔ دیکھتے یہ دھوپ سورج

کی روشنی ہے۔ ہم دھوپ کو دیکھ کر جان جاتے ہیں۔ کہ سورج کا طلوع ہو چکا ہے۔ اگر دھوپ نہیں ہے تو سورج کا طلوع بھی نہیں ہے۔ بلا تشبیہ اسی طرح حضور کو دیکھ کر ہی خدا کی پہچان حاصل ہوتی ہے۔ اگر حضور ہیں

تو خدا کی بھی پہچان ہے۔ اور اگر حضور نہ ہوتے تو خدا کی پہچان بھی حاصل نہ ہوتی
 ۴ اے رضا فیض ہے احمد پاک کا
 ورنہ تم کیا سمجھتے، خدا کون ہے

حضرات امیرے خیال میں اب آپ سمجھ گئے ہونگے۔ کہ حضور کے نور کا
 "اللہ کے نور سے" ہونے کا کیا مطلب ہے۔ ان معترضین و منکرین نور کا یہ
 کہنا کہ حضور کا نور "اللہ کے نور سے" مانا جائے تو اللہ کا نور کم ہو جائیگا۔
 آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں۔ کہ کس قدر جہالت کی بات ہے۔

یہاں مجھے ایک دہقانی کی بات یاد آگئی۔ یہ سادہ لوح حضرات
 لطیفہ بھی بعض اوقات بڑی مزے کی بات کر دیتے ہیں۔ مجھے اھی طرح

یاد ہے۔ کہ ایک مرتبہ میں جہلم گیا۔ تو وہاں کے اعیان نے یہ بات سنائی۔ کہ
 یہاں ایک منکر نور مولوی آیا۔ اور اس نے اپنے وعظ میں لوگوں کو یوں بہکانا
 شروع کیا۔ کہ مسلمانو! دیکھو روپے کے سولہ آنے ہوتے ہیں۔ اور اگر اس میں سے
 چار آنہ نکال لئے جائیں۔ تو بتاؤ روپیہ پورا رہا یا کم ہو گیا؟ تو حاضرین نے
 جواب دیا۔ کم ہو گیا۔ مولوی نے کہا۔ تو مسلمانو! اسی طرح اگر حضور کو اللہ کے
 نور سے مانا جائے۔ تو پھر اللہ بھی پورا نہیں رہتا۔ بلکہ کم ہو جاتا ہے۔ دماغ
 اللہ، لوگوں نے بتایا۔ کہ مجمع میں سے ایک دہقانی اٹھا۔ اور کہنے لگا۔ مولوی
 گپیں نہ ہانک! دیکھ میرا ایک کنواں ہے۔ جو تیس سال سے برابر دن رات
 چل رہا ہے۔ اور سینکڑوں کنال زمین اور سینکڑوں کھیتیاں اس نے سیراب
 کی ہیں۔ مگر اتنے طویل عرصہ میں میرے کنوئیں کا پانی تو چلو بھر بھی کم نہیں
 ہوا۔ تو کیا خدا کا نور تم نے میرے کنوئیں سے بھی کم سمجھ رکھا ہے۔ جو ایک
 محمد کے بن جانے سے کم ہو گیا۔ صلے اللہ علیہ وسلم۔

لوگوں نے بتایا۔ کہ اس بات سے وہ مولوی چپ ہو گیا۔ اور اس سے
 کچھ جواب نہ بن پڑا۔ بھائیو! اس دہقانی نے یہ بات اپنی سمجھ کے مطابق
 خوب کہی۔ مگر اصل بات تو وہی ہے۔ جو میں کہہ چکا۔ کہ ہم جو حضور کو "اللہ
 کے نور" سے مانتے ہیں۔ اس کا مطلب وہ نہیں۔ جو یہ لوگ بیان کرتے

ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نور کی حضور تجلی ہیں۔

سراج منیر | حضرات! خداوند کریم نے ایک دوسرے مقام پر حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو سراج منیر یعنی چمکتا ہوا چراغ فرمایا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا
إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا۔ (پہلا ۳۴) اے پیارے نبی !
ہم نے آپ کو گواہ بنا کر اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا
بنا کر اور اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والا اور چمکتا ہوا
چراغ بنا کر بھیجا ۔

مفسرین کرام علیہم الرحمۃ نے لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو جو سراج منیر فرمایا ہے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ :-

إِنَّ السِّرَاجَ الْوَّاحِدَ يُوقَدُ مِنْهُ أَلْفُ سِرَاجٍ وَلَا يَنْقُصُ مِنْ
نُورِهِ شَيْءٌ وَقَدْ اتَّفَقَ أَهْلُ الظَّاهِرِ وَالشَّهْوَدِ عَلَى أَنَّ
اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ جَمِيعَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ نُورٍ مُخْتَبِرٍ وَ لَهُ يَنْقُصُ
مِنْ نُورِهِ شَيْءٌ۔ (روح البیان ص ۱۲۹ ج ۳) ایک چراغ سے ہزار
چراغ بھی روشن کر لئے جائیں۔ تو پہلے چراغ میں نور کی کچھ بھی
کمی واقع نہیں ہوتی۔ اور تمام اہل ظاہر و شہود اس بات پر متفق
ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سارے نبیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے نور سے پیدا کیا ہے۔ اور حضور کے نور میں کچھ بھی کمی واقع
نہیں ہوتی۔

حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ اس موقع پر ارشاد فرماتے ہیں :-

گفت طوبی من رانی مصطفیٰ

وَالَّذِي يَبْصُرُ لَيْتَنُ وَجْهِي رَائِي

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خوشخبری ہو اُسے
جس نے مجھے دیکھا اور اُسے بھی جس نے میرے دیکھنے والے کو دیکھا۔

بچوں چراغے نور شمع را کشید!

ہر کہ دید آن را یقین آن شمع دید

جس طرح ایک چراغ دوسری شمع سے روشن کرنے پر اس شمع کے نور سے مستفید ہوتا ہے۔ اور جو شخص اس چراغ کو دیکھے گا۔ یقیناً اس شمع ہی کو دیکھے گا۔

پھنیں تا صد چراغ از نقل شد

ویدن آخر نقائے اصل شد

اسی طرح یکے بعد دیگرے سو چراغ روشن کر دیئے جائیں۔ تو آخری چراغ کا نور بھی اسی شمع کا نور ہے۔

مسلمانو! حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ کا مطلب یہ ہے۔ کہ تمام انبیاء کرام، اور اولیاء عظام اسی شمع مجہدی سے مستفید ہیں۔ اور یہی وہ نور پاک ہے۔ جس سے تمام چراغ روشن ہوئے۔ پڑھئے درود شریف!

صَلِّ عَلَى اللَّهِ وَعَلَيْكَ وَسَلَّمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ

صَلِّ عَلَى اللَّهِ وَعَلَيْكَ وَسَلَّمَ يَا حَبِيبَ اللَّهِ

میرے بھائیو! یہ حقیقت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور نور علی نور ہیں۔ مگر جو لوگ حضور کو محض اپنے ہی جیسا

سمجھتے ہیں۔ وہ اندھے ہیں۔ انہوں نے حضور کو محض سطحی نظروں سے دیکھا ہے ان نظروں سے جن نظروں سے ابوہل نے دیکھا تھا۔ اور یہ دیکھنا نہ دیکھنے کے مترادف ہے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے:-

وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ - (ذہاب ۱۴)

اور آپ انہیں دیکھتے ہیں۔ کہ وہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں

مگر انہیں کچھ نہیں دکھتا۔

مفسرین کرام نے سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمۃ کی **محمود غزنوی کی حکایت** ایک حکایت لکھی ہے۔ کہ وہ ایک روز حضرت

ابو الحسن خرقانی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو وہاں حضرت بائز

بسطای علیہ الرحمۃ کا ذکر ہو رہا تھا۔ سلطان محمود نے پوچھا۔ حضور! بائزید کس شان کے بزرگ تھے؟ حضرت ابوالحسن نے فرمایا:-

هُوَ رَجُلٌ مِّنْ رَّأَةِ إِهْتَدَىٰ — وہ ایسا وجود ہے کہ جس نے اپنی دیکھا۔ ہدایت پا گیا۔

سلطان محمود نے عرض کیا۔ لیکن حضور! ابوجہل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی بار دیکھا۔ مگر وہ ہدایت نہ پاسکا۔ حضرت ابوالحسن خرقانی نے جواب دیا۔

إِنَّهُ مَا رَأَى رَسُولَ اللَّهِ وَ إِنَّمَا رَأَى مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ
يَتِيمَ ابْنِ طَالِبٍ (روح البیان ص ۱۲۹ ج ۳) — ابوجہل نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا۔ اس نے محمد بن
عبد اللہ یتیم ابی طالب کو دیکھا تھا۔

یعنی اس بے ایمان نے سطحی نظروں سے دیکھا۔ اور محض محمد بن عبد اللہ
کو دیکھا۔ اور اپنے جیسا ایک بشر دیکھا۔ اگر وہ بے دین واقعی دیکھتا۔ اور
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا۔ تو نور نظر آتا۔ اور اسکا دل
نور ایمان سے منور ہو جاتا۔ لیکن سے

آنکھ والا تیرے جوہن کا تماشا دیکھے!
دیدہ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

حضرات! آپ سن چکے کہ ہمارے حضور کے نور کو اللہ نے ہر
چیز سے پہلے پیدا فرمایا۔ اور اس وقت ساری مخلوق میں
سے کوئی چیز بھی پیدا نہ ہوئی تھی۔ نہ یہ زمین تھی نہ آسمان، نہ لوج و قلم،
نہ عرش و کرسی، نہ جن و انس اور نہ کوئی فرشتہ۔ اسی واسطے حضرت
ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے۔ کہ حضور علیہ السلام
نے ایک مرتبہ جبریل سے دریافت فرمایا۔ اے جبریل! تمہاری عمر کتنی ہے؟
تو جبریل نے عرض کیا۔ حضور مجھے کچھ خبر نہیں۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ
إِنَّ فِي الْجَبَابِ الرَّابِعِ يَتِيمًا يُطَلِّمُ فِي كُلِّ سَبْعِينَ أَلْفَ سَنَةٍ

مَرَّةً رَأَيْتُهُ إِثْنَيْنِ وَ سَبْعِينَ أَلْفَ مَرَّةٍ - چوتھے حجاب میں ایک تارہ ستر ہزار برس کے بعد چمکتا تھا۔ میں نے اُسے بہتر ہزار دفعہ چمکتے دیکھا ہے۔

حضور علیہ السلام نے یہ سن کر جبریل کو جواب دیا :-

وَعِزَّةِ رَبِّي أَنَا ذَلِكَ الْكَوَاكِبُ - مجھے میرے رب کی عزت

کی قسم! میں ہی وہ تارا ہوں" (روح البیان ص ۹۷ ج ۱)

دیکھا آپ نے! جبریل نے اپنے گمان میں اپنی بڑی لمبی عمر بیان کی تھی۔ مگر یہ جواب سن کر اُسے بھی معلوم ہو گیا کہ حضور تو مجھ سے بھی پہلے کے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کا مشاہدہ | حضرت آدم علیہ السلام جو سارے انسانوں کے باپ ہیں۔ اور جو بظاہر آدمی سے پہلے

پیدا فرمائے گئے۔ ان کے متعلق حضرت امام قسطلانی علیہ الرحمۃ مواہب لدنیہ

میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرما کر فرمایا کہ اے آدم اپنا

سر اٹھاؤ۔ فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَرَأَى نُورًا مُجِيدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي

سَرَابِقِ الْعَرْشِ فَقَالَ يَا رَبِّ مَا هَذَا النُّورُ۔ قَالَ هَذَا

نُورٌ نَسَبِي مِنْ ذُرِّيَّتِكَ إِسْمُهُ فِي السَّمَاءِ أَحْمَدُ وَفِي

الْأَرْضِ مُحَمَّدٌ۔ لَوْلَا مَا خَلَقْتُكَ وَلَا خَلَقْتُ سَمَاءَ وَ

لَا أَرْضًا۔ (مواہب لدنیہ ص ۱ ج ۱) آدم علیہ السلام نے اپنا سر اٹھایا

تو عرش کے پردوں میں ایک نور دیکھا۔ عرض کی اے رب یہ نور

کیا ہے؟ فرمایا یہ نور ایک نبی کا ہے۔ جو تمہاری اولاد میں

سے ہونگے۔ ان کا نام آسمان میں احمد ہے۔ اور زمین میں محمد

اگر وہ نہ ہوتے۔ تو میں نہ تمہیں پیدا کرتا۔ اور نہ زمین و آسمان کو۔

دوستو! پھر اسی نور سے حضرت آدم علیہ السلام مشرف فرمائے گئے۔ اور یہ

نور پاک آدم علیہ السلام میں منتقل ہوا۔ معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت

آدم علیہ السلام اپنی پیشانی کے خطوط سے ایک باریک آواز سننے لگے۔

اور آپ نے خدا سے پوچھا۔ کہ اپنی! یہ کیسی آواز ہے۔ تو خدائے جواب دیا۔
 هَذَا تَسْبِيحٌ مُحَمَّدٍ وَوَالِدِكَ — یہ تمہارے فرزند محمد کی آواز ہے۔ (سورۃ التینہ ص ۱۰)
 میرے بزرگو! سب جانتے ہیں۔ کہ آدم علیہ السلام کو سارے فرشتوں
 نے سجدہ کیا۔ اور آپ سارے فرشتوں کے سجود بن گئے۔ یاد رکھئے
 اسی نور پاک کی برکت سے حضرت آدم علیہ السلام سجود ملائکہ بن گئے۔ اور
 شیطان لعین بھی اسی لئے مردود ہوا۔ کہ اس بے ایمان کو آدم علیہ السلام
 محض مٹی کا جسم نظر آئے۔ اور اُسے نور محمد نظر نہ آیا۔ چنانچہ مولانا رومی
 علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔ سے

گر دوید ابلیس گفت این فرع طین!

چوں فرزند بر من آتش جبیں

یعنی ابلیس کو مٹی نظر آئی۔ اور اس نے کہا۔ کہ میں تو آگ ہوں
 پھر یہ مٹی کیسے بڑھ سکتی ہے؟

مردود کو مٹی نظر آئی اور "بشریت" تک ہی اس کی نگہ رک گئی۔ اور نور
 کو وہ دیکھ نہ سکا۔ اس لئے مردود ہو گیا۔ حضرات! آج بھی بے ادب اور گستاخ
 لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا ایک بشر ہی خیال
 کرتے ہیں۔ اور نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک ان کی نگاہ نہیں پہنچتی۔
 مولانا رومی علیہ الرحمۃ انہیں گستاخوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔ سے
 گر نہ فرزند بلیدی سے عنید باہ پس تو میراث آں ساگے رسید
 یعنی اے گستاخ رسول اگر تو ابلیس کا فرزند نہیں تو پھر تجھے
 یہ ابلیس کی وراثت (یعنی انبیاء کو اپنی مثل بشر سمجھنا) کیسے
 مل گئی؟

دوستو! گستاخان رسالت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے

لطیفہ

جیسا بشر کہتے ہیں۔ اور حضور کو نور تسلیم نہیں کرتے۔ اس

موقعہ پر مجھے ایک لطیفہ یاد آگیا۔ ایک سنی اسی قسم کے ایک گستاخ سے
 حضور کے نور ہونے پر بحث کر رہا تھا۔ سنی کہہ رہا تھا۔ کہ ہمارے حضور

اللہ کے نور ہیں۔ اور گستاخ کہہ رہا تھا۔ نہیں وہ تو ہمارے ہی جیسے ایک بشر تھے۔ دو لاکھ ان کے تھے۔ دو ہمارے۔ دو آنکھیں ان کی تھیں۔ دو ہماری دو کان ان کے تھے۔ دو ہمارے۔ پھر فرق کیا رہا۔ اتنے میں وہاں ایک خوش پوش بھنگی آگیا۔ وہ یہ بحث سن کر گستاخ سے کہنے لگا۔ کہ اس مسئلہ پر مجھ سے گفتگو کر لو۔ گستاخ نے کہا۔ اچھا تم ہی گفتگو کر لو۔ وہ بھنگی کہنے لگا۔ کہ کھانے کا وقت ہو رہا ہے۔ اور ہوٹل وہ سامنے ہی ہے۔ چلتے پیلے کھانا کھا لیں۔ پھر گفتگو کریں گے۔ گستاخ نے کہا۔ اچھی بات ہے یہ کہہ کر دونوں ہوٹل میں گئے۔ گستاخ کو علم نہ تھا۔ کہ یہ بھنگی ہے۔ اس بھنگی نے کھانا منگوایا اور دونوں مل کر کھانے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد بھنگی بولا۔ قبلہ آپ جو میرے ساتھ مل کر کھانا کھا رہے ہیں۔ آپ کو یہ معلوم ہو جانا چاہیے۔ کہ میں بھنگی ہوں۔ گستاخ یہ بات سنتے ہی بولا۔ "لا حول ولا قوۃ" اور ایک دم اٹھ بیٹھا۔ بھنگی بولا۔ قبلہ! یہ کیا؟ گستاخ بولا! کم نجت تو نے پہلے کیوں نہ بتایا۔ کہ تو بھنگی ہے۔ بھنگی نے جواب دیا۔ مگر جناب! کچھ بھی سہی! آخر میں بھی تو تمہاری مثل ایک بشر ہی ہوں۔ دو لاکھ تمہارے دو میرے۔ دوکان تمہارے دو میرے۔ دو آنکھیں تمہاری دو میری۔ پھر فرق کیا رہا۔ گستاخ نے کہا۔ یہ ٹھیک ہے۔ مگر تو بھنگی ہے اور میں مسلمان۔ بھنگی نے کہا اور اسی طرح محمد نور اور تو سور۔ وہ گستاخ یہ جواب سن کر بڑا شرمندہ ہوا۔

میرے بھائیو! اپنا ایمان رکھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں۔ اور انہیں اپنی مثل کہنا بڑی گستاخی ہے۔ دیکھ لو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے بھی نور فرمایا۔ اور خود حضور نے بھی اپنے نور ہونے کا اعلان فرمایا اور یہ بھی آپ نے سن لیا۔ کہ ہر شے سے پہلے اسی نور کو پیدا کیا گیا تو پھر کیوں نہ کہا جائے۔ کہ حضور نور ہیں۔ اور سارے عالم کے لئے موجب ظہور ہیں۔ اسی نور کے فیض سے سب کچھ بنا اور اسی نور کے واسطے سب کچھ بنا۔

وہی نورِ حق وہی ظِلِّ رب ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب

نہیں ان کی بلک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں

ظہورِ نور
مسلمانو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور بھی دیکھئے۔ مہرِ پاك
نور ہی نور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پاک

ابھی حضور کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پشتِ انور ہی میں ہے۔ اور آپ کی پیشانی اس نور کی تنویر سے چمک رہی ہے۔ کہ ایک دفعہ مکے کی ایک جائے بو جھنے والی عورت نے آپ کو دیکھا۔ تو آپ سے کہنے لگی۔ کہ آپ مجھ سے شادی کر لیں۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا۔ میں والدین کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔ پھر اس کے بعد جب حضرت عبداللہ کا نکاح حضرت آمنہ سے ہو گیا۔ اور یہ نور پاک حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطنِ انور میں منتقل ہو گیا۔ تو کچھ دنوں کے بعد آپ اسی راستے سے گزرے۔ تو اس عورت نے ایک ٹفنڈی سانس لی۔ اور منہ پھیر لیا۔ حضرت عبداللہ نے اس سے منہ پھیر لینے کی وجہ پوچھی۔ تو وہ بولی :-

لَقَدْ رَأَيْتُ بَيْنَ عَيْنَيْكَ نُورًا مَا أَرَاكَ الْآنَ (خصائصِ کبریٰ ص ۱۱)

میں نے آپ کی پیشانی میں جو نور دیکھا تھا۔ وہ اب مجھے نظر نہیں آتا!

وہ جس کے نور سے پڑی چمکتی تھی یہ پیشانی!

اسی کی تھی میں طالب اور اسی کی تھی میں دیوانی!

مگر میں رہ گئی محروم قسمت میری پھوٹی ہے!

سنا ہے کہ وہ نعمتِ آمنہ نے تجھ سے لوٹی ہے!

یہ نور پاک ابھی بطنِ مادر ہی میں ہے کہ والدِ محترم حضرت عبداللہ رضی

اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ حضور کے دادا جان حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

نے اپنے بیٹے عبداللہ کے انتقال کے بعد یہ مہموں بنا لیا۔ کہ رات کو اٹھتے اور

خانہ کعبہ کا طواف کرتے اور رو کر یہ دعا کرتے تھے

دعا یہ تھی کہ یا رب! نعمتِ موعودِ بل جائے!

بنی ہاشم کا مرجھایا ہوا گلزار کھل جائے!

حضرت آمنہ فرماتی ہیں۔ کہ ولادت کی شب میں نے ایک نورانی گروہ آسمان سے اترتے دیکھا۔ جن کے پاس تین نورانی جھنڈے تھے۔ انہوں نے ایک جھنڈا تو کعبے پر گاڑ دیا۔ اور ایک بیت المقدس پر ایک میرے مکان کی چھت پر گاڑ دیا پھر میں نے دیکھا۔ کہ آسمان کے ستارے بھی میرے مکان کی طرف جھکے پڑتے ہیں۔ — وَامْتَلَأَتِ الدُّنْيَا نُورًا — دنزینۃ المجالس ص ۵۳ ج ۱۴

اور ساری دنیا نور کے ساتھ بھر گئی۔

حضرت عبدالمطلب حسب معمول طوالت کعبہ میں مشغول تھے۔ اور دعا مانگ رہے تھے۔

اچانک صبح کی پہلی کرن ہنستی ہوئی آتی!
مبارکباد کہہ کر یہ خبر داد کو پہنچائی!
بلا ہے آمنہ کو فضل باری سے یتیم ایسا
نہیں ہے بجرستی میں کوئی دُرّ یتیم ایسا
آپ نے یہ بشارت سنی تو آپ ڈوڑ کر گھر آئے۔ اور مقدس پوتے کو
گود میں اٹھا لیا۔

زمین پر عرش بالا کے نشاں معلوم ہوتے تھے
کہ ان کی گود میں دونوں جہاں معلوم ہوتے تھے
میں روحانیت کے جام سے مخمور بیٹھا تھا
چھپا کر آج پہلو میں خدا کا نور بیٹھا تھا
کہا دادا نے اسے بیٹی میرا پوتا تھا ہے
جو دنیا بھر کے انسانوں سے اعلیٰ اور محمد ہے

مسئلہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اس عالم میں تشریف لائے ہیں۔
تو حضور کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے ایک ایسا نور دیکھا جس
کی روشنی میں حضرت آمنہ کو ملک شام کے محلات نظر آنے لگے۔ چنانچہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں۔ کہ جب میں پیدا ہوا۔ تو:-
قَدْ خَرَجَ لَهَا نُورًا أَضَاءَ لَهَا مِنْهُ قُصُورُ الشَّامِ۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵)

میری والدہ کے لئے ایک ایسا نور ظاہر ہوا۔ جس سے ان کے
سامنے ملک شام کے محلات روشن ہو گئے۔

اور حضور کی والدہ محترمہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں :-

انما خرج مني نورٌ اضاءت لي قصور الشام (خصائص کبریٰ ص ۱۷۱)

بوقت ولادت شریفہ میرے لئے ایک ایسا نور ظاہر ہوا۔ جس سے

میرے لئے ملک شام کے محلات روشن ہو گئے۔

صاحب اکرام محمدی، اس موقع پر لکھنا سہ سے

وقت تولد صبح دسے اندر آیا بنی سولہرا !

چاند نور بنی دسے کولوں نکل گیا چکارا !

شام ملک سب نظری آیا حضرت آمنہ ثانی

ہر ہر شہر جو شام زینے ہر دستی ہر جائیں

دیکھا آپ نے کہ ولادتِ طیبہ سرتا پا نور ہی نور ہے۔

میرے بزرگوں! ہمارے آقا و مولیٰ علیہ السلام

نور ہیں اور یقیناً نور ہیں۔ اور اس عالم میں جو آپ

جیسا دس لیا بھیس

لباس بشریت میں تشریف لائے۔ تو یہ ہمیں لباس ہے۔ اور لباس کے بدل

جانے سے حقیقت نہیں بدلا کرتی۔ دیکھئے! زید نے یورپا میں جا کر کوٹ

پتلون پہنی۔ اور پاکستان میں آ کر شہروانی و شلوار پہنی لی۔ پنجاب میں آ کر

سر پر غمامہ باندھا۔ اور یو۔ پی میں جا کر ہلکی پھلکی ٹوپی پہنی لی اور بنگال

پہنچ کر ننگے سر ہی پھرنے لگے۔ تو ان سب صورتوں میں جیسا دس لیا

بھیس کے مطابق لباس بدلتا رہتا گیا۔ مگر زید وہی زید کا زید ہی رہے گا۔

تو اسی طرح بنا تشبیہ ہمارے حضور علیہ السلام نور ہیں۔ آپ کا

نور ساری مخلوق سے پہلے پیدا فرمایا گیا۔ اور جب آپ اس عالم میں

تشریف لائے۔ تو آپ نے اس عالم کا لباس۔ لباس بشریت زیب تن

فرمایا۔ تو اس لباس بشریت کے زیب تن فرمانے سے حضور کے نور ہونے

میں کچھ فرق نہیں آیا۔ بلکہ آپ پہلے ہی نور تھے اور اب بھی نور ہی ہیں۔

نورانی بشریت | میرے بزرگو اور عزیزو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ نور ہیں۔ اس لئے آپ کا لباس بھی نورانی لباس ہے، اور

آپ کی بشریت بھی نورانی بشریت ہے۔ حضور کی بشریت مادہ سما کی سی بشریت نہیں۔ بلکہ وہ ایک بے مثل و بے نظیر اور نورانی بشریت ہے۔ ریح انور مظہر نور حق ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ مَنْ رَآَنِي فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ - جسم انور مشک و عنبر کی خوشبوؤں کا معدن ہے۔ چنانچہ دور و نزدیک کے شیدائی و فدائی اسی خوشبویر دلاؤیر کے پتہ و نشان سے اور کسی سے پوچھے بغیر خوشبو کی راہنمائی میں ہی حضور کی خدمت میں پہنچ جاتے۔ اور دولت دیدار سے مشرت ہو جایا کرتے تھے۔

نعمتیں بانڈتا جس سمت وہ ذی شان گیا

ساکتہ ہی منشی رحمت کا قلم دان گیا

اور اب تک مدینہ منورہ کے در و دیوار کو ایک خوشبویر خاص حاصل ہے۔ جو مشک و عنبر میں بھی نہیں ہے۔ کسی شاعر نے کیا اچھا لکھا ہے کہ

زلفِ نبی کی خوشبو لے جائے گر صبا واں

شر مسندہ مشک ہو کر ملکِ ختن سے نکلے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح سامنے دکھائی دیتا تھا۔ اسی طرح پیچھے سے بھی دکھائی دیتا تھا۔ اہل لطائف نے لکھا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم ایک شمع ہدایت ہیں اور شمع؟

نور عالم میں کہاں اس کا نہیں بتلاؤ؟

پشت و رو شمع کا ہوتا ہے کہیں بتلاؤ؟

چشم انور بظاہر خواب میں ہوتی مگر دل مشاہدہ انوار و اسرار میں بیدار ہوتا۔ چنانچہ فرمایا

يَنَامُ عَيْنِي وَلَا يَنَامُ قَلْبِي - یعنی میری آنکھ سوتی ہے دل نہیں سوتا۔

بادشاہ شہر یسین آپ ہیں؛ گوہر دریائے طسین آپ ہیں

ہے ابیت عند رجبی آب و نال؛ لاینام قلبی ہے خواب گراں

جسم انور کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا۔ اس لئے کہ آپ نور ہیں اور آپ کی

ذات کا نور آفتاب کے نور پر غالب تھا۔ مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :-
 سایہ ندیت بر زمین ایچ کس
 نور بود سایہ خورشید و بس
 جانش ز آلائش تن پاک بود
 سایہ بنیزد اختہ بریں خاک دود
 عکس جمال تو نمود آفتاب
 سایہ ز نور آبرہ زان در تجاب
 ان اشعار کا اردو ترجمہ یہ ہے :-

تھانہ سایہ اس کا یہ مشہور ہے
 سایہ خورشید کیا ہے نور ہے
 جان بقی آلائش تن سے وہ پاک
 اس لئے سایہ نہ تھا بالائے خاک
 نور نور اس نور سے مغلوب تھا
 سایہ اس کا اس لئے محبوب تھا
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص سے اونچے معلوم ہوتے تھے اگرچہ وہ
 کتنا ہی بلند قامت ہوتا۔

جس کے آگے سرسرواں خم رہیں!
 اس سر تاج رفعت پہ لاکھوں سلام
 حضور کے بدن پر کھٹی نہ بیٹھتی تھی۔ آپ کا سایہ نہ تھا۔ حضرت امام
 قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں :-

وَكَانَ عَرْقُهُ أَطْيَبَ مِنَ الْمِسْكِ - (رواہ ابونعیم) وَإِذَا مَشَى مَعَ الطَّوِيلِ
 طَالَهُ (رواہ البیہقی) - وَكَمْ يَقَعُ لَهُ نِظْلٌ عَلَى الْأَرْضِ وَلَا يُرَى لَهُ ظِلٌّ فِي
 مَنَسِبٍ وَلَا قَسْرٍ وَلَا يَمُحُّ عَنَّا شَيْءٌ مِنْهُ وَلَا يُنَمُّ دَبَّةُ
 الْبُعُوضِ وَمَا إِذَا هُ الْفَيْلُ - (مواہب لدنیہ ج ۱ ص ۳۹۸)

حضور کا پسینہ مشک سے بھی زیادہ خوشبودار تھا۔ اور حضور جب کسی
 لمبے آدمی کے ساتھ چلتے۔ تو حضور ہی اس سے لمبے نظر آتے اور
 حضور کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا۔ اور نہ آپ کا سایہ چاند اور سورج
 کی روشنی میں نظر آتا تھا۔ اور آپ کے کپڑوں پر کھیاں نہ بیٹھتی
 تھیں۔ اور مچھر بھی آپ کو نہیں کاٹتا تھا۔ اور جوئیں بھی اذیت
 نہیں دیتی تھیں۔

الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت، مقدسہ ایک بیٹھیل بشریت ہے۔

ترے خلق کو حق نے عظیم کہا تری خلق کو حق نے جمیل کیا
 کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا ترے خالق حسن و ادا کی قسم
 آج کل کے بے ادب اور گستاخ یہ کہتے ہوئے بھی نظر آتے
ارشادِ شریف | ہیں کہ ہم بھی کھاتے ہیں۔ حضور بھی کھاتے تھے۔ ہم
 بھی پیتے ہیں۔ حضور بھی پیتے تھے۔ پھر وہ ہمارے جیسے بشر نہ ہوئے تو کیا
 ہوئے؟ — میرے دوستو! اس کا جواب مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے ایک شعر
 میں یہی دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

ایں خورد گردد پلیدی زین جداہ واں خورد گردد ہمہ نور خدا
 یعنی یہ جو کچھ کھاتے پیتے ہیں۔ دیکھ لو اس کی نجاست بن جاتی ہے روٹی
 کھائیں۔ تو اس کا پاخانہ بن جائے۔ پانی پئیں۔ تو اس کا پیشاب بن جائے۔ مگر
 وہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ تناول فرماتے ہیں۔ اس کا نور خدا بن
 جاتا ہے۔ پھر یہ کس منہ سے ان کی ہمسری کا دعویٰ کرتے ہیں!
حضور کا بول مبارک | حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو رات کے وقت

پایں معلوم ہوئی۔ تو انہوں نے ایک برتن میں پڑا ہوا پانی پی لیا۔ صبح پتہ
 چلا۔ کہ وہ جسے ام ایمن نے پانی سمجھ کر پی لیا تھا۔ وہ حضور صلی اللہ
 علیہ وسلم کا بول مبارک تھا۔ جو حضور نے اس رات ایک جانب خانہ
 میں کسی برتن میں فرمایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ معلوم
 کر کے ام ایمن سے فرمایا۔

أَمَا وَاللَّهِ لَا يَجْتَرُّ بَطْنُكَ آبًا - (کنز العمال جلد ۲۶) (خصاں)

کبریٰ جلد ۱، پجرا آج سے تیرا پیٹ کبھی درو نہ کرے گا۔
 دیکھا آپ نے میرے بھائیو! یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بول مبارک
 ہے۔ جو پیٹ کی بیماریاں گنوا رہا ہے۔ گویا میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
 کا بول مبارک بھی دفع بلا فرماتا ہے۔ اور ہمارے لئے شفا ہے۔ اور ایک یہ ہیں
 جن کے تنقوہ کے لئے بھی ریل گاڑیوں میں لکھا ہوتا ہے۔ کہ تنقوہ کو مستحبا! اس

سے بیماری پھیلتی ہے۔ گویا حضور کا بول مبارک بھی شفا اور ان کا لعاب
 دہن بھی مبارک۔ پھر ان کی ہمسری کا دعویٰ کیا اس شعر کا مضائقہ نہیں کہ
 خدا کی شان تو دیکھو کہ گلچڑی گنجی!
 حضور بلسبب بستیاں کرے نواسخی!

حسین و جمال نور | میرے بزرگو! صحابہ کرام علیہم الرضوان سے پوچھئے کہ وہ حضور
 صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی حسن و جمال کا کس انداز میں
 ذکر فرماتے ہیں۔ حضرت ابوہند بن ابی ہالہ فرماتے ہیں۔

يَتَلَا نُورًا وَجْهَهُ تَلَا لَدَا الْقَمَرِ — حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا

چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔ (شمائل ترمذی ص ۱۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے ایک روشن رات میں حضور صلی
 اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ حضور ایک سرخ رنگ کی چادر اور مھے مٹھے تشریف
 فرماتے۔ میں ایک نظر آسمان پر چودھویں کے چاند کی طرف کرتا۔ اور ایک
 حضور کے چہرہ انور کی طرف۔

فَإِذَا هُوَ أَحْسَنُ عِنْدِي مِنَ الْقَمَرِ۔ تو حضور کا چہرہ انور مجھے چودھویں

کے چاند سے زیادہ حسین و جمیل نظر آتا تھا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۵)

دیکھا آپ نے حسن و جمال نور صلی اللہ علیہ وسلم کہ چاند بھی ماند ہے سہ

چاند سے تشبیہ دینا کیا یہی انصاف ہے!

اس کے منہ پر چھائیاں حضرت کا چہرہ صاف ہے

اس حسن و جمال نور کی تنویر نے عالم کا ذرہ ذرہ چمکا دیا سہ

نور اندر نور باہر کوچہ کوچہ نور ہے!

بلکہ یوں کہئے کہ سب دنیا کی دنیا نور ہے!

میرے بھائیو! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیض نور ہے کہ

تنویر نور | جس پر نظر کر م پڑ گئی۔ اُسے بھی روشن کر دیا۔ چنانچہ ایک شب

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور کی مجلس سے اٹھے۔ اور اپنے اپنے گھر جانے

لگے۔ تو اندھیری رات تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعجاز سے ان کی

لاٹھیاں چمکنے لگیں۔ اور وہ اُن لاٹھیوں کی روشنی میں اپنے اپنے گھروں میں پہنچ گئے۔ یہ حدیث خصائص کبریٰ کے حصہ جلد ۲ پر دیکھ لیجئے۔ معلوم ہوا۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں۔ اور وہ جس کو چاہیں۔ اپنے اس فیض نور سے مستنیر و روشن فرما دیتے ہیں۔ اور جو یہاں آتا ہے۔ اس فیض نور سے حصہ لے کر جاتا ہے۔ سبحان اللہ! اعلیٰ حضرت نے اپنے قصیدہ نور میں کیا اچھا لکھا ہے۔ فرماتے ہیں

جو گرا دیکھو لئے جاتا ہے توڑا نور کا

نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا

اس شعر میں لفظ "توڑا" قابلِ داد ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اس لفظ کو ہر

دو مصرعوں میں مختلف معنوں میں استعمال فرمایا ہے۔ پہلے "توڑا" سے مراد

"حصہ" ہے۔ اور دوسرے "توڑا" سے مراد "نقصان" ہے۔ ان دونوں معنوں

کو پیش نظر رکھ کر پھر یہ شعر پڑھئے

جو گرا دیکھو لئے جاتا ہے توڑا نور کا!

نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا

الغرض ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں۔ اور آپ کے فیض

نور سے دنیا کا ہر صاحبِ کمال مستفید و مستنیر ہے۔ اور آپ کا حسن و

جمال اس قدر بے مثل و بینظیر ہے۔ کہ چودہویں کا چاند بھی اسکے سامنے

ماند ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال مشہور ہے۔ مگر

اے صَبَلِ عَنِّي كَرْمِي بَازَارِ حَتْمِي!

یوسف بھی ہے سو جاں سے خردا رہتا

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حسن و جمال ہے۔ حق

تعالیٰ نے اسے کئی پردوں میں مستور فرمایا ہے۔ ورنہ کس کی

جمال ہوتی۔ کہ وہ اس حسن نور کی تاب لا سکتا؟ باوجود حسن مستور ہونے

کے اس حسن نور کا یہ عالم ہے کہ

نگاہیں برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں : وہ آدمی ہیں مگر دیکھنے کی تاب نہیں

اور اگر وہ حسن نور حسن مستور نہ ہوتا۔ تو کیا ہوتا؟ سنئے! حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ایک واقعہ سنئے! یہ واقعہ معنی الواظنین میں درج ہے۔ اور اسے میں پنجابی شعروں میں پیش کرتا ہوں۔ سنئے۔

اک دن صدیقہ نے کہا، تال ادب یا حضرتنا!
برکت نور تساڈے تھیں رب کیتی ساری خلقت
کہنہ موجب ہے دستو مینوں ہے اک مطلب میرا
حسن تساڈے تھیں یوسف و اکیوں سی حسن و دمیرا
ایہ گل سن حضرت فرمایا بی بی خیر نساء نون
سن میں آج ہاں ظاہر کردا مخفی راز خدا نون
چہرے انور میرے اُتے خالق پاک الہی!
پردے پا ہفتاد ہزاراں اصلی شکل چھپائی
جے اک پردہ رخ مرے تھیں خالق پاک اٹھادے
تالیش جہل نہ سکے کوئی جن سورج چھپ جاوے
بی بی کہندی حضرت رب تھیں پردہ اک اٹھاؤ
میں اوہ نورانی چہرہ اصلی آپ دکھاؤ
جبرئیل فرشتہ فوراً خدمت اندر آیا!
حضرت دے رخ انور تھیں اک پردہ آن اٹھایا
اپن چیتی منہ تھیں ایسا شعلہ ہو یا ظنہا ہر
تالیش جہل نہ سکی بی بی نس بھیج نکلی باہر
جہاں پھر پردہ جیوں آگے سی صورت اپر آیا
صدیقہ نون ہسدیاں ہسدیاں حضرت نے فرمایا
میری صورت وچوں دستیں جدوں پیا لشکارا
کیوں حجرے تھیں باہر ہو پوں اکو دیکھ نظارا
بی بی کہندی یا حضرت جی جدوں پیا لشکارا
میں جانا حجرے آگ لگی سڑدا عالم سارا

تو میرے کہا تو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن نور حسن مستور ہے
اور اس حسن مستور کے جلووں کا بھی یہ عالم ہے کہ سہ
حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سرکٹاتے ہیں ترے نام پہ مروان عرب

حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر کے بادشاہ ہوئے
تو ایک مرتبہ ملک میں قحط پڑ گیا۔ یوسف علیہ السلام
نے اعلان عام فرما دیا۔ کہ جس کسی کو گندم کی ضرورت

سَلَامٌ
حَضْرَتِ يُوْسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ
اور قحط سالی

ہو۔ وہ سرکاری خزانے سے آکر گندم لے جائے۔ چنانچہ ہر ضرورت مند سرکاری
خزانے میں آنے لگا۔ اور حسب ضرورت وہاں سے گندم پالنے لگا۔ اتفاق
دیکھئے۔ کہ اگلی فصل کو ابھی تین مہینے باقی تھے۔ کہ سرکاری خزانے میں بھی
گندم ختم ہو گئی۔ اب حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی فکر پیدا ہوئی۔
کہ یہ تین مہینے کیسے نکلیں گے؟ اسی فکر میں تھے کہ سہ

اوسے وقت جنابِ الایہوں وحی پیام لیاندا!
یا بنی اللہ حکم تسانوں پاک خدا فرماندا!
برقعہ کھول زیارت بخشو جو بھکھا بھی آوے
دیکھ جہاں مبارک تیرا ٹھک تہامی جاوے

سبحان اللہ! ایک یہ بنی کا چہرہ ہے۔ کہ بھوکا دیکھے تو بھوک جاتی
رہے۔ اور ایک ان اپنی مثل کہنے والوں کا منحوس چہرہ بھی ہے۔ کہ اگر
شومی تقدیر سے نظر آ جائے۔ تو سارا دن روٹی ہی نہ لے۔ ہاں تو شاعر
لکھتا ہے۔ کہ لوگ تین مہینے تک حضرت یوسف علیہ السلام کی زیارت
کرتے رہے۔ اور اسی زیارت سے سیر ہوتے رہے۔ شاعر نے یہ واقعہ
لکھنے کے بعد جو آخری مصرعہ لکھا ہے۔ وہ قابلِ داد ہے۔ لکھتا ہے

سہ

زن مہینے رچی خلقت دیکھ یوسف کنعانی
جہاں محمد عربی ڈٹھا رچے دوہیں جہانی

سُبْحَانَ اللَّهِ! سُبْحَانَ اللَّهِ! کیا اچھا لکھا ہے۔ کہ جنہوں نے
 حضور کے رُخِ انور کو دیکھ لیا۔ بس وہ دو جہاں سے بے نیاز ہو گئے
 الٰہی! ہمیں اسی رُخِ انور کا فدائی و شہیدائی رکھ۔ اور جب دم
 نکلے۔ تو یہی چہرہ نور ہمارے سامنے ہو۔ آمین!

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الْمَنَّانِ الَّذِي جَعَلَ لِي الْعَمَلِ كَيْفًا

ساتواں وعظ

مِعْرَاجُ شَرِيف

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ وَالصَّلَاةُ
وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ

اَمَّا بَعْدُ

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا
مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى

الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنَ

آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (۱۷۱)

پاکی ہے اُسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔ مسجد حرام
سے مسجد اقصیٰ تک۔ جس کے گردا گرد ہم نے برکت رکھی

کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سُنتا
دیکھتا ہے۔"

حضرات! آج میرے وعظ کا عنوان ہے "معراج شریف" ہمارے حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار معجزات میں سے ایک بہت بڑا معجزہ یہ معراج
شریف بھی ہے۔ شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جاگتے ہوئے جسم
شریف کے ساتھ آسمانوں پر تشریف لے جانا۔ اور اپنے خالق کا دیدار پانا۔
اور ماکان و مایکون کے علوم و اسرار پاکر آن کی آن میں واپس آجانا بیشک
ہماری حد عقل سے باہر ہے۔ اور یہ عقل حیران ہے۔ کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے
مگر یہ ہمارے ایمان میں ضرور داخل ہے۔ اور ہمارا ایمان ہے۔ کہ بیشک
حضور صلی اللہ علیہ وسلم جاگتے ہوئے جسم شریف کے ساتھ مسجد حرام سے
مسجد اقصیٰ تک، اور پھر وہاں سے آسمان پر، اور پھر عرش پر تشریف لے
گئے۔ اور دیدار و اسرار پاکر آن کی آن میں واپس بھی اس طرح تشریف لے
آئے کہ

ذبحیر بھی ملتی رہی بستر بھی رہا گرم
اک دم میں سر عرش گئے آئے محمد

معجزہ کی

معجزہ کہتے ہی اُسے ہیں جو عقل کو عاجز کر دے۔ جو بات عقل میں
آجائے۔ وہ معجزہ ہی نہیں۔ من بھر دودھ وہی ہے جو پاؤ بھر
پیالی میں نہ سما سکے۔ اور جو دودھ پاؤ بھر پیالی میں آ گیا۔ وہ دودھ من
بھر ہی نہیں۔ معجزہ وہی ہے۔ جو ہماری محدود عقولوں میں نہ آسکے۔ انبیاء
کرام علیہم السلام کے جس قدر بھی معجزات ہیں۔ وہ اگرچہ ہماری محدود عقولوں
میں نہیں آسکتے۔ مگر ہمارا ان پر ایمان ضرور ہے۔ اور ہم جملہ انبیاء کرام
علیہم السلام کے معجزات کو تسلیم کرتے ہیں۔ تو جس خدا نے طور کی چوٹی
پر حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کو شرف ہم کلامی بخشا۔ اسی نے ہمارے حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش کی بلندی پر شرف دید و کلام سے نوازا۔ جس
خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ایک دریائے عظیم کو پھاڑ کر اس میں

خشک راستہ بنا دیا۔ اسی خدا نے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرش سے عرش تک کے جمہ موانع کو ہٹا کر ایک ایسا نورانی راستہ تیار فرما دیا۔ جس راستے سے حضور اوپر تشریف لے بھی گئے۔ اور آ بھی گئے۔ جس قادرِ مطلق کی قدرت نے حضرت خلیل علیہ السلام کے لئے بیڑے ہونے شروع کیے، اور دیکھے ہوئے انگاروں کو چمنستان بنا دیا۔ اسی خدا نے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سارے ناری کروں کو ٹھنڈا کر دیا۔ اور حضور ان میں سے گزر گئے۔ ایک مومن جب جبریل علیہ السلام کا آسمانوں کی بلندیوں سے زمین پر آ جانا تسلیم کر لیتا ہے۔ تو خود ہیبتِ جبریل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمین سے بلندیوں پر تشریف لجانا کیوں تسلیم نہ کریگا؟ میرے بھائیو! مسلمان کی عقل اس کے ایمان کی تابع ہے۔ یعنی مسلمان

کی عقل بھی مومن ہے۔ لہذا عقل سلیم کا تو یہی اعلان ہے کہ وہ سرکار نے کیں منزلیں طے معہ جسدِ پاک؟ سرکار نے ہر چیز کو دیکھا شبِ معراج جس کی کسی انسان نے پانی نہ ہوا بھی؟ وہ مرتبہ سرکار نے پایا شبِ معراج جو طالب و مطلوب میں تھے اٹھ گئے پردے

جو راز تھے سب ہو گئے ہیں واشبِ معراج

آجکل کے مدعیان عقل و فراست معجزہ کے باب میں آکر عجیب بیوقوفی کی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ

بیوقوف عقلمند

حضور اوپر کیسے چلے گئے۔ پھر ان کی آن میں واپس کیسے آ گئے۔ کہ بستر بھی گرم پایا۔ اور زنجیر بھی ہلتی پائی۔ آسمان میں کوئی راستہ نہیں۔ آپ آسمانوں میں سے کیسے گزرے؟ راستے میں آگ کے کڑے آتے ہیں۔ ان میں سے کیسے نکل گئے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ خدا کی قدرت سے گئے اور آئے۔ اور خدا جس نے اپنے محبوب کو بلایا تھا۔ وہی راستے کی ہر رکاوٹ کو دور کرنے والا تھا۔ اب جو واقعی عقلمند ہے وہ تو ایمان لے آئے گا۔ اور جو بے وقوف عقلمند ہے۔ اپنی عاجز عقل ہی کی دم پکڑے رہے گا۔

ابھی کل کی بات ہے۔ کہ جن سنگھ ایک نیپالی آدمی جو

ہمالیہ کی چوٹی

مسلمان بھی نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ میں ہمالیہ کی بلند ترین چوٹی پر چڑھ گیا ہوں۔ تو ان "عقل مندوں" نے بغیر کسی حیل و نکت کے فوراً اس کی بات مان لی۔ اور تقریروں میں، اخباروں میں، اسکے اس کارنامے کا چرچا کرنے لگے۔ یہاں کسی کی بھی تو عقل اڑے نہ آئی۔ کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ دنیا کی بلند ترین چوٹی پر جن سنگھ چڑھ جائے۔ اس جن سنگھ نے یہ بھی کہا تھا۔ کہ میں اس چوٹی پر چڑھنے سے پہلے ایک جگہ ۳۶ گھنٹے بھوکا پیاسا کھڑا رہا۔ اس پر بھی کسی "عقل مند" کی عقل نے اعتراض نہ کیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ہاں اس عقل کو ان "عقل مندوں" نے معجزات انبیاء کے انکار کے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ جن سنگھ کا کہنا کہ میں دنیا کی بلند ترین چوٹی ہمالیہ پر چڑھ گیا ہوں۔ یہ تو فوراً تسلیم کر لیتے ہیں۔ اور سید الانبیاء علیہ السلام کا فرمانا کہ میں عرش کی بلندیوں پر تشریف لے گیا۔ ان کی عقل اسے تسلیم نہیں کرتی۔ تو پھر کیوں نہ انہی عقل والوں کو "بے وقوف، عقلمند" کہا جائے۔

چاند تک

میرے دوستو! اس دور میں یہ لوگ ہمارے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج پاک کا انکار کرتے ہوئے شرمائے بھی نہیں۔ حالانکہ آجکل یہ لوگ خود اس بات کا پراپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ عنقریب ایک ایسا راکٹ تیار ہونے والا ہے۔ جس پر سوار ہو کر ہم چاند تک پہنچ جائیں گے۔ جتنے کہ اخبارات میں یہ خبریں بھی آنے لگیں۔ کہ امریکہ و یورپ میں بعض لوگ چاند میں اپنے اپنے نام زمینیں الاٹ کر رہے ہیں۔ ایک اخبار میں ہے کہ پڑھا۔ کہ امریکہ کے ایک پادری صاحب نے چاند میں ایک قطعہ زمین خریدنا ہے۔ اور اعلان کیا ہے۔ کہ میں اس قطعہ میں گرجا بناؤں گا۔ اور یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ زمین سے چاند تک کے راستے میں کئی سٹیشن بنائے جائیں گے۔ پینک روم بھی تعمیر کئے جائیں گے۔ ہوٹل۔ سیرنگاں اور عیش و عشرت کے سارے سامان دیا کئے جائیں گے۔ تو کیوں بھائیو! ان خبروں پر کسی

کسی بے وقوف عقلمند کی رگِ سانس پھڑکی؟ نہیں! بلکہ ان خبروں کی تائید ■
امکان میں یہ لوگ مضمون لکھتے ہیں۔ تو کیا یہ ساری خبریں، یہ ان کے
سارے مضامین اور یہ ان کے ارادے میرے آقا و مولیٰ حضور سید الانبیاء
صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حقیقی و واقعی سیر معراج کے موید نہیں ہیں؟
یہ تو کوئی ایسا راکٹ بناتے ہی بناتے ہیں گے۔ مگر خداوند تعالیٰ نے اپنے محبوب
کے لئے یقیناً ایک ایسا براق پیدا فرما دیا تھا۔ جو ہمارے آقا و مولیٰ صلی
اللہ علیہ وسلم کو ان کی آن میں چاند سے بھی کہیں دور آگے لے گیا۔ اور
ہمارے حضور اس چاند کے بھی خالق تک جا پہنچے۔ مومن کی عقل کا تو
یہی فتویٰ ہے۔ کہ اگر سانس کا راکٹ تمہیں چاند میں لے جا سکتا ہے۔ تو خدا
کی قدرت کا راکٹ حضور کو چاند سے بھی آگے لے جا سکتا ہے۔ اور یہ چاند
اور سورج راستے ہی میں رہ جاتے ہیں۔ اسی لئے ایک شاعر نے لکھا ہے کہ
۵ ماہ و انچھ نے سر راہ بچھا دیں آنکھیں پڑ کیونکہ ہے ناقہ اسری کا سفر آج کی رات!
کہکشاں جلوہ نشاں ہے اسی ستارے سے ہونے والا ہے محبت کا گدرا آج کی رات

اوپر سے آنا "بیوقوف عقلمندوں" کا یہ اعتراض کہ حضور کا معاجم اوپر تشریف
لے جانا خلاف عقل ہے۔ بجائے خود خلاف عقل ہے۔ اس لئے
کہ عقل ہی نے بتایا ہے۔ کہ حرکت کی دو قسمیں ہیں۔ حرکت طبعی، اور حرکت
قسری۔ طبعی تو وہ ہے۔ جو طبیعت کے اقتضار سے واقع ہو۔ جیسے گیند کی
طبیعت کا اقتضار یہ ہے کہ وہ اوپر سے نیچے کو آئے۔ اور قسری یہ ہے کہ کسی
مانع کی تحریک سے خلاف طبیعت حرکت کرے۔ جیسے وہی گیند بے کی ٹھوکر
سے بجائے اوپر سے نیچے کی طرف آنے کے نیچے سے اوپر کی طرف حرکت کرنے
لگتی ہے۔ تو جب ایک گیند کا اوپر جانا خلاف عقل نہیں۔ پھر حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے اوپر تشریف لے جانے میں کیا استحالہ ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے
کہ گیند اوپر جا کر ٹھہرتی نہیں ہے۔ فوراً نیچے آ جاتی ہے۔ تو حضور کے متعلق
ہم کب کہتے ہیں۔ کہ آپ وہاں ٹھہر گئے۔ آپ تو اس قدر جلد واپس تشریف
لے آئے کہ زنجیر در بھی بدستور ہل رہی تھی۔ اور لیستر بھی اسی طرح گرم تھا۔

رہا یہ کہ گیند کا کم بلندی پر جا کر واپس آ جانا۔ تو یہ پھینکنے والے کی طاقت پر منحصر ہے۔ ایک چھ سال کا بچہ اگر اوپر کی طرف کوئی چیز پھینکے۔ تو وہ بہ نسبت ایک جوان آدمی کے پھینکنے کے کم بلند جائیگی۔ یا یوں سمجھئے۔ کہ ایک شخص نے بالٹس کی غلیل سے ایک غلہ اوپر پھینکا۔ اور اسی مقابلہ پر دوسرے نے بندوق سے گولی چلاتی اور اس کے ساتھ میں ایک شخص نے توپ کا دھانہ آسمان کی طرف کر کے گولہ چلایا۔ تو غلہ سے گولی اور گولی سے گولہ بہت آگے نکل جائے گا۔ اور یہ کیوں ہوا؟ اس لئے کہ بہ نسبت غلیل کے بندوق، اور بہ نسبت بندوق کے توپ زیادہ طاقت ور ہے۔

بنابریں چونکہ اللہ تعالیٰ تمام طاقتوں سے زیادہ قوت کا مالک ہے۔ اس لئے اس نے حضور کو اتنی بلندی پر پہنچا دیا۔ کہ حضور عرش اعظم پر پہنچ گئے۔ اور پھر آج تو ہوائی جہازوں کا زمانہ ہے۔ جو ٹنوں وزن کے ساتھ سینکڑوں فٹ بلندی پر اڑتے پھرتے ہیں۔ ان کی یہ حرکت طبعی نہیں ہے۔ بلکہ یہ سٹیٹم اور کلوں کے زور سے اوپر چلے جاتے ہیں۔ اور یہ اللہ کے ادنیٰ بندوں کی کارگیری ہے تو کیا وہ خدا جس نے اپنے ادنیٰ بندوں کو اتنی قیامت دیدی ہے۔ کہ وہ اپنی عقل سے ہوائی جہاز بنائیں۔ جو اڑ کر چند منٹ میں کہاں سے کہاں پہنچ جائیں۔ ایسا براق پیدا نہیں فرما سکتا۔ جو ایک نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نورانی پشت پر بٹھا کر پل کی پل میں فرش سے فرش تک پہنچا دے؟ عقل والے اپنی عقل سے پوچھ کر جواب دیں سہ

ہمارا امتحان کرتے ہو لیکن: تمہارا بھی اسی میں امتحان ہے

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سرعت سیر پر نبی اعتراض کیا جاتا
برقی رفتاری ہے۔ اور کہا جاتا ہے۔ کہ اس قدر طویل سفر اتنی سرعت سے کہ
بستر استراحت ویسے کا ویسے ہی گرم کا گرم رہا۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ ہم کہتے
ہیں۔ کہ ہمارے ہی ملک میں پہلے سواری۔ پہلی گاڑی تھی۔ جس پر فقور اس سفر
بھی زمانہ دراز میں ہوتا تھا۔ اور آج ریل گاڑیاں اور ہوائی جہاز موجود ہیں۔ جو
دنوں کا سفر گھنٹوں میں اور گھنٹوں کا سفر منٹوں میں طے کر لیتی ہیں۔ اور دن بدن

ایسے ایسے ہوائی جہاز تیار ہو رہے ہیں۔ جو چند منٹوں میں کئی کئی سو میل کا سفر طے کر لیتے ہیں۔ اور پھر اس سے بھی زیادہ ترقی کرنا ممکن ہے اور یہ سب کچھ اس امر پر شاہد ہے۔ کہ رات کے تھوڑے سے حصہ میں ہزاروں میل کا سفر طے کر لینا ممکن ہے۔

سورج کو دیکھتے۔ جغرافیہ دان بتاتے ہیں۔ کہ زمین کا قطر تقریباً آٹھ ہزار میل ہے۔ اور سورج کا قطر زمین کے قطر سے سو گنا سے بھی زیادہ ہے۔ مگر پھر بھی ہم دیکھتے ہیں۔ کہ صبح کو جب سورج کا بالائی کنارہ ظاہر ہوتا ہے۔ تو اس کے بعد بہت جلد اس کا کنارہ زیریں بھی نمودار ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سرعت سیر کا جسد مصطفیٰ علیہ السلام میں پایا جانا از روئے عقل ناممکن نہیں ہے۔

روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیالیس ہزار میل فی ثانیہ بتائی جاتی ہے حالانکہ نام نور حضور ہی کے نور کے پر تو ہیں۔ تو پھر اس منبع نور وجود مصطفیٰ علیہ السلام میں ایسی سرعت کیوں ممکن نہیں؟

حضور کی سواری | براق برق سے ہے۔ اور برق بجلی کو کہتے ہیں۔ اور یہ بجلی تو آج کل لوازمات زندگی سے بن چکی ہے۔ اس کی تیز

رفتاری سب کے سامنے ہے۔ ریلوں۔ موٹروں اور ہوائی جہازوں کی تیز رفتاری کو جانے دو۔ گھروں کی بجلیوں۔ ٹیلیفونوں۔ ٹیلی گراموں اور واٹر لیسیوں کو دیکھو۔ یہ کتنے تیز رفتار ہیں۔ ان سب چیزوں کی محرک بجلی ہے۔ ہزاروں میل دور بیٹھ کر ٹیلیفون میں بات کرتے ہیں۔ آپ کی اور آپ کے مخاطب کی گفتگو اتنی مسافت سینکڑے بھر میں طے کر کے آتی اور جاتی ہے۔ یہ کیا بات ہے؟ یہی ناکہ آپ کی باتوں کو بجلی ایک سینکڑے سے بھی کم ہرست میں ہزاروں میل دور پہنچا دیتی ہے۔ ٹیلیفون میں تو پھر برقی تاروں کا واسطہ ہے۔ واٹر لیس میں یہ بھی نہیں۔ کراچی میں بیٹھ کر آپ لندن اور نیویارک میں بھی اپنی آواز دم بھر میں پہنچا سکتے ہیں۔ کس طرح؟ بجلی کی طاقت سے! اور اسے تو یہ بجلی مستحکم کی تصویر بھی مخاطب تک پہنچانے لگی ہے۔ جسے

ٹیلی وژن کہتے ہیں۔ تو یہ آپ کی بجلی ہے۔ اور براق تو خالقِ بجلی کی اپنے محبوب کے بلائے کے لئے بھیجی ہوئی سواری تھی۔ پھر وہ اگر لحظہ بھر میں حضور کو سیر معراج کرا دے۔ تو اس میں کیا تعجب کی بات ہے؟

ہمارے ذرا نظر کی ذرا سرعتِ سیر دیکھئے۔ کہ ابھی تو ہماری نظر زمین پر تھی۔ اوپر دیکھتے ہی یہ نظر فوراً آسمان پر پہنچ گئی۔ تو جب ہماری نظر کی سرعتِ سیر کا یہ عالم ہے۔ تو حضور جو خدا تعالیٰ کی خاص نظرِ رحمتا ہیں۔ وہ ان کی آن میں زمین پر سے عرشِ اعظم پر کیوں نہیں پہنچ سکتے۔ ہمساری نظر آسمان تک رک کر رہ گئی۔ اور خدا کی نظرِ رحمتا آسمانوں کو بھی عبور کر کے وہاں تک جا پہنچی۔ جہاں کوئی دوسرا نہ پہنچ سکے۔

تھا براق نبی یا کہ نورِ نظرا: یہ گیا وہ گیا وہ نہاں ہو گیا
کرہ نارسے کیسے گزر گئے | ایک عقلی شبہ یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ حضور اگر اوپر گئے۔ تو زمین سے بلند اوپر کی جانب جو

آگ کا کرہ ہے۔ اس میں سے آپ جے جے سالم کیسے گزر گئے۔ ہم کہتے ہیں کہ جس نے حضور کو اوپر بلایا۔ اسی خدا نے اس کو سے گزر جانے کا انتظام بھی فرمایا۔ وہ قادرِ مطلق ہے۔ دیکھئے سمندر کیڑا آگ میں رہتا ہے۔ نہ جلتا ہے نہ عرتا ہے۔ اور علامہ دیمیری رحمۃ اللہ علیہ سے حیوانِ احمیوان کے متعلق جلد ۲ میں شتر مرغ کے متعلق لکھا ہے کہ شتر مرغ آگ کا چنگارا نقل جاتا ہے۔ اس کا پیٹ اس آگ کے چنگارے کو بچھا دیتا ہے۔ اور وہ پڑھو گارا اسے نہیں جلاتا۔ اسی طرح سمندر کے متعلق علامہ قزوینی نے عجائب المخلوقات میں لکھا ہے کہ وہ ایک ایسا جانور ہے جو شکل میں چوہے سے ملتا جلتا ہے۔ مگر چوہا نہیں ہے۔ اس کے بالوں، چمڑے، اور گوشت کو آگ ضرر نہیں پہنچاتی۔ چنانچہ ماہِ ملیہ شمارہ ستمبر ۱۹۵۳ء کے دلچسپ صفحہ میں بھی اس کا ذکر آچکا ہے۔ کہ یہ جانور آگ میں رہ کر لذت پاتا ہے۔ جب اس کا جسم میلا ہو جاتا ہے۔ تو آگ میں گھس جاتا ہے۔ اور اس کا جسم صاف ہو جاتا ہے۔ اس پرندے کے پروں سے اگر رومال تیار کیا جائے۔ تو وہ رومال میلا ہو جانے پر

آگ میں ڈال دیجئے۔ تو آگ اس کی میں کھا جاتی ہے۔ اور رومال نہیں جلتا سلطان حلب کو دو ٹاہتہ لمبا اور ایک ٹاہتہ چوڑا ایک رومال پیش کیا گیا۔ جو سمندل کے پروں سے تیار کیا گیا تھا۔ سلطان کے حکم سے یہ رومال تیل میں بھگو کر آگ میں ڈالا گیا۔ نتیجہ یہی نکلا۔ کہ آگ نے تیل کو جلا ڈالا۔ اور جب تیل ختم ہو گیا۔ تو آگ بجھ گئی۔ اور رومال ویسے کا ویسے ہی رہا۔

آپ زمانہ حال کی ایجادات کو دیکھ لیجئے۔ گیس کے فیٹل جو سوتی جالی سے بنے ہوتے ہیں۔ اس قدر تیز آگ میں رہ کر بھی نہیں جلتے۔ — ولایتی آتش بازی کی پھلجھڑیاں جلانے سے ان میں سے آگ نکلتی ہے۔ مگر اس کے آتشی پھول کپڑوں پر گرتے ہیں۔ تو اس سے کپڑے نہیں جلتے۔

تو میرے دوستو! جس خدا نے سمندل پرندے کو آگ میں جلنے سے محفوظ رکھا۔ شتر مرغ کے پیٹ کو آگ کے چنگارہ سے نہ جلنے دیا۔ اور پھلجھڑیوں کی آگ سے جلا دینے کی طاقت سلب کر کے ہمارے کپڑوں کو آگ سے بچا لیا۔ اسی خدا نے اپنے محبوب کو آگ کے کرہ سے بن جلے سلامتی سے گزار لیا۔ بتاؤ اس میں کونسی مشکل بات ہے؟

بھائیو! یہ تو حضور کی ذات گرامی ہے۔ خدا کی قسم حضور کے نام میں بھی وہ تاثیر ہے۔ کہ جہنم کی آگ کو بھی سرد کر دے۔
سرد کر دیں گے عاصی جہنم کی آگ!
مصطفیٰ کہہ کے جس وقت چلا بیٹنگے

آسمانوں سے عبور
ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے۔ کہ حضور آسمانوں میں سے کیسے گزر گئے۔ جب کہ آسمانوں کا کوئی دروازہ نہیں ہے۔ مومن کا جواب یہ ہے۔ کہ آسمانوں کے دروازے ہیں۔ جو حضور کے لئے اس رات کھل گئے تھے۔ اور ان لوگوں کو اپنی تسلی کے لئے اپنی ایکس سے لائٹ کو دیکھنا چاہیے۔ جو مریض کے کپڑوں اور اس کے جسم کو بغیر کسی چیر پھاڑ کے عبور کر جاتی ہے۔ اور اندرونی مرض کا فوٹو باہر لے آتی ہے۔ تو کیا یہ ممکن نہیں ہے۔ کہ حضور جو منبع الانوار ہیں۔ ان آسمانوں سے خدا کی

قدرتِ کاملہ سے عبور کر جائیں ؟

اگر ہماری نظر عینک کے شیشہ سے بغیر توڑ پھوڑ کے پار ہو سکتی ہے۔ تو حضور جو خدا کی نظر رحمت ہیں۔ ان آسمانوں سے کیوں پار نہیں جا سکتے ؟

مخالف کہتے ہیں کیوں کر بنی افلاک پر پہنچے !

فلک کو در نہیں کیسے وہ عرش پاک پر پہنچے

یہ کہہ دو لوز کو حائل نہیں دیوار ہوتی ہے

نظر شیشے پہ جب پڑتی ہے فوراً پار ہوتی ہے

اس بات پر بھی عقلی شبہ پیش کیا جاتا ہے۔ کہ اتنا طویل سفر **بستر کا گرم رہنا** طے کرنے کے بعد واپسی پر بستر مبارک کا گرم ہی پانا عقل

نہیں مانتی۔ حالانکہ اپنی لوگوں نے ایک بوتل جسے تھرموس کہتے ہیں۔ تیار کر

دی ہے جس میں گرم چائے ڈالو۔ تو چوبیس گھنٹے تک وہ گرم کی گرم ہی

رہتی ہے۔ تو کیا رات کائنات اپنے محبوب کے بستر استراحت کو گرم کا گرم

نہ رکھ سکتا تھا؟ سچ ہے۔

خدا جب دین لیتا ہے حماقت آہی جاتی ہے

میرے بزرگو! یہ "بیوقوف عقلمند" یورپ کی تو ہر بات چاہے عقل **لطیفہ** میں نہ بھی آئے۔ مان لیتے ہیں۔ مگر دین کی ہر بات ان کیلئے ناقابل

تسلیم ہوتی ہے۔ ان کی مثال اس جنٹلمین جیسی ہے۔ جس کے پاس اس کے

گاؤں کا ایک نائی آیا۔ جنٹلمین نے اس نائی سے پوچھا۔ سناؤ میرے گھر کا

کیا حال ہے۔ نائی نے جواب دیا۔ بابو جی! کیا بتاؤں۔ آپ کی بیوی صاحبہ

بیوہ ہو گئی ہیں۔ بابو جی نے یہ سنا۔ تو لگے رونے اور چلانے، محلے والے

آئے اور پوچھا۔ کہ کیا ہوا۔ تو بولے کیا بتاؤں۔ یہ نائی میرے گاؤں سے آیا

ہے۔ اور اس نے بتایا ہے۔ کہ میری بیوی بیوہ ہو گئی ہے۔ محلے والوں نے

یہ سن کر کہا۔ کہ کچھ عقل سے بھی کام لو۔ تمہارے جیتے جی تمہاری بیوی بیوہ

کیسے ہو سکتی ہے۔ تو بولے "یہ تو ٹھیک ہے۔ مگر یہ نائی بڑا معتبر ہے"

بھائیو! اسی طرح ان بیوقوف عقلمندوں کے لئے یورپ کا نائی بڑا معتبر

ہے۔ وہ کچھ بھی ٹانگ دے یہ مان لینگے۔ ہاں اگر انکار کریں گے۔ تو دین کی باتوں کا۔
 طعدوں کی بات کو ہنس ہنس کے کر لینا قبول
 اور ہنسی دین کی اڑانا آجکل فیشن میں ہے

سبحان حضرات! ابتداء وعظ میں جو میں نے آیت پڑھی ہے۔ اس میں اللہ
 تعالیٰ نے سب سے پہلے سبحان فرمایا ہے۔ خدا کو علم تھا کہ اس
 کے محبوب کے اس سفر عالی کا سن کر پرستارانِ عقل شور مچائیں گے۔ اس واقعہ
 کو غلط بتائیں گے۔ اس واسطے خدا نے اس بے عقلی کا سبب کرنے کو سب سے
 پہلے لفظ "سبحان" اختیار فرمایا۔ اور فرمایا "پاکی ہے اُسے" کس چیز سے؟ ہر عجز و
 بے چارگی سے، اور ہر نقص سے، کہ یوں کہا جاسکے۔ کہ لاکھوں برس اور کروڑوں
 میل کا سفر حضور نے ایک لمحہ میں کیسے طے کر لیا؟ اور ایک جسم زمین سے اوپر
 کیسے چلا گیا؟ اور اگر گیا۔ تو آگ کے کرہ سے بچ کر کیسے گزر گیا۔ اور گزر بھی
 گیا۔ تو آسمانوں میں سے کیسے نکل گیا؟ جب لے جانے والی ذات ہر عجز و
 بے چارگی سے پاک ٹھہری۔ تو پھر ان شکوک و شبہات کا کیا معنی؟

کسی اس کے بعد اللہ نے پھر "اسرئیل" فرمایا ہے۔ یعنی پاکی ہے اسے جو
 اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔ "جو لے گیا" یہ جملہ معراج جسمانی
 کے انکار کرنے والوں کا منہ توڑ رہا ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے معراج جسمانی کے
 انکار کی کوئی وجہ ہی باقی نہیں رہتی۔ اس لئے کہ اگر ایک چھہ سمانہ بچہ ایک
 بھر سے صحیح میں یوں کہے۔ کہ میں خود یورپ اور امریکہ کی سیر کر کے آیا ہوں۔ تو اس
 بچے کے اس دعویٰ کو تسلیم کرنا مشکل ہے۔ مگر جب اس بچے کا چہاندیدہ رئیس
 و امیر باپ اس امر کا اعلان کرے۔ کہ میں اپنے بچے کو یورپ و امریکہ لے گیا۔
 اور اسے لندن و پیرس۔ اور نیویارک وغیرہ کی سیر کرائی۔ اور سب کچھ دکھایا
 تو اب کون بے عقل ہے۔ جو اس بچے کی سیر کا انکار کرے؟ قرآن پاک کی
 فصاحت بھی کیا قابلِ داد و فصاحت ہے۔ کہ یوں نہ فرمایا۔ کہ میرا بندہ خود گیا
 تاکہ عقل کے بھاریوں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے۔ کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ بلکہ
 یوں فرمایا۔ کہ ہم خود لے گئے۔ اور ہم نے سیر کرائی۔ تو اب عقل کے لئے بشرطیکہ

عقل سلیم ہو بجز تسلیم کے چارہ نہیں۔ کہ خدا نے برتر و توانا لے جا سکتا ہے
لہذا لے گیا اور حضور یقیناً گئے۔

پھر فرمایا۔ پاکی ہے اُسے جو راتوں رات لے گیا۔ "اپنے بندے کو"
یہ لفظ "عبد" (بندہ) یعنی اعلان کر دیا ہے۔ کہ محبوب پاک صلی

وَعَبْدٌ
لِعَبْدِ

اللہ علیہ وسلم مع الجسم تشریف لے گئے۔ اس لئے کہ "عبد" کا اطلاق روح اور
جسم دونوں پر ہوتا ہے۔ دیکھ لیجئے۔ قرآن میں جہاں انسان کے لئے "عبد" استعمال
کیا گیا ہے۔ وہاں روح و جسم دونوں مراد ہیں۔ مثلاً سورہ مریم میں ہے۔
ذَكَرْ رَحْمَةً رَبِّكَ عَبْدًا ذَكِرْنَا۔ یہ ذکر اس رحمت کا ہے۔ جو
تیرے رب نے اپنے بندہ ذکر کیا پر کی تھی۔

یہاں "عبد" سے یقیناً ذکر کیا علیہ السلام مع روح و جسم کے مراد ہیں۔ سورہ جن میں
ہے۔ وَ إِنَّهُ لَمَّا شَاءَ عَبْدُ اللَّهِ۔ یعنی جب اللہ کا بندہ (حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام) عبادت کے لئے کھڑا ہوا۔

یہاں "عبد" سے مراد روح اقدس مع جسم انور ہے۔ ایک دوسری جگہ فرمایا۔
إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا۔ یہاں بھی
عبد سے مراد روح مع الجسم ہے۔

تو جب محاورہ قرآن میں کلمہ "عبد" سے مراد جسم و روح مراد ہے۔ تو کیا
وجہ ہے۔ کہ اس موقعہ اسرار و معراج میں اس کلمہ "عبد" سے حضور کی روح
انور مع جسم اقدس مراد نہ ہو۔

پاکی ہے اُسے جو اپنے بندے کو لے گیا۔ "راتوں رات" یہ راتوں
رات کی تعبیر بھی جسم شریف کی سیر کا اعلان کر رہی ہے کہ

لَيْسَ
لَيْسَ

روح کی سیر کے لئے کوئی وقت مقرر کرنا موزوں نہیں۔ اور پھر سر شریف کمال
صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح تو ہر وقت ہی انتہائی تقرب خداوندی
کے درجہ پر نازل ہے۔ پھر "راتوں رات" کی تفسیر کیسی؟ ہاں جسم شریف
کے لئے اس کی تعبیر موزوں ہو سکتی ہے۔ کہ اس جسم پاک کو بھی رات کے
ایک حصہ میں انتہائی تقرب خداوندی حاصل ہو گیا۔

مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى

پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔ "مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک" یہ جملہ بھی سیرِ جسمانی کا اعلان کر رہا ہے۔ کہ روح

کے لئے طولِ زمان و بعدِ مکان یکساں ہے۔ اور اس کے لئے "ادھر سے ادھر پہنچی" اور یہاں سے چل کر وہاں تک گئی۔ کے کلمات ہرگز موزوں نہیں۔ یہ محل و مقام اور زمان و مکان کی تحدید و تعیین تو جسم کے لئے ہی ہے۔ تو اس صیغہ اور الیٰ سے بھی ثابت ہوا۔ کہ حضور نے معراجِ جسم سیر فرمائی۔

میرے بزرگو! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج پاک کی بزرگوں نے بہت سی حکمتیں لکھی ہیں۔ ان میں

سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب کوہِ طور پر معجزہ عطا ہوا۔ تو خدا نے اسی وقت فرمایا۔ "إِلْقِ عَصَاكَ" اپنے عصا کو پھینکو چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے پھینکا۔ اور وہ پھینکتے ہی سانپ بن گیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام ڈر گئے۔ خدا نے فرمایا۔ "خُذْهَا وَلَا تَخَفْ" اسے پکڑ لو اور ڈرو مت! چنانچہ آپ نے پکڑ لیا وہ پھر عصا بن گیا۔

میرے دوستو! حضرت موسیٰ علیہ السلام اگر اس عصا کا سانپ بن جانا پہلے ہی نہ دیکھ لیتے۔ تو پھر فرعون اور اس کی قوم کے مقابلہ میں جب یہ عصا ڈالتے اور وہ سانپ بن جاتا۔ تو آپ وہاں ڈر جاتے۔ تو معجزہ کی غرض فوت ہو جاتی اسی لئے اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہلے ہی اس عصا کا سانپ بن جانا دکھا دیا۔ اور آپ کا ڈر اتار دیا۔ تاکہ وقتاً پر جب فرعون کا مقابلہ ہو تو آپ یہ معجزہ بے خوف ہو کر دکھائیں۔ اسی طرح چونکہ کل قیامت کا دن بڑا ہولناک ہوگا۔ اور سب نفسی نفسی پکارتے ہونگے۔ اور اس دن صرف ہمارے حضوری امتی امتی کا نعرہ لگا رہے ہونگے۔ اور آپ ہی گنہگاروں کی شفاعت فرمائینگے اس لئے اللہ نے پہلے ہی شبِ معراج حضور کو اپنے پاس بلا کر جنت و دوزخ و دیگر امور غیبیہ کا مشاہدہ کرا دیا۔ تاکہ آپ کل قیامت کے دن

بے خوف ہو کر گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں۔

واقعہ معراج میرے دوستو! معراج کی شب جبریل امین کو حکم ہوا کہ :-

اے جبریل! اس رات آسمانوں کو سجا دو۔ نور کی چادریں بچھا دو۔ سب کے سب صفا صفا دست بستہ کھڑے ہو جاؤ۔

اور تم خادمانہ لباس پہن لو اور ستر ہزار فرشتوں کو ساتھ لے لو۔

جبریل نے عرض کی۔ الہی کیا قیامت قریب آگئی؟ ارشاد باری ہوا :-

لَا وَ لَٰكِنُّ حَبِيبٌ اُرِيكَ اَنَّ اَقْرَبِيَهٗ — نہیں! بلکہ اپنے

حبیب کو قریب بلانے کا ارادہ ہے۔ "روض الفائق ص ۱۱۱"

یہ رات کیا ہی عجیب رات تھی۔ اس مبارک رات کی نورانیت و عظمت کو کون بیان کرے۔ سبحان اللہ! ہر طرف نور ہی نور اور ہر طرف سرور ہی سرور۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں :-

وہاں فلک پر یہاں زمیں ہیں رچی تھی شادی مچی تھیں دھریں

ادھر سے انوار بنتے آتے ادھر سے نفحات اکھڑ رہے تھے

یہ چھوٹ پڑتی تھی ان کے رخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی چھٹکی

وہ رات کیا جگمگا رہی تھی جگہ جگہ نصب آئینے تھے

بخاری و مسلم۔ خصائص کبریٰ اور مواہب شریف و دیگر کتب احادیث

میں جو تفصیل واقعہ معراج کی مذکور ہے۔ اس کے مطابق نبوت کے بارہویں

سال رجب شریف کی ۲۷ ویں شب کو یہ مرتبہ حضور کو عطا ہوا۔ اس رات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے شمالی جانب ام ہانی کے حجرہ میں آرام فرما

تھے۔ کہ اچانک حضرت جبریل پچاس ہزار فرشتوں کے ساتھ ہمہ آہستہ ہراتی

برق رذاز کے حاضر ہوئے۔ فرشتوں کی تسبیح سے سرم شریف گونج اٹھا حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب ناز میں دیکھ کر جبریل نے دفعتاً جگانا خلافت ادب

جانا۔ اس لئے اپنی کانفوری آنکھیں سرکار کے پاسے مبارک کے نوری تلواروں

سے ملنے لگے۔ اور آہستگی سے یوں عرش کرنے لگے :-

اے رسول عربی شافع محشر جاگو آیا جبریل ہے، لینے کو پیمبر جاگو!

صدقے ان زنگی آنکھوں کے گل تر جاگو بخت پر آپ کے قربان سکندر جاگو

جاگو جاگو مرے آقارے سرور جاگو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو حضرت جبریل نے خدا کے وصال کی

بشارت سناٹی اور عرض کی ۔

مژدہ وصلِ خدا تم کو مبارک ہوئے : طلعتِ قربِ سدا تم کو مبارک ہوئے

جو کسی کو نہ ملا تم کو مبارک ہوئے : رتبہ صدق و صفائے تم کو مبارک ہوئے

شبِ معراج شہانہ تم کو مبارک ہوئے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آرام فرما ہونا۔ اور جبریل امین کا دیدار حق کا

پیغام لے کر حضور کو لے چلنے کے لئے حاضر ہونا۔ اس واقعہ کو اعلیٰ حضرت بریلوی

نے اس شعر میں بیان فرمایا ہے ۔

یہی سماں تھا کہ پیکرِ رحمتِ خیر یہ لایا کہ اٹھے حضرت

تمہاری خاطر کشادہ ہیں جو کلیم پر بند راستے تھے!

حضور موسیٰ علیہ السلام جب کہ طور پر گئے۔ اور عرض کی۔ رَبِّ ارِنِي

اَلْغُرُ الْاَيْلَاطَ۔ لے رب! مجھے اپنے دیدار سے مشرف فرما۔ تو جواب ملا تھا۔

لَنْ تَرَانِي..... تم مجھے نہیں دیکھ سکتے!

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔ کہ جبریل نے اس وقت حاضر ہو کر عرض کی کہ حضور

وہ راستے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے بند تھے۔ یعنی دیدار کے راستے۔

اس راستہ وہ آپ کے لئے کھل گئے ہیں۔ اور وہی ربِّ دو عالم جس نے حضرت

موسے علیہ السلام کو لَنْ تَرَانِي فرمایا تھا۔ آپ کو اپنے پاس بلا رہا ہے۔ اور

دعوتِ دیدار سے بلا رہا ہے ۔

تبارک اللہ ہے شانِ تیری تجبی کو زیبا ہے بے نیازی

کہیں تو وہ جوشِ لَنْ تَرَانِي کہیں تقاضے وصال کے تھے

میں تو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جگا کر جبریل امین نے پیر سینہ پر نو

حضور کا چاک کر کے قلبِ نور کو تین مرتبہ آبِ زمزم سے دھویا۔ اور لاکھوں

کے انوار و تجلیات سے معمور کر کے بدستور اپنی جگہ رکھ کر سی دیا۔

حضرات! یہ مبارک رات کیسی مبارک رات ہے۔ شب سے محبوب
نورہی نور کے وصال کی رات! طالب کی مطلوب سے ملاقات کی رات

زمین و آسمان پر نور ہی نور ہے۔ ہر طرف سرور ہی سرور ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

وہاں فلک پر یہاں زمین میں رچی بھئی شادی بھی بھئی دھوئی
 ادھر سے انوار ہنستے آئے ادھر سے نفحات اٹھ رہے تھے

اور یہ حرم شریف؟ اس رات یہ کس عالم میں ہے۔ فرماتے ہیں

خوشی کے بادل امنڈ کے آئے دلوں کے طاؤس رنگ لائے

وہ نغمہ نعت کا سماں تھا حرم کو خود وجد آ رہے تھے

تو اسی عالم صد سرور و نور میں پچاس ہزار فرشتوں کے
جہنم کے دولہا جہنم میں جبریل امین حضور کو جنت کا دولہا بنا

رہے ہیں۔

خدا ہی دے صبر جان پر غم دکھاؤں کیونکر تجھے وہ عالم
 جب انکو جہنم میں لے کے قدسی جنان کا دولہا بنا رہے تھے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نورانی جہنم میں جبریل امین نے پھر آب کوثر
 سے غسل دیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی قبر انور پر رحمت کے پھول پھما رہے

ہوں۔ اس موقع پر کیا ایمان افروز شعر ارشاد فرماتے ہیں۔ فرماتے ہیں

اتار کر ان کے رخ کا صدقہ یہ نور کا بٹ رہا تھا بارہ

کہ چاند سورج پھل پھل کر جیس کی خیرات مانگتے تھے

یعنی یہ چاند اور سورج کا سارا نور شب معراج کے اس نورانی غسل میں

جبین منطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے گرسے ہوئے پانی کا صدقہ ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک تلووں کا جو دھووان بننا۔

اس سے کیا بنا؟ فرماتے ہیں۔

بچا جو تلووں کا ان کے دھوون بنا وہ جنت کا رنگ و روغن

جنہوں نے دولہا کی پائی اترن وہ پھول گلزار نور کے تھے

وضو کا پانی | اس غسل شریف میں حضور نے جو وضو فرمایا۔ جبریل کو حکم ہوا

کہ جبریل یہ وضو کا پانی لے لو۔ اور میکائیل کے سپرد کر دو۔ اور پھر یہ پانی رضوان جنت تک پہنچا دیا جائے۔ تاکہ رضوان جنت اس پانی کو حوران جنت میں تقسیم کر دیں۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ اور پھر حوران جنت کو حکم ہوا کہ یہ پانی اپنے اپنے منہ پر مل لو۔ انہوں نے مل لیا۔ اور ان کا نور و حسن بڑھ گیا۔

ہاں تو کہا تو باغسل شریف کے بعد پھر حضور کو حلقہ بہشتی پہنایا گیا اور سر اقدس پر وہ عمامہ باندھا گیا۔ جو آپ ہی کے لئے اس شب کو باندھنے کے لئے حضرت آدم علیہ السلام سے بھی پہلے تیار کیا گیا تھا۔ اور ایک نورانی چادر حضور کو اڑھائی گئی۔ اور سچا پس ہزار فرشتوں کے نورانی انبوہ میں حضور نے تیاری فرمائی

تجلی حق کا سہرا سر پر صلوة و تسلیم کی نچھاورا!

دو روپہ قدسی پرے جما کر کھڑے سلامی کیواسطے تھے

اس کے بعد جبریل نے پھر ایک تیز رفتار جنتی مرکب براق نامی خدمت عالی میں پیش کیا۔ اور عرض کی۔ حضور اس پر سواری فرمائیں جنو

براق

نے یہ سن کر اس پر سواری کا قصد فرمایا۔ تو براق کچھ شوخی کرنے لگا۔ اس پر جبریل نے براق سے خطاب کر کے کہا۔ اے براق کھڑ جا شوخی نہ کر اس وقت تجھ پر وہ سوار ہوتا ہے۔ جو اللہ کا محبوب ہے۔ اور نبی آخر الزمان ہے۔ براق یہ سن کر شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ پھر حضور سوار ہوئے۔

ابھی نہ آئے تھے پشتِ زین تک کہ سر ہوئی مغفرت کی اشک
صدا شفاعت نے دی مبارک گناہ مستانہ جھومتے تھے!

جبریل نے رکاب بھامی۔ میکائیل نے لگام پکڑی اور گروہ ملائکہ سمیت بیت المقدس کو روانہ ہوئے۔ یہ مبارک سواری کس شان سے روانہ ہوتی؟ کس میں طاقت ہے۔ کہ بیان کر سکے۔ آج کوئی افسر کسی شہر میں آتا ہے۔ تو اس کی راہ میں ریشمی چادریں بچھا دی جاتی ہیں۔ مگر اس راستہ کو سرور عالم کی یہ سواری جس راہ سے گزرنے والی ہے۔ آپ جانتے ہیں۔ اس راہ میں کیا بچھ رہا تھا؟

غبار بن کر نثار جاتیں کہاں اب اس رہگذر کو پائیں!

ہماری دل حوریوں کی آنکھیں فرشتوں کے پر جہاں بچھے تھے

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بائیں شان و شوکت بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں نخلستان طیبہ جو اس وقت یثرب کہلاتا تھا۔ اور جہاں کچھ عرصہ کے بعد حضور ہجرت فرما کر تشریف لائے وائے تھے۔ اور طور سینا پہاڑ کہ جس پر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے بائیں کی تھیں۔ اور بیت اللیم جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ کی سیر کرتے اور ہر متبرک مقام پر دو رکعت نماز نفل ادا کرتے ہوئے آپ آگے تشریف لے چلے۔

پکا ایک ایک حسین عورت بناؤ سنگار کر کے اور خوب بن
دنیا و شیطان ٹھن کر حضور کے سامنے آگئی۔ مگر حضور نے اسکی طرف مطلق

التفات نہ فرمایا۔ اس کے بعد ایک بوڑھے مرد نے آپ کو پکارا۔ مگر حضور نے اس کی طرف بھی التفات نہیں فرمایا۔ نہ جواب دیا۔ اس موقع پر جبریل نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! وہ جو حسین عورت تھی وہ دنیا تھی۔ اگر حضور اس کی طرف التفات فرمائیے۔ تو حضور کی ساری امت دین چھوڑ کر دنیا کی طرف راضی ہو جاتی۔ اور جس بڑھے نے آپ کو پکارا تھا۔ وہ شیطان تھا۔ اگر آپ اسکی آواز پر جواب دیتے تو آپکی ساری امت اس کے دام فریب میں پھنس کر گمراہ ہوتی جاتی۔

اس کے بعد آپ آگے بڑھے تو مشرکی سر زمین سے گزرتے ہوئے
قبر سے خوشبو آپ کو ایک جگہ سے بڑی خوشبو آئی۔ جبریل نے عرض کیا حضور! فرعون کی دختر کی ایک خادمہ تھی۔ جو مسلمان ہو گئی تھی اور فرعون نے بڑی بے دردی سے مروا ڈالا تھا۔ یہ خوشبو اس کی قبر سے آ رہی ہے۔

غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی قسم کے بہت سے
بیت المقدس عجائب و غرائب ملاحظہ فرماتے ہوئے بیت المقدس تک

پہنچ گئے۔ یہاں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سارے پیغمبر علیہم السلام کے سبب آپکی انتظار میں چشم براہ اور گوش برآواز تھے۔ آپ کو دیکھتے ہی فوراً استقبال کو آگے بڑھے۔ آپ نے براق سے اتر کر بعد السلام علیکم کے سبب سے ملاقات فرمائی۔ جبریل نے تعارف فرمایا۔ اور براق آپ کا بیت المقدس کے اس دروازہ سے باندھا گیا۔ جو آج

بھی باب محمد کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے بعد جبریل نے اذان کہی۔ اس اذان کو سن کر آسمانوں سے دیگر فرشتے بھی نازل ہوتے لگے۔ یہاں تک کہ ساری مسجد اور جنگل زمین سے آسمان تک بھر گیا۔ جبریل نے تکبیر کہی صاف دست ہوئی۔ تمام انبیاء اور فرشتے پیچھے کھڑے ہوئے۔ اور امام الکل سرور رسل سب کے امام بنے۔ اور نماز پڑھائی۔ سارے نبیوں کے بعد تشریف لانے والے آج سارے نبیوں کے آگے تشریف فرما تھے۔

نماز اقصیٰ میں تھا یہی ستر عسیاں ہوں معنی اول آخر کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔ کہ بیت المقدس کی اس نماز میں یہی راز تھا۔ کہ حضور کے اول و آخر ہونے کا مظاہرہ ہو جائے۔ دیکھ لیجئے۔ جتنے انبیاء کرام حضور سے پہلے گزر چکے تھے۔ وہ سب کے سب آج حضور کے پیچھے کھڑے ہیں اور حضور سب سے آگے ہیں۔ گویا سب سے پیچھے آنے والے نبی آج سب سے آگے ہیں۔ حضور کا سب سے پیچھے تشریف لانا یہ حضور کا "آخر ہونا" اور سب سے آگے کھڑے ہونا اور سب کا امام بننا یہ حضور کا "اول ہونا" ہے بیت المقدس تک پہنچنے کے بعد پھر حضور سے جبریل نے عرض کی

آسمانوں پر

یا رسول اللہ! آسمان والے آپ کی اشتیاق میں سراپا انتظار ہیں۔ اب آئیے آپ اوپر تشریف لے چلیے۔ چنانچہ پھر حضور نے آسمان کی طرف رخ فرمایا۔ پہلے آسمان تکس آپ پہنچے۔ تو جبریل نے دروازہ کھلوا دیا، اس دروازے کے محافظ اسماعیل نامی فرشتے نے دروازہ کھولا۔ تو حضور اندر داخل ہوئے پہلے آسمان کے حمد فرشتے استقبال و زیارت کو بڑھے اور مرحبا مرحبا کی صدا میں بلند ہوئے لگیں۔ حضور فرماتے ہیں۔ میں نے پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام کو تشریف فرما دیکھا۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب سلام دیا۔ پھر حضور دوسرے آسمان تک پہنچے۔ جبریل نے دروازہ کھلوا دیا۔ آپ اندر داخل ہوئے۔ آپ فرماتے ہیں۔ میں نے دوسرے آسمان پہنچے علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ سلام کیا۔ انہوں نے جواب

ویا۔ مسلمانو! یہاں ایک عام غلطی کی تصحیح کر لیجئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عام مشہور ہے۔ کہ آپ چوتھے آسمان پر ہیں۔ یہ بات غلط ہے۔ حدیث معراج سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوسرے آسمان پر ہونا ثابت ہے حضور علیہ السلام پھر اسی طرح تیسرے آسمان پر پہنچے اور پھر چوتھے۔ اور پانچویں اور چھٹے آسمان پر تشریف لے گئے۔ تیسرے آسمان پر آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات فرمائی۔ چوتھے پر حضرت ادریس۔ پانچویں پر حضرت ہارون اور چھٹے پر حضرت موسیٰ علیہم السلام سے ملاقات فرمائی۔ ساتویں آسمان پر حضور جب پانچویں۔ ثوبیت المعمور سے تکیہ لگائے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا۔ حضرت خلیل نے جواب سلام دیا اور فرمایا۔ نیکسا بنی، اور نیکسا فرزند کو یہ رتبہ مبارک ہو۔ الغرض حضور کی سواری ساتوں آسمانوں کے فرشتوں کے انہوں میں سے اور انبیاء کرام کی مجالس میں سے بڑی شان و شوکت کے ساتھ گزری۔ اور آگے بڑھی۔

تعمیر رسول | یہاں ایک فرشتے کا واقعہ بھی سن لیجئے۔ یہ روایت جامعہ طبرستان فی سیر خیر البریات مطبوعہ مصر ص ۱۱۱ پر علامہ محمد رضا سی کے درج فرمائی ہے۔ اور میں نے اسے جامعہ نظم بھی پہنایا ہے۔ چنانچہ اس روایت کو سنئے اور سو سنئے۔

اس روایت میں آتا ہے کہ واقعہ معراج شریف سے کچھ عرصہ بعد ایک مرتبہ جبریل امین حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی۔ یا رسول اللہ! آج ایک عجیب بات غرض کرنے حاضر ہوا ہوں۔ یا رسول اللہ! آپ کے معراج کو جانے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ کہ آسمان پر میں نے ایک بہت بڑا رستہ اور وقار کا مالک فرشتہ دیکھا۔ حضور! یہ فرشتہ سے

اک مرقع تخت پر بیٹھا ہوا تھا ذی وقار
اور فرشتے تخت کے ماحول تھے مستر ہزار
وہ فرشتہ مقتدی تھے اور یہ ان کا امام
کر رہے تھے ذکر حق بل کر یہی تھا ان کا کام

یا رسول اللہ! وہ فرشتہ بڑی عزت کا مالک تھا۔ اور خدا نے اُسے بہت عروج و وقار عطا فرما رکھا تھا۔ مگر اب جو میں ایک دن قاف کے پہاڑوں سے گزرا ہوں۔ تو ایک دردناک آواز سنی۔ یہ آواز سن کر میں جہاں سے آواز آ رہی تھی۔ وہاں گیا۔ تو حضور کیا بتاؤں کہ میں نے کیا دیکھا اور کسے دیکھا؟

اللہ رب کے بھی کیا بے نیازی کے ہیں کام
یا نبی یہ تھا وہی جو تھا فرشتوں کا امام
تخت پر دیکھا تھا اس کو ایک دن افلاک پر
اور اس دن دیکھتا ہوں رو رہا ہے خاک پر
اس کے خادم تھے فرشتے ایک دن ستر ہزار
آج یاں تنہا پڑا ہے، کوئی حامی ہے نہ یار

یا رسول اللہ! میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کہ یہ وہی معزز و معظم فرشتہ جو ستر ہزار فرشتوں کا امام تھا۔ آج بے کس و تنہا یہاں پہاڑوں میں پڑا ہوا ہے۔ اور کوئی پرسان حال نہیں۔ رو رہا ہے۔ اور رو کر حق سے معافی مانگ رہا ہے۔ حضور جب میں اس کے پاس پہنچا۔ اور اس سے انقلاب کی وجہ دریافت کی۔ اور اس زوالِ رتبہ کا سبب پوچھا۔ تو وہ بولا

لیلة المعراج کو بیٹھا تھا اپنے تخت پر
ذکر حق میں محو تھا اور ماسوئی سے بے خبر
سرور دو کون محبوب خدائے بحر و بر
میرے آگے سے ہوا ان کی سواری کا گزر
محو ذکر حق میں ہو کر لے رہا تھا رب کا نام
پہر تنظیمِ مہجہ رہ گیا مجھ سے پیام
بس یہی لغزش ہوتی میرے لئے وجہ وبال
آگیا اپنی جلالت میں رتبہ ذوالجبال

بس اے جبریل! مجھ سے جو یہ لغزش واقع ہوئی۔ تو خدا تعالیٰ اس بات پر اپنے جلال میں آگیا۔ اور میری ساری عبادت کی عدم قبولیت کا اعلان

فرا دیا۔ اور سے

حکم فرمایا نکل جا اے فرشتے پر غرور
کیوں نہ کی تعظیم آیا سامنے جب میرا نور
یہ عبادت رات دن کی مجھ کو نا منظور ہے
دور ہے جو میرے احمد سے وہ مجھ سے دور ہے
وہ عبادت ہی نہیں جس میں نہ ہو حب رسول
جن میں یو پاتی نہیں جاتی وہ ہیں کاغذ کے پھول

اے جبریل! اسی دن سے خدا نے معتوب فرا کر مجھے میرے تخت عزت سے
اتار کر یہاں پھینک دیا ہے۔ اب ہر وقت اس سے معافی مانگ رہا ہوں۔ مگر
تا حال میری توبہ منظور نہیں ہوئی۔ اے جبریل! تو ہی میرے لئے دعا کر اے کہ خدا
مجھے معاف کر دے۔ یا رسول اللہ! مجھے بڑا رحم آیا۔ اور میں نے اللہ سے
بصد عجز و نیاز اس کی معافی کے لئے دعا کی۔ حضور! آپ کے صدقہ میں خدا
کا دریائے رحم و کرم جوش میں آیا۔ اور میری دعا قبول ہوئی۔ اور مجھ سے
ارشاد ہوا۔ کہ اس معتوب فرشتے سے کہو۔ کہ اگر تم معافی لینا چاہتے ہو اور
تم اگر یہ چاہتے ہو رحمتوں کا ہو درود
تو میرے محبوب پر اک بار پڑھ ڈالو درود

یا رسول اللہ! میں نے اس سے کہا کہ حضور پر درود شریف پڑھو۔ تا کہ تیری
معافی ہو جائے۔ چنانچہ اس نے بڑے ذوق و شوق سے حضور پر درود پڑھنا
شروع کیا۔ اور اللہ نے اس کو معاف فرما دیا۔ اور حضور سے

آج میں نے پھر اسے دیکھا ہے اپنے تخت پر

پڑھتا رہتا ہے درود اسب آپ پر وہ بیشتر

میرے بزرگو! یہ سارا واقعہ نظم میں لکھ کر پیر میں لے سفح یہ لکھا ہے کہ

لے بشیر اس واقعہ میں یہ سبق موجود ہے

کہ بجز حب نبی ذکر خدا مردود ہے

سارے واقعہ کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ جب تک حب نبی اور تعظیم رسول

نہ ہو۔ ساری عبادت بیکار ہے۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے۔

ثابت ہوا کہ جسد فرائض فروغ میں
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

حضرات! حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ساتویں آسمان سے
سِدْرَةُ الْمُنْتَهَا | بھی آگے بڑھے تو آپ سِدْرَةُ الْمُنْتَهَا تک پہنچ گئے۔ یہ سِدْرَةُ

الْمُنْتَهَا ایک پیری کا درخت ہے۔ جو مکان کی سرحد پر واقع ہے۔ اس سے
آگے پھر لامکان شروع ہو جاتا ہے۔ گویا سِدْرَةُ الْمُنْتَهَا یہ مکان کا باڈر
ہے۔ اور یہ باڈر آج تک نہ کسی فرشتے، نہ کسی نبی و رسول نے کسی نے
بھی پار نہیں کیا۔ کسی کے پاس یہ باڈر پار کرنے کا پرمٹ ہی نہیں۔ ہاں
مہرِ ذاتِ ایک ہی ذاتِ بابرکات سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے
جو اس رات یہ باڈر پار فرما گئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جبریل جب سِدْرَةُ الْمُنْتَهَا کے پاس
پہنچے۔ تو یہاں پہنچ کر جبریل رہ گئے۔ اور انہوں نے آخر رہنا ہی تھا۔ اس لئے
کہ باڈر کو کون عبور کرے؟ چنانچہ عرض کی حضور! اب یہاں سے آگے بڑھنا
میرے نبی کی بات نہیں کہ

پڑھوں گا جو آگے میں اک بال بھر

تجلی سے جل جائیں گے بال و پر

مگر کیا حضور بھی یہیں رک گئے؟ ... نہیں نہیں سے

چلا وہ مردِ حرمین خراماں نہ رک سکا سدرہ سے بھی داماں

پلک جھپکتے رہے وہ کب کے سب اپن داں سے گزر چکے تھے

حضور نے فرمایا! اچھا اسے جبریل! اب ہم آگے تنہا تشریف لے جائیں گے

چنانچہ حضور پھر آگے تنہا بڑھے۔ میرے بھائیو! یہیں سے یہ بات بھی سمجھ لو کہ

جہاں جبریل جیسا فرشتہ بھی نہ جا سکے۔ وہاں میرے اور تمہارے جیسا بشر

کب جا سکتا ہے؟ حاشا و کلا ہرگز نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم ہماری مثل بشر نہیں۔ بشر ہیں۔ لیکن نہ ایسے جیسے ماوشا۔ بلکہ

وہ نوری بشر ہیں۔ خدا نہیں، خدا نما ہیں۔ نہ خدا ہیں نہ اس سے جدا ہیں۔ اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ کہ حضور کیا ہیں۔ اور حق یہ ہے۔ کہ حضور ایک بہتر خدا ہیں۔ اللہ ہی حضور کی حقیقت کو بہتر جانتا ہے۔

ہاں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لا مکاں سے آواز آئی۔ اے حبیب اب جبریل کو رخصت کرو۔ اور خلیل کی طرف قدم بڑھاؤ۔ چنانچہ حضور کے بڑھے مگر اب براق بھی رہ گیا۔ تو آپ کے لئے ایک نورانی مرکب رفق آیا۔

حضور پر نور اس مرکب نور پر سوار ہوئے تو سہ

رفق

پھر چرخ اطلس کی طرف رفق ہوا فر فر رواں

رفق تھی لہج بصر یا جنبش چشم یقین

الغرض یہ رفق بھی بہت سے مقامات و حجابات نورانی طے کرا کے غائب ہو گیا۔ اب یہ وہ وقت تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی دربار عالی میں اکیلے جانے والے تھے۔ بظاہر کوئی رہبر و ساتھی نہ تھا سہ

سراخ ابن و متی کہاں تھا نشان کیف والی کہاں تھا!

نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی نہ سنگب منزل نہ محلے تھے

اب یہ جانے اور لیجانے والا ہی جانے کہ کس قدر مقامات طے کر کے

حضور عرش الہی کے قریب پہنچے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اقدس

پر عظمت و جلال کبریا کے وہ آثار جو احکم الحاکمین کے حضور میں حاضر ہوتے

وقت اس کے پاک اور مقرب بندے کے لئے بے عیب دل پر ظاہر ہوا

کرتے ہیں۔ ظاہر ہو رہے تھے کہ آواز آئے لگی۔

أدن یا خیر البریہ أدن یا احمد أدن یا محمد — نزدیک آئیے

اے بہترین خلایق! نزدیک آئیے اے احمد، نزدیک آئیے

اے محمد! سہ

بڑھے اے محمد قریب ہو احمد قریب آ سرور متعجب

نثار جاؤں یہ کیا ندا تھی یہ کیا سماں تھا یہ کیا مئے تھی

حضور کے لئے یہ ندا ہے پر کیوں موجب انبساط و سرور ثابت ہوتی اور

آپ کا قدم مبارک بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ ہمارے آقا و مولیٰ و طاہر پہنچ گئے۔ جہاں کسی کا وہم و گمان بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اور یہ وہ مقام ہے۔ جو نہ کسی نبی و رسول کو حاصل ہوا۔ نہ کسی فرشتے کو، نہ کسی اور کو۔ تمام تجلیات جمالی و جلالی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آغوش میں لے لیا۔ اور محبوب نے اپنے محب اور طالب نے اپنے مطلوب کو ہر اقدس کی چشماں مبارک سے دیکھا اور آپ شدید سے منزل وید تک پہنچ گئے۔ اور جو دیکھا، سو دیکھا اور

جو سنا سو سنا۔ ۵

حجاب اٹھنے میں لاکھوں پردے ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے
عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے
اب خدا نے اپنے محبوب سے پوچھا۔ کہ اے حبیب یہ عام قاعدہ
راز و نیاز ہے۔ کہ جب کوئی دوست اپنے دوست سے ملنے جاتا ہے۔

تو اس کے لئے تحفے لے کر جاتا ہے۔ آپ میرے لئے کیا لائے؟ حضور نے
عرض کیا :-

التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَاةُ وَالطَّيِّبَاتُ — میری تمام بدنی

زبانی اور مالی عبادتیں صرف اللہ ہی کے لئے ہیں۔

حضور کا یہ تحفہ اللہ نے قبول فرمایا۔ اور جواب دیا :-

السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ —

ہر قسم کی سلامتی۔ اللہ کی رحمت، اور اس کی برکتیں ہوں

آپ پر اے نبی۔

اس موقع پر حضور نے اپنی گنہگار امت کو یاد فرمایا اور اسکو سادۃ

ملا کر، یوں عرض کیا۔

السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ — اللہ کی سلامتی

ہم پر یعنی ہمارے سادۃ ہماری گنہگار امت پر بھی اور اللہ کے

نیک بندوں پر بھی۔

جب فرشتوں نے یہ اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ دیکھا۔ کہ اس نبی رؤف و

رحیم و کریم نے اپنی امت کے گنہگاروں کو فراموش نہ فرمایا۔ تو بیک زبان سب بول اٹھے۔

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ — ہم سب فرشتے اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اور محمد اللہ کے سچے بندے اور رسول ہیں۔

حضور نے پھر عرض کی کہ مولا میرے لئے اور میری امت کے لئے تیری بارگاہ سے کیا تحفہ ہے؟ فرمایا! اے حبیب! تیرا ذکر ہمیشہ میرے ذکر کے ساتھ رہے گا۔ نمازوں میں ہمیشہ آپ پر صلوة و سلام پڑھا جایا کرے گا۔ حوض کوثر آپ کو عطا کیا۔ اسلام جہاد۔ نماز۔ صیئتہ۔ روزے امر بالمعروف نہی عن المنکر یہ تمام باتیں عطا کیں۔ اور میں نے آپ کو فارخ و خاتم بنایا حضور نے فرمایا۔ الہی! یہ تحفہ تو خاص میرے لئے ہوا۔ لیکن میری امت کے واسطے کیا تحفہ ہے۔ فرمایا یہ نماز تمہاری امت کے لئے تحفہ ہے۔ اور جاؤ۔ اب جنت میں جا کر دیکھ لو۔ کہ تمہارے غلاموں کے لئے میں نے کیا کیا باغات اور محلات تیار کر رکھے ہیں۔

حضور پھر جنت کے ملاحظہ فرمانے کو تشریف لے چلے وہ

جنت کی سیر

غل ہوا سیر کو فردوس کی آتے ہیں حبیب
 بولا رضواں کہ بھلا ایسے کہاں میرے نصیب
 پیشکش کیا میں کروں اس شاہِ زمن کے میں غریب
 مدقہ ہے آپ کا جو خلد میں ہے چیز بھیب

حضور جنت کے اندر داخل ہو کر اور اس کی نزاکت و نقاست طرح طرح کے قصر و ایوان ملاحظہ فرما کر بہت خوش ہوئے۔ اور پھر تشریف لائے الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہلم عروج و بلندیاں حاصل فرما کر عجائب و غرائب کو ملاحظہ فرما کر اور اسرار و غیوب پر مطلع ہو کر آسمانوں سے واپس زمین بیت المقدس پر نزول فرمایا۔ اور براق پر سوار ہو کر پھر وہاں سے

کہ معظمہ کی جانب روانہ ہوئے۔ اور صبح صادق سے پہلے اسی مقام پر واپس
تشریف لے آئے۔ جہاں سے آپ نے یہ مقدس سفر شروع فرمایا تھا۔ آکر
جو ملاحظہ فرمایا۔ تو بستر مبارک گرم تھا۔ اور زنجیر درہل رہی تھی۔
زنجیر بھی ہلتی رہی بستر بھی رہا گرم
اک دم میں سر عرش گئے آئے محمدؐ
اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں :-

قصر دئے تک ان کی رسائی

جاتے یہ ہیں آتے یہ ہیں !

اس پہاری رات کی صبح کو بعد نماز فجر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے اپنے اس عجیب و غریب اور سچے واقعہ کا ذکر فرمایا۔ ابو جہل لعین نے
جب حضور کی زبانی یہ بات سنی۔ تو خبیث تمسخر سے کہنے لگا۔ کیا خوب
اب تم آسمان پر بھی پہنچنے لگے۔ بھلا اس خلافت عقل قصہ کو کون تسلیم
کرے گا۔ ملعون نے جا بجا اس واقعہ کو تمسخر کے ساتھ بیان کرنا شروع
کیا۔ خدا کی شان دکھیے کہ اپنے محبوب کی شان کا اعلان دشمن سے کرنے لگا
معراج شریف کی تشہیر ابو جہل نے اس طرح کی۔ کہ حضور کے اس سیر مقدس
کی خبر سب کو ہو گئی۔ ابو جہل اس خیال سے کہ اس واقعہ کو کون مانے گا۔
خوشی خوشی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ اور کہا۔ لو سنو تمہارا
دوست، تو اس آسمانوں پر پہنچنے کا دعویٰ کرنے لگا ہے۔ پھر سارا واقعہ
جو حضور کی زبانی سن گیا تھا۔ سنایا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے لگے۔
اگر اللہ کے رسول نے یہ فرمایا ہے۔ تو میں اس پر ایمان لاتا ہوں اور تصدیق
کرتا ہوں کہ یہ واقعات بالکل سچے ہیں۔ صبح اور ممکنات سے ہیں۔ اس کے
بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خود حضور کی خدمت میں پہنچے اور واقعہ معراج
حضور کی زبان حق ترجمان سے سن کر عرض کی۔ "صَدَقْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ"
اس کے بعد اور لوگ بھی جمع ہو گئے۔ اور امتحاناً کہنے لگے۔ اے محمدؐ
صلی اللہ علیہ وسلم، ہم نے عرش و کرسی کو تو دیکھا نہیں۔ البتہ ہم بیت المقدس

کو دیکھ چکے ہیں، اور یہ بھی جانتے ہیں۔ کہ تم کبھی دلاں نہیں گئے۔ لہذا دلاں کی کیفیت بیان کرو۔ حضور فرماتے ہیں۔ اسی وقت اللہ نے بیت المقدس کو اٹھا کر میرے سامنے کر دیا۔ میں اس کو دیکھنے لگا۔ اب جو کچھ وہ لوگ تجھ سے پوچھتے تھے۔ میں نے تکلف بنا دیتا تھا۔ اس پر صدیق اکبر نے پھر کہا۔ صداقت یا رسول اللہ۔ چنانچہ اس تصدیق کے انعام میں ان کو صدیق کا خطاب ملا۔ اور ابو جہل مردود نے جھٹلایا۔ اور واقعہ معراج کا انکار کر کے ہمیشہ کے لئے زندیق بن گیا۔

اس کے علاوہ اور جن کو اللہ نے ہدایت دی۔ وہ اس واقعہ پر ایمان لا کر صدق دل سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ پڑھ کر سہارا ہو گئے۔ اور جن کے نصیب میں دائمی کفر اور عذاب جہنم لکھا ہوا تھا وہ کہنے لگے۔ هَلْ يَسْعَوْنَ فِي الْبَيْتِ - یہ تو کھنا ہوا جادو ہے۔ آج بھی جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے۔ اور نقش صدیق پر چلنے کی توفیق دی ہے۔ وہ حضور کے اس واقعہ معراج پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جو ابوجہل کے پروکار ہیں۔ وہ حضور کے اس واقعہ کا انکار کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ مسلمانوں کو ایسی گمراہی سے محفوظ رکھے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
وَأَقْرَبُوا بِاللَّهِ لَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا

اَكْهْوَالٌ وَعَظٌ

فَاَنْتُمْ اَعْلَوْنَ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ. وَ
الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمْ

الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

” اور سستی نہ کرو۔ اور نہ غم کھاؤ۔ تمہیں

غالب آؤ گے۔ اگر ایمان رکھتے ہو۔“

حضرات! آج کے وعظ میں مجھے یہ بتانا ہے کہ مسلمانوں کیلئے ترقی و عروج کا کونسا ذریعہ ہے؟ اور یہ کس طرح کامیابی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں؟ خداوند کریم نے اس آیت کریمہ میں جو میں نے اس وقت آپ کے سامنے پڑھی ہے، یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اگر تم سر بلند ہو و غلبہ اور عروج و وقار پانا چاہتے

ہو۔ تو سچے مومن بن جاؤ اور ایمان کو کسی حالت میں بھی نہ چھوڑو۔

میرے بھائیو! پہلے میں چند تہیدی کلمات عرض کروں یہ واقعہ

چار چیزیں ہے کہ خدا نے ہر انسان کے دل میں چار چیزوں کی محبت پیدا فرمادی ہے۔ ہر آدمی چاہے کسی ملک کا ہو۔ کسی مذہب کا ہو۔ چھوٹا ہو یا بڑا۔ امیر ہو یا غریب۔ ان چار چیزوں سے طبعاً اُسے پیار ہوگا۔ وہ چار چیزیں کونسی ہیں؟ سنئے! وہ چار چیزیں یہ ہیں۔ وطن۔ مال۔ اولاد اور جان کون ایسا ہے۔ جسے وطن سے پیار نہ ہو۔ مال سے الفت نہ ہو۔ اولاد سے محبت نہ ہو۔ اور جسے اپنی جان عزیز نہ ہو۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ ان چاروں کی محبت میں کچھ فرق بھی ہے۔ بعض دفعہ وطن کی محبت کو مال کی محبت پر قربان کرنا پڑتا ہے۔ دیکھ لیجئے۔ مال کی محبت میں انسان اپنا وطن چھوڑ کر دور دراز ملکوں میں چلا جاتا ہے۔ گویا وطن کی محبت کو مال کی محبت پر قربان کرتا ہوا مرت مال کے لئے وطن چھوڑ دیتا ہے۔ اسی طرح اس مال کی محبت کو اولاد کی محبت پر قربان کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً بچہ بیمار ہو جائے تو باپ اپنا مال خرچ کر کے بچے کو بچانا چاہتا ہے۔ گویا مال کی محبت کو بچے کی محبت پر قربان کر دیتا ہے۔ اور پھر اسی طرح اولاد کی محبت جان کی محبت پر قربان کر دی جاتی ہے۔ دیکھ لیجئے۔ جب جان پر سن آئے تو اولاد کی محبت بھی بھول جاتی ہے۔ اور انسان چاہتا ہے۔ کہ کچھ بھی ہو جائے مگر میری جان بچ جائے!

مسلمان کی شان امتیاز حضرات! یہ چار چیزیں وہ ہیں۔ جن کی محبت میں سب برابر ہیں۔ اور اس میں امیر یا غریب یا

مسلم وغیر مسلم کا کوئی امتیاز نہیں۔ مگر خوب یاد رکھیے۔ کہ مسلمان ایک امتیازی شان کا مالک ہے۔ دنیا بھر کے انسانوں میں اس کا مقام ایک خاص مقام ہے۔ نام انسانوں کی غذا اور ہے اور اس کی غذا اور۔ عام انسانوں کا لباس اور ہے اور مسلمان کا لباس اور۔ مثلاً خنزیر و شراب یہ عام انسانوں کی غذا ہو سکتی ہے۔ مثلاً یہود و نصاریٰ۔ اور دیگر کفار اسے کھاتے پیتے ہیں۔

مگر مسلمان کی یہ غذا ہرگز نہیں۔ رشیم و سونا یہ دوسرے انسانوں کا تو لباس ہو سکتا ہے۔ مگر مسلمان (باعتدال و استوارت) کا یہ لباس ہرگز نہیں۔

مسلمانو! رشیم و سونا یہ چیزیں زیب و زینت کے لئے ہیں۔ اور اس امر کے لئے عورت موزوں ہے۔ جسے گھر دینا۔ اور مرد کو اپنی طرف متوجہ کرنا ہے۔ مرد مومن چونکہ دنیا میں اللہ کا سپاہی بن کر آیا ہے۔ بقول شاعر

مقامی بن کے آیا تو نہ راہی بن کے آیا ہے

یہ دنیا رزم گاہ ہے تو سپاہی بن کے آیا ہے

اس لئے اسے زیب و زینت سے کیا کام؟ اور ان نیشنوں سے کیا غرض؟ رشیم اور سونے کے استعمال سے تو اس کے دل میں بجائے مجاہدانہ عزائم کے عیش و عشرت کے خیالات پیدا ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزوں نے مسلمان کو اس غیر شرعی لباس میں ملبوس کر کے اور مغربی فیشن کا دلدادہ بنا کر اس کے جذبہ جہاد کو کچل کر رکھ دیا ہے۔ غور تو فرمائیے۔ آج ایک جنٹلمین جس نے اپنے سر پر انگریزی مال رکھے ہوں۔ بسا اوقات آپ نے دیکھا ہوگا۔ کہ وہ راہ چلتے ہوئے ان انگریزی بالوں کو جب کہ وہ آنکھوں کے آگے لٹک آتے ہوں۔ سر کا ایک جھٹکا دے کر پیچھے ہٹاتا ہے۔ تاکہ راہ نظر آسکے۔ تو ایسا شخص میدان جہاد میں تلوار کیا چلائے گا؟ تلوار چلائیگا۔ یا بال سنہا لئیگا؟ انگریزی خیالات کا پروردہ انسان خود ہی انصاف سے کہئے۔ کیا وہی جذبات اور جوش و ہمت رکھتا ہے۔ جو اسلام نے پیدا فرمائی؟ اس نئی تہذیب نے ہماری مجاہدانہ عزائم اور مردانہ اوصاف چھین لئے۔ دیکھ لیجئے۔ اقبال کیا کہتا ہے۔ مولوی تو مسٹر کی نظر میں معتوب ہے۔ اس لئے اقبال ہی کا یہ شعر ذرا بے لگا پڑھیں۔ اور دیکھیں کہ خود اقبال بھی کیا روتا روتا ہے۔

اڑھیا بے گمانہ پسیران کہن!

نوجوانوں جون زماں مشغول تن!

یعنی آجکل کے بوڑھے بھی شرم و حیا کا دامن چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اور جو

نوجوان ہیں۔ وہ عورتوں کی طرح بنا و سنگار میں لگے ہیں۔ دیکھ لیجئے۔ یہ باہت کوئی موامی نہیں کہہ رہا۔ بلکہ اقبال کہہ رہا ہے۔ اور سچ کہہ رہا ہے۔ کہ بڑھا کھوسٹ ہے۔ مگر بیٹھتا ہے۔ اسے پیرتا ہے۔ اسی سال کا بابا ہے۔ مگر کنکریٹے اڑا رہا ہے۔ اور نوجوان طبقہ بالکل عورتوں کی طرح بن گھن کے نکل رہا ہے۔ ناخنوں پر میں نے خود کئی بیٹھیلینوں کو سرخ پالش لگاتے دیکھا ہے۔ اور سر پر جالی بھی بندھی دیکھی ہے۔ وارٹھی مونچھوں کا تو پہلے ہی سفایا تھا۔ اب صرف دوپٹے کی کسر رہ گئی ہے۔ اکبر الہ آبادی کہتے ہیں کہ ایک کالجیٹ لڑکا وارٹھی مونچھ کا سفایا کر کے ناخنوں پر سرخ پالش لگا کر اور سر پر جالی باندھ کر آئیٹن کے سامنے بیٹھا تھا۔ کہ باپ نے اپنے فیشن ایبل صاحبزادے کو دیکھا۔ اور بے ساختہ پکار اٹھا۔

واہ میرے نصیب ایسے قسمت بھی ہری نکلی

سچھا تھا یہ لڑکا جسے پرہیز تو پری نکلی

میرے مسلمان بھائیوں خوب یاد رکھو۔ مسلمان مرد مجاہد اور اللہ کا سپاہی ہے۔ اسے ان زمانہ باتوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ ان نیشنوں سے آدمی مجوسیا و دلہرا تو بن جاتا ہے۔ مگر عیب و دیوبند حاصل نہیں ہوتا۔ مردوں کی جمال تو ملتا ہے۔ مگر جلال نہیں ملتا۔ حالانکہ مسلمان کے لئے عیب و جلال دبدب و ہیبت ضروری ہے۔

جباری و تہاری و قردوسی و جبروتنا

یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

پانچویں چیز | تم میں کہہ رہا تھا۔ کہ مسلمان ایسا امتیازی نشان کا مالک ہے۔ بنا بیبا دنیا جہر کے انسانوں کو مذکورہ بالا چار چیزوں یعنی وطن، مال، اولاد، اور جان سے محبت ہوتی ہے۔ اور ایک دوسرے کی محبت پر ان کی محبت قربان کر دی جاتی ہے۔ مگر ایک۔ پانچویں چیز یہ ہے۔ جو صرف مسلمان ہی کو حاصل ہے۔ اور مسلمان ان چاروں چیزوں کی محبت کو اس پانچویں چیز کی محبت پر قربان کر دیتا ہے اور وہ ہے ایمان۔

جانِ ایمان | مسلمانو! اب یہ اصولی بات بھی ذہن میں رکھئے۔ کہ ہمارے لئے ایمان کیا ہے؟ سنئے! ایمان نام ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت کا۔ ان کو ماننے اور جاننے کا۔ ہمارے لئے حضور ہی سب کچھ ہیں۔ نہ صرف ایمان بلکہ جانِ ایمان۔ علیحضرت نے کیا خوب لکھا ہے۔

اللہ کی سزا بقدم شان ہیں یہ۔ ان سانہیں انسان وہ انسان ہیں یہ۔ قرآن تو ایسا بتاتا ہے انہیں۔ اور ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے:-

لَا يُؤْمِنُ أَحَدٌ كُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ
 درواہ البخاری مواہب لدنیہ ص ۹۲، یعنی تم میں سے کوئی صاحبِ ایمان نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اُسے اس کے باپ اور اس کی اولاد سے میں زیادہ پیارا نہ ہوں۔

اسی لئے شاعر نے لکھا ہے کہ

مگر ہے متارح عالم و ایجاد سے پیارا!

پدر، مادر، برادر، جان و مال اولاد سے پیارا

تو میرے بھائیو! میں نے جو آیت کریمہ تلاوت کی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ

نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ کہ تم اگر سر بلند اور اعلیٰ بننا چاہتے ہو تو صاحبِ ایمان بن جاؤ۔ ایمان کو اپنا لو۔ گویا ایمان کو اپنا محبوب بنا کر وطن مال۔ اولاد اور جان۔ دنیا کی ہر چیز کی محبت کو اپنے ایمان کی محبت پر قربان کر دو۔

صحابہ کرام | چنانچہ آپ اپنے بزرگوں، حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کی طرف دیکھئے۔ ان پاک لوگوں نے اپنی جملہ محبتیں ایمان

پر قربان کر دیں۔ چنانچہ سب سے پہلی محبوب چیز وطن کو دیکھئے۔ ان پاک لوگوں نے ایمان کی خاطر اپنا وطن چھوڑا۔ جس وقت کافروں نے مکہ معظمہ میں مسلمانوں کو بچدستانا شروع کیا۔ تو حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے صحابہ کو اجازت دے دی۔ کہ جو کوئی چاہے، وہ اپنی جان و ایمان کے بچاؤ کے لئے حبش کے عیسائی بادشاہ کے ملک میں چلا جائے۔ چنانچہ صحابہ کرام کا ایک قافلہ ۱۲ مرد اور ۴ عورتوں کا رات کی تاریکی میں نکلا۔ اور بندرگاہ شعیبہ سے جہاز میں سوار ہو کر حبش کو روانہ ہو گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ معہ اپنی بیوی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے جو حضور کی صاحبزادی تھیں۔ اس قافلہ کے سالار تھے۔

بجائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے وطن مکہ شریف کو چھوڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان توحید نے جب دنیا کے کفر و شرک میں تھکے مچا دیا۔ اور کفار و مشرکین نے اپنے قہر کفر و شرک کو گرتے دیکھا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ چنانچہ بڑے بڑے کافر ایک رات ایک بند مکان میں جمع ہوئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سیکھیں سوچنے لگے۔ رات کا وقت ہے، ایک طرف یہ کافر جاگ رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید کرنے کی فکر میں، اور دوسری طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولت کدہ پر اس خیال مبارک میں ہیں کہ یہ ناسمجھ مجھے سمجھ جائیں۔ اور میری مخالفت ترک کر کے جہنم سے بچ جائیں۔

سکیمیں اس طرف سرکار کی ایذا کی ہوتی تھیں
ادھر چشمان احمد عاصیوں کے غم میں روتی تھیں
ادھر تو یہ ارادے تھے محبتوں کو مٹا ڈالیں
ادھر یہ فکر تھی دنیا کو دوزخ سے بچا ڈالیں

یہ لوگ بند مکان میں جمع تھے۔ اور اسی سوچ بچار میں تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا عورت اختیار کی جائے۔ کہ شیطان لعین نے اس موقع کو غنیمت جانا۔ اور فوراً ایک بزرگ شخص کی عورت بنا کر آیا۔ اور دروازہ پر آواز دی۔ کہ لوگو! دروازہ کھولو! اب وہاں سے

پوچھا کہ تم کون ہو۔ اور کہاں سے آئے ہو۔ اور کیوں آئے ہو؟ شیطان نے کہا کہ میں ایک بوڑھا آدمی ہوں۔ اور پرانا تجربہ کار ہوں۔ نجد کا رہنے والا نجدی ہوں۔ اور تمہارے اس مبارک مشورہ میں شریک ہو کر سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

شیخ نجدی | مسلمانوں کو خوب یاد رکھو! کہ شیطان کا ایک نام شیخ نجدی بھی ہے۔ اور یہ نام اسی راستے سے اس کا مشہور ہوا ہے۔ چنانچہ

غیبات اللغات میں لکھا ہے :-

”شیخ نجدی لقب شیطان است۔ زیرا کہ چون قریش برائے قتل رسالت پناہ علی اللہ علیہ وسلم جمع شدند۔ ناگاہ شیطان بصورت پیرے درآمد۔ چون پرسیدند کہ کیستی؟ گفت کہ من شیخ از ملک نجد ایم و دریں مشورہ با شما شریکیم“ (غیبات اللغات ص ۳۹)

شیخ نجدی شیطان کا لقب ہے۔ اس لئے کہ قریش جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے مشورہ کے لئے جمع ہوئے تو اچانک شیطان ایک بوڑھے آدمی کی شکل میں نمودار ہوا۔ قریش نے پوچھا کہ تم کون ہو۔ تو بولا۔ میں ایک بوڑھا آدمی ہوں جو ملک نجد سے آیا ہوں، اور اس (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کے قتل کے مشورہ میں ہیں بھی تمہارے ساتھ شریک ہوں۔“

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شیطان کا ایک نام شیخ نجدی بھی ہے۔ اور شیطان ”نجدی“ بن کر اس لئے آیا تھا کہ نجدیوں کی عداوت رسول مسلم و مشہور تھی، ورنہ بتاؤ کہ شیطان نجدی بن کر کیوں آیا۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ شیطان شیخ نجدی بن کر ان کافروں کے اجتماع میں شریک ہوا۔ اور سب مل کر اپنی اپنی رائے ظاہر کرنے لگے۔ چنانچہ ایک کافر ابو البختری کہنے لگا کہ اس شخص یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک تنگ و تاریک مکان میں بند کر دیا جائے۔ صوف چھوٹا سا ایک روشن دان باقی بچھنے دیا جائے۔ اس روشن دان سے کچھ روز قلیل کھانا دیا جائے چند روز

کے بعد بے مارے خود ہی نہ رہے گا۔ (معاذ اللہ روحی نداء) شیخ نجدی شیطان نے اس سکیم پر اعتراض کیا کہ اے ابا الجحزی! تمہیں یہ معلوم نہیں کہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ شخص ہے کہ اگر اسے سات قفلوں میں بھی بند کر کے رکھو گے۔ تو بھی اس کی خوشبو باہر نکل آئیگی۔ اور پھر اس کے ماننے والے اس کی خوشبو پا کر، مکان توڑ کر بھی اسے نکال لینگے۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ!! دشمن کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شرافت، لطافت و نفاست کا اقرار ہے سچ ہے!

ان کی ہبک تے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں!

جس راہ چل دیئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں

اعلیٰ حضرت کا یہ شعر جو میں نے پڑھا ہے۔ یہ

در اہل ترجمہ ہے اس حدیث کا جو دارمی

شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
پسینہ مبارک کی خوشبو

ہے کہ:- بحان فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خصال کد جکت

فی طریق یتبعہ احد الا عوت انہ قد سألک من طیب عرقہ

(حجۃ اللہ علی العالمین ص ۶۸۵) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں

خاص اوصاف تھے ایک ان میں سے یہ بھی تھا۔ کہ اگر حضور

کی تلاش میں کوئی نکلتا۔ تو حضور جس راستے تشریف لے جاتے

تو صرف حضور کے پسینہ کی خوشبو سے جو اس راستے ہبکی ہوتی

پہچان لیتا۔ کہ حضور اس راستے سے گزرے ہیں!

دیکھا آپ نے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لطافت و نظافت کو۔

نور عین لطافت پہ الطفت درود!

زمیب و زین نظافت پہ لاکھوں سلام

عرش کی زمیب و زمیت پہ عوشی درود

فرش کی طیب و ترہیت پہ لاکھوں سلام

بھینی بھینی ہبک پر ہسکتی درود!

پیاری پیاری نفاست پر لاکھوں سلام! میرے دوستو! شیطان نے ابوالنختری کی سکیم کو رد کر دیا۔ اور حافریں نے شیطان کے اس اعتراض کی تائید کی۔ پھر عمرو بن ہشام ہامی کا فر نے اپنی ایک سکیم بیان کی۔ شیطان نے وہ بھی رد کر دی۔ پھر ابو جہل نے یہ سکیم پیش کی کہ :-

”اس وقت مکہ میں پندرہ بیس خاندان ہیں جو محمد سے سخت نالاں ہیں۔ صرف بنی ہاشم اس کے طرفدار ہیں۔ ہر ایک خاندان میں سے ایک ایک آدمی لیا جائے۔ اور سب کے سب دفعتاً وار کریں۔ اور آپ کو شہید کر کے اپنے اپنے گھر چلے جائیں۔ جب صبح کو بنی ہاشم کو خبر ہوگی۔ تب ایک گھراتے گھرانوں کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ اور ہم کامیاب ہو جائیں گے۔“

شیطان نے اس سکیم کو منظور کر لیا۔ اور یہی بات مقرر ہو کر مجلس برخواست ہوئی۔

ادھر جبریل امین نے حاضر ہو کر ساری کیفیت بارگاہ رسالت میں عرض کر دی۔ اور حضور نے اس حملہ وانی رات کو اپنے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رٹا دیا۔ اور خود حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے کر مکہ معظمہ سے ہجرت فرمانے کا ارادہ فرما لیا۔

حسب سکیم جب کافرانہ کو حضور کے مکان پر پہنچے اور سارے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی محاصرہ کے دوران اِنَّا جَبَلْنَا فِيْ اَعْيُنَانِيْهِمْ اَغْلَازًا اِنْ تَلَاوَتْ فَمَا تَعْرِضُ قُوْرِيْ سِيْ خَاكٍ پر دم کر کے ان کافروں کی طرف پھینک دی۔ ایک مٹی خاک ستر آدمیوں کے موہولیا۔ سروں۔ آنکھوں میں بھر گئی۔ اور عجب طرفہ یہ تھا کہ بجائے تکلیف ہونے کے سب کو نیند آگئی۔ اور اللہ نے سب کو اندھا کر دیا۔ اور حضور ان میں سے صحیح و سلامت نکل گئے۔ اور صدیق اکبر کے گھر پہنچ کر صدیق اکبر جو حضور کے ارشاد کے مطابق پہلے ہی سے

ہجرت کے لئے تیار تھے) کو ساجتہ لے کر مکہ معظمہ سے ہجرت فرما گئے۔ اور کافر خائب و خاسر رہ گئے۔

صدیق و علی میرے بھائیو! صدیق و علی رضی اللہ عنہما دونوں ہی حضور کے صحابی اور جانشین ہیں۔ حضرت علی کا حضور کے بستر پر

بیٹنا یہ اگر ایک ایثار ہے۔ تو اس خطرے کی بات میں اپنا گھر بار چھوڑ کر حضور کے ساتھ ہو جانا بھی ایک ایثار عظیم ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔ جبکہ دونوں ہی حضور کے محبت اور حضور کے پار جانشین تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

افسوس ہے ان بے عقلوں کی اس حماقت پر جو یہ کہتے ہیں کہ بستر پر بیٹنا تو قربانی تھی۔ مگر ساتھ جانا کوئی قربانی نہ تھی۔ سچ ہے۔ مگر

خدا جب دین لیتا ہے حماقت آہی جاتی ہے

میرے دوستو! میں کہہ رہا تھا۔ کہ اس وطن کی محبت کو خود حضور نے اللہ

علیہ وسلم نے بھی قربان فرمایا۔ اور مکہ شریف کو چھوڑا۔ اور ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ گویا ہمیں سبق دیا کہ ایمان کے لئے وطن چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دو۔

ایمان مقدم ہے یا وطن حضرات! آپ کو یاد ہوگا۔ پاکستان بننے سے قبل دیوبندی مولویوں نے کانگریس سے تہاؤن کر کے

یہ کہنا شروع کر دیا تھا۔ کہ وطن پہلے ہے اور مذہب بعد میں۔ چہ شاخچہ مولوی حسین احمد مدنی نے نئی الاعلان یہ بات کہی تھی۔ حالانکہ کانگریس اور کانگریسی مولوی جان بوجھ کر یہ بات کہہ رہے تھے۔ جب کہ تاریخ شاہد ہے کہ

مسلمانوں نے ہمیشہ دین و محبت اور ایمان کو مقدم رکھا ہے۔ اور وطن کی محبت پر قربان کیا ہے۔ اگر وطن مقدم ہوتا۔ تو خود حضور نے

اللہ علیہ وسلم کہیں مکہ معظمہ سے ہجرت نہ فرماتے۔ اسی طرح دیگر صحابہ کرام جنہوں نے وطن چھوڑا۔ کہیں وطن نہ چھوڑتے۔ مگر انہوں نے دین و ایمان کے لئے وطن کو چھوڑا۔

نہ اپنی زبان کی شانزدہ اپنی آن کی خاطر۔ وطن چھوڑا انہوں نے دین اور ایمان کی خاطر

غدار

مسلمانوں جیسے افراد آج پاکستان میں بھی موجود ہیں۔ جو تقسیم کے بعد ناچار پاکستان زندہ باد کے نعرے تو لگاتے ہیں۔ مگر درپردہ آج بھی ان کے دلوں میں بھارت کی یاد چٹکیاں لے رہی ہے۔ یہ لوگ بڑے فتنہ پرور ہیں۔ جھوٹی افواہیں اڑانا۔ مسلمانوں کو بات بات پر مشرک بنانا۔ اور انہیں بدعتی کہہ کر آپس میں لڑانا ان لوگوں کا کام ہے۔ یہ لوگ بظاہر ہمارے خیر خواہ ہیں۔ مگر باطن ہمارے دشمن ہیں۔ ”دیوبندی“ کے عنوان سے میں نے ایک نظم لکھی تھی۔ جس کے دو شعر یہ ہیں :-

ہے ادھر بھی اور ادھر بھی چال اس کی دیکھتے

ان کا بھی ہماز ہے، اور ہم سے بھی ہے ہم کلام

غالباً کوئی اسی کے حق میں ہے یوں کہہ گیا

باسمیں اللہ اللہ! باہر ہنسن رام رام

حضرات! یہ تو تھی وطن کی محبت۔ جسے

صدق اکبر رضی تعالیٰ عنہ کا ایثار مال

کر دیا۔ اب آئیے مال کی محبت کو دیکھتے۔ صحابہ کرام نے اسے بھی کس طرح

ایمان کی محبت پر قربان کر دیا۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ

مشہور واقعہ ہے۔ جو کنز العمال میں موجود ہے۔ اور تاریخ الخلفاء ص ۱۱۱ میں

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں۔ کہ ایک مرتبہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا۔ کہ اللہ کی راہ میں کچھ دو۔

اور میری خدمت میں حاضر کرو۔ حضور کا یہ ارشاد پاک سن کر حضرت عمر

فرماتے ہیں۔ میں نے دل میں سوچا۔ کہ آج اتفاق سے میرے پاس کافی

مال ہے۔ اور ابوبکر ہر موقعہ پر محبت و ایثار میں ہم سب سے بڑھ

جایا کرتے ہیں۔ آج میں اس قدر مالی قربانی اور ایثار کا مظاہرہ کروں کہ

ابوبکر سے بھی بڑھ جاؤں۔ اور اپنے آقا کو راضی کر لوں۔

ہماری دلیس مسلمانوں! دیکھا آپ نے ان پاک لوگوں کی ریس کو۔ کہ

رہیں اگر کرتے ہیں تو نیک کاموں میں۔ کہ اگر اس نے اللہ کی راہ میں زیادہ خرچ کیا ہے۔ تو میں اس سے بھی زیادہ خرچ کر کے دکھاؤں گا۔ مگر ایک ہماری رہیں بھی ہے۔ کہ اگر فلاں شخص نے اپنے لڑکے کی شادی میں آتشبازی اور باجے منگوائے ہیں۔ تو میں اپنے لڑکے کی شادی میں طمچہ جان کو منگواؤں گا گویا اگر وہ چھوٹا شیطان ہے۔ تو میں بڑا شیطان بن کے دکھاؤں گا۔ استغفر اللہ! کیسی جہالت ہے، خدا تعالیٰ خوشی کا موقعہ دیتا ہے۔ تو بجائے اس کے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے۔ اس کے کفر پر کمر باندھ لیجاتی ہے۔ اور پھر یہ کہ جو شخص اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے وقت تو غریب و مسکین بن جاتا ہے۔ بیاہ شادیوں میں اس قدر شاہ خرچ بن جاتا ہے کہ گویا اس کی کسی بات کی پرواہ ہی نہیں۔ علماء کرام ان فضول خرچیوں سے روکتے ہیں۔ تو کہہ دیتے ہیں۔ مولوی صاحب! آخر برادری میں ناک بھی تو رکھنی ہے۔ گویا ناک رہ جٹے۔ مگر چاہے ٹوٹ ہی جائے۔ حالانکہ ایسے وقت میں مسلمان کو اپنے خدا و رسول کے ارشادات کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ سارے عزیز بگڑ جائیں، تو بگڑ جائیں۔ مگر خبردار! اپنے رسول کو ناراض مت کرنا۔ ایسے وقت مسلمان کا یہ شیوہ ہونا چاہیے۔ کہ یا رسول اللہ! سے مرے عمل سے نہ بھائی خوش ہیں نہ خویش خوش ہیں نہ باپ خوش ہیں مگر میں سمجھا ہوں اس کو اچھا دلیل یہ ہے کہ آپ خوش ہیں برادری میں ناک رہے نہ رہے۔ بارگاہ رسالت میں ناک رہنی چاہیے اور ایسی ناک جسے رسم و رواج کی سریش سے چٹایا جائے۔ ہرگز پائیدار ناک نہیں ہے۔

طیفہ | جیسے ایک امیر آدمی کا لڑکا تھا۔ اُسے ناک پر ایک نفل ناک پھوڑا نکل آیا۔ ڈاکٹروں نے مشورہ دیا۔ کہ ناک کاٹ دی جائے۔ ورنہ یہ پھوڑا جہلک ثابت ہوگا۔ چنانچہ اس لڑکے کی ناک کاٹ دی گئی۔ اتفاق دیکھئے۔ کہ چند روز بعد ہی اس لڑکے کی ایک امیر آدمی کے ہاں برات جانے والی تھی۔ لڑکے کے باپ نے سوچا۔ کہ اگر لڑکی

والوں کو پتہ چل گیا۔ کہ لڑکے کی ناک کٹی ہوئی ہے۔ تو بڑی ندامت کی بات ہے۔ اور ممکن ہے۔ وہ رشتہ توڑ ہی دیں۔ اس لئے کوئی ایسی ترکیب کی جائے۔ جس سے نکاح سے پہلے پہلے یہ راز قاش نہ ہو کہ لڑکے کی ناک نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے کافی روپیہ خرچ کر کے امریکہ سے ربڑ کی ناک منگوائی۔ اور وہ مصنوعی ناک لڑکے کے چہرہ پر فٹ کر دی۔ برات کا دن آیا۔ اور نکاح کے وقت دوٹھامیاں بیٹھے اور نکاح خواں نے کہا۔ کہ فلاں لڑکی کو تم نے قبول کیا؟ اتفاقاً اسی وقت دوٹھا میاں کو چھینک آگئی۔ اور آپ زور سے چھینکے۔ تو سب کے سامنے ربڑ کی ناک نیچے آگری۔ سہرے کو ہٹا کر جو دیکھا گیا۔ تو دوٹھا میاں نکلے نظر آئے۔ لڑکی والوں نے اسی وقت جواب دے دیا۔ اور یہ برات ہزار ندامت والی لوٹی۔

میرے دوستوں جو ناک رسم و رواج کی ربڑ سے بنا کر آج چسپاں کی جائے گی۔ کل قیامت کے دن جب قہر الہی اور غضب الہی کا ایک طمانچہ پڑا۔ تو یہ ناک فوراً نیچے گر پڑے گی۔ ہاں وہ ناک جو بارگاہ رسالت میں قائم رہ گئی۔ دائم رہے گی۔ اور اسے کوئی خطرہ نہیں۔ تو ہمیں اپنی ناک بارگاہ رسالت میں قائم رکھنی چاہیے۔

ہاں تو میں بیان کر رہا تھا۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دل میں یہ سوچ کر گھر گئے۔ کہ آج اس قدر راہ خدا میں دوں گا۔ کہ صدیق سے بھی غبر لے جاؤں گا۔ چنانچہ آپ گھر گئے۔ اور جس قدر مال تھا۔ سب کے دو حصے کئے اور آدھا گھر رکھا۔ اور آدھا حضور کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے اس قدر ایشیا فرما کر یہ سوچا۔ کہ آج صدیق اکبر سے میں بڑھ جاؤں گا۔

مگر اتنے میں وہ رفیق نبوت بھی آگیا

شاید ہے جس کی ہر و وفا پر حرا کا غار

کیا دیکھتے ہیں کہ افضل المخلوق بعد الانبیاء حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی آگئے۔ اور کس شان سے آئے۔ مسلمانو! سنو! جس قدر مال دستاخ

گھر میں تھا۔ سارے کا سارا لے کر حاضر ہو گئے۔ سو کچھ سو فیصد ہی لے آئے
ناروق اعظم نے دیکھا۔ تو دل ہی دل میں کہا۔ کہ صدیق سے بڑھ جانا مشکل ہے
حضرت صدیق سے سارا مال حضور کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ حضور اپنے بار
غار کا یہ اشارہ دیکھ کر بڑے خوش ہوئے۔ اور فرمایا۔ ابوبکر! گھر اپنے لئے کیا
چھوڑ آئے؟ صدیق نے عرض کیا۔

پروانے کو چراغ تو بلبوں کو پھول بس

صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

خدا کا پیغام صدیق کے نام | مسلمانو! اس موقع پر صدیق کی شان کا بیان
سنو! حدیث شریفین میں آتا ہے۔ کہ جبریل

ابن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا
یا رسول اللہ! — إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يُشْرِكُ عَلَيْكَ السَّلَامَ وَ يَقُولُ قُلْ لَكَ
أَرْضٌ أَنْتَ عَفَى فِي فِقْرِكَ هَذَا أَمْ سَاخِطٌ — اللہ تعالیٰ صدیق
اکبر پر سلام فرماتا ہے۔ اور فرماتا ہے یا رسول اللہ آپ صدیق اکبر
سے پوچھتے۔ کہ کیا وہ اس عالم فقر میں مجھ (اللہ) سے راضی ہے
یا ناراض؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا یہ پیغام صدیق اکبر کو سنایا۔ تو مسلمانو! اس پیغام
کی لذت صدیق اکبر نے ہی پائی۔ آپ عالم و جہد میں آگے اور غرمن کیا۔
أَسْخَطَ عَلَى رَبِّي؟ أَنَا عَنِ رَبِّي رَاضٍ أَنَا عَنِ رَبِّي رَاضٍ أَنَا عَنِ رَبِّي
راضٍ۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۱) کیا میں اپنے رب سے ناراض ہوں گا؟
میں اپنے رب سے راضی ہوں۔ میں اپنے رب سے راضی ہوں۔
میں اپنے رب سے راضی ہوں۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! ایک ہم ہیں کہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ ہمارا رب
ہم سے راضی ہو جائے۔ اور ہمیں کوئی یقین نہیں۔ کہ ہمارا رب ہم سے راضی
ہے یا نہیں۔ محض اس کے فضل و کرم پر ہی بھروسہ ہے۔ اور ایک صدیق اکبر
رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ کہ خدا دریافت فرماتا ہے۔ کہ اے صدیق! کیا تم ہم پر

ناراض تو نہیں، اور تم ہم پر راضی تو ہو؟ اللہ اکبر! کیا شان ہے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔ جہنم میں جائیں وہ لوگ جو صدیق اکبر کے دشمن ہیں۔ اور اپنے گھر بیٹھے بیٹھے ہی کہتے ہیں۔ کہ ہم صدیق اکبر پر راضی نہیں ہیں۔

سلمانو! مل کے پڑھو! :-

رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ
 یار کے نام پر مرنے والا سب کچھ صدقے کرنے والا
 منزل عشق و صدق کا رہبر رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ
 رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ
 رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ

حضرت! صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سخاوت کے متعلق قرآن پاک

میں یہ خاص آیت موجود ہے۔ خدا فرماتا ہے :-

الَّذِينَ يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَكَ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَىٰ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ وَلَسَوْنَا بَرُصَىٰ - (پتہ ۱۸۶)۔
 وہ جو اپنا مال دیتا ہے کہ سنبھرا ہو۔ اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں۔ جس کا بدلہ دیا جائے۔ صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے۔ جو سب سے بلند ہے۔ اور بے شک قریب ہے کہ وہ راضی ہو۔

یہ آیت کریمہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ تفسیر خزائن العرفان میں لکھا ہے۔

جب حضرت صدیق اکبر نے حضرت بلال کو، بہت گراں قیمت پر خریدار کر آزاد کیا۔ تو کفار کو حیرت ہوئی۔ اور انہوں نے کہا۔ کہ حضرت صدیق نے ایسا کیوں کیا۔ شاید بلال کا ان پر کوئی احسان ہو۔ جو انہوں نے اتنی گراں قیمت دے کر خریدا اور آزاد کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ظاہر فرما دیا گیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل محض اللہ کی رضا کے لئے ہے

کسی کے احسان کا بدلہ نہیں۔ اور نہ ان پر حضرت بلال وغیرہ کا کوئی احسان ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سے لوگوں کو ان کے اسلام لانے کے سبب خرید کر آزاد کر دیا۔

خزائن العرفان ص ۸۳

اسی طرح دوسری کتب تفاسیر میں بھی لکھا ہے کہ :-

الْآيَةُ نَزَلَتْ فِي حَقِّ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حِينَ اشْتَرَى

بِلَالاً رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ۔ (روح البیان ص ۶۳ ج ۲) یہ آیت صدیق اکبر

رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ جبکہ آپ نے حضرت

بلال رضی اللہ عنہ کو خریدا تھا۔ (اور آزاد کیا تھا)

تو میرے بھائیو! جن کی سخاوت و ایثار کی گواہی خود خداوند کریم

جل شانہ دیتا ہو۔ ان کی کتنی بڑی شان ہوگی۔

سر روشن دلاں صدیق عظیم :- کہ شد اقلیم تصد لقیتم مسلم

زمہر شس روز دیں راروشنائی :- بدواہل یقین را آشنائی

یہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جنہیں خرید کر حضرت صدیق اکبر

رضی اللہ عنہ نے آزاد کیا تھا۔ ایک حبشی غلام تھے جو حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آکر ہمارے سردار بن گئے۔ یہ

امیہ کافر کے غلام تھے۔ اور مسلمان ہو گئے تھے۔ امیہ کو پتہ چلا کہ بلال مسلمان

ہو گئے ہیں، تو وہ آپکو سخت ایذا میں دینے لگا۔ آپ کو ننگے بدن دوپہر کے

وقت گرم گرم ریت پر لٹانا اور پھونانا تھا۔ مگر

آنجا کہ شہلے کمال ارادات است

ہر خیز جور پیش محبت زیادت است

حضرت بلال رضی اللہ عنہ ٹپتے۔ ایذا سہتے۔ اور احد احد کے نعرے لگاتے

تھے۔ اور گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور میں یہ فرماتے تھے :-

حلق پر تیغ رہے، سینے پر حبلا د رہے

لب پہ ترا نام ہے دل میں تری یاد ہے

سب پہ ترا نام ہے دل میں تری یاد ہے

یا رسول اللہ! مر جاؤں۔ کٹ جاؤں۔ مٹ جاؤں۔ مگر تیرا دامن چھوڑنا

منظور نہیں ہے۔
توڑ دیں گے ہڈیاں میری سبھی
دامن احمد نہ چھوڑونگا کبھی

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ دیکھا۔ کہ بلال پٹ رہے ہیں۔ اور
ہنس رہے ہیں۔ صدیق نے یہ منظر دیکھ کر پوچھا۔ بلال یہ کیا؟ پٹتے ہو اور
ہنستے ہو؟ بلال نے جواب دیا۔ کہ دیکھ لیجئے یہ واقعہ ہے۔ اور یہ دستور ہے
کہ اگر کسی کو ایک مٹی کا پیالہ خریدنا منظور ہو۔ تو وہ خریدار سے
پہلے تو ٹھونکے بجائے گا اسے وہ بالیقین
کہ یہ کچا تو نہیں ہے اور ٹوٹا تو نہیں
میں بھی ہوں مٹی کا پتلا عشق کے بازار میں
آگیا ہوں میں پسند اس دم نگاہ یار میں

اے صدیق! اللہ مجھے اس کافر سے پڑا کر میرا امتحان لے رہا ہے۔ کہ میں عشق
رسول میں کچا تو نہیں ہوں۔ تو میں خوشی سے کیوں نہ ہنسوں کہ میرا مولا
مجھے خریدنے کے لئے تیار ہے۔

اور سنیے! کسی عاشق نے اپنے محبوب کو
امتحان عشق پانچوں کی داستان

کرتیہ (دمنیق) پہنے ہوئے دیکھا۔ تو کرتیہ
کہا۔ اے! مجھ سے تو تو ہی اچھا ہے۔ جو محبوب کے بدن کیساتھ
نگارہ رہا ہے۔ پہنہ دیکھ۔ میں فراق کی آگ میں جل رہا ہوں۔ تو سے
کہا کرتیہ نے کہ انصاف میری داستان سن کر
کہ میں کن سختیوں کے بعد پہنچا یار کے تن پر
کساں کے ہاتھ آکر میں نے پہنا دکھ یہ پایا ہے
زمیں میں مجھ کو دابا اور مجھ پر ہل چنایا ہے
زمیں میں دفن ہو کر کچھ نہیں شکوہ کیا میں نے
اور اس مٹی سے چلکر گنویں کا پانی پیا میں نے
مٹایا اپنی ہستی کو جو میں نے خاک کے اندر

کیا پھر عشق نے زندہ میں نکلا ایک گل بن کر
 مکمل ہو گیا جس دم میں بن کر روئی کا بوٹا
 کساں آیا پھر اس کے ہاتھ سے میرا یہ سسر لڑھا
 پھر اس کے بعد ایسی امتحان کی اک مشین آئی
 کہ جس نے میرے جسم و جان کی تفریق کر ڈالی
 اسے سب پہلنا کہتے ہیں ہیں اس میں پھنسا ایسا
 کہ میری ہڈیاں گرنے لگیں ساری الگ الگ جا
 ہیں ہر میدان میں صابر رہا لیکن مرے بھائی
 ابھی تک امتحان عشق سے چھٹی نہیں پائی
 پھر آئے حضرت نذاف میرا امتحان لینے
 اور اپنی دھنکی سے عاشق کو چوٹیں عشق کی سینے
 پھر اس کے بعد چرخہ کاٹنے واسطے چلے آئے
 وہ میرے جسم کی رگ رگ کو باہر کھینچ کر لائے
 پھر اس کے بعد کپڑا بننے والے نے مجھے پکڑا
 تھپتھپ گھر لے گیا اور پھر مشینوں میں مجھے جکڑا
 ملی مجھ کو یہاں پھر دوسری اکٹ زندگی بھائی
 یہاں پہنچا تو کپڑے کی مجھے نصیرت ملی بھائی
 مصائب کیا یہی کم تھے مگر نئی عشق کی مرضی
 ما پھر امتحان سینے کی فائل آگسیا درزی
 ہوا تیار درزی امتحان لینے کو ہی دہرے
 کئے تینٹی سے ٹکڑے ٹکڑے میرے جسم لاغر کے
 پھر اس کے بعد سوئیوں سے میرے اس جسم کو چھیدا
 سیا مجھ کو تو پایا نام میں نے آج کرتے کا
 جو میں نے اس قدر دکھ اپنی ہستی پر اٹھایا ہے
 تو پھر جا کر کہیں محبوب نے تن سے دکایا ہے

سنا آپ نے کرتے نے جو اپنی روداد عشق بیان کی ! بھائیو! حضرت بلال یا دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جو مرتبے پائے ہیں۔ کچھ کر کے پائے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنا مال و زر، اور خویش و اقربار اور اپنی جان تک حضور پر قربان کی۔ تو حضور کو دیکھ لیجئے۔ اپنے صدیق کو اپنے آغوش رحمت میں لئے سبزگنبد میں تشریف فرما ہیں۔

ہاں تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بہت بڑی قیمت کا سونا دیکر حضرت بلال کو خرید کر آزاد کر دیا۔ اور بلال حضور کے قدموں میں پہنچ گئے۔ اور صدیق کے حق میں مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں۔ دیکھا آپ نے یہ ہے ایمان والوں کی شان کہ ایمان کے لئے نہ مال کی پروا کی جاتی ہے نہ جان کی۔

لطیفہ | قربان فرما گئے۔ ایک ہم ہیں۔ کہ خدا راہ حق میں جو طلب فرماتا ہے۔ ہم اس سے گریز کرتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ انعام ہمیں وہی ملے جو ان بزرگان دین کو ملا۔ جو اپنا سب کچھ راہ حق میں لٹا گئے۔ کہتے ہیں۔ ایک شخص نے اپنے دوست سے کہا۔ یار! میں باہر سفر میں جا رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری کوئی نشانی میرے پاس ہے تاکہ تم ہر وقت میری یاد میں رہو۔ میرے خیال میں تم اپنی یہ انگوٹھی بطور نشانی مجھے دیدو۔ تاکہ ہر وقت تم مجھے پیش نظر رہو۔ اور مجھے یاد آتے رہو دوست نے کہا۔ مگر تمہیں میری یاد ہی تو منظور ہے اور وہ یوں بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ کہ اپنی خالی انگلی دیکھ کر یاد کر لیا کرنا کہ میں نے اپنے دوست سے انگوٹھی مانگی تھی۔ مگر اس نے نہ دی۔ جس طرح انگوٹھی کو دیکھ کر میری یاد آئے گی۔ اسی طرح انگلی انگوٹھی سے خالی دیکھ کر بھی میری یاد آ سکتی ہے۔ پھر خواہ مخواہ انگوٹھی دینے اور پہننے کے تکلیف کی کیا ضرورت! تو میرے بھائیو! آج ہمارا بھی خداوند کریم سے کچھ اس قسم کا معاملہ ہے کہ

اے مولا! تو نے پہلے مسلمانوں سے مالی و جانی ایشیا طلب فرمایا۔ اور انہوں نے سب کچھ پیش فرما دیا۔ اس طرح تو نے انہیں اپنی یاد میں رکھنے کی سرفرازی عطا فرمائی۔ اور ہمیں بھی تو تو اپنی یاد سے سرفراز فرمانا چاہتا ہے نا! تو یہ یوں بھی ہو سکتا ہے۔ کہ ہم وہ ہیں کہ تم نے جب بھی کچھ راہ حق میں طلب فرمایا۔ ہم نے گریز ہی کیا۔ میرے بھائیو! اس قسم کی روش سے پناہ مانگو۔ یہ خدا کی یاد نہیں۔ بلکہ یہ ہماری بہت بڑی بھول ہے۔ اور یاد رکھو۔ اس بھول کا نتیجہ بڑا بھیانک ہے۔ قرآن فرمانا ہے۔ بھول جانے والوں سے کل قیامت کے دن یوں فرمایا جائے گا۔

وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنسَاكُمْ كَمَا نَسَيْتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا وَمَأْوَجُكُمُ النَّارُ

(پ ۴۷) اور فرمایا جائیگا۔ آج ہم تمہیں چھوڑ دینگے۔ جیسے تم اپنے اس دن کے بلنے کو بھولے ہوئے تھے۔ اور تمہارا ٹھکانا آگ ہے!

دنیا ایک کھیتی ہے | میرے بھائیو! اس دنیا میں جو کروگے کل وہی سامنے آئے گا۔ یہ دنیا گویا ایک کھیتی ہے۔ جو پودے گا۔ وہی

کاٹو گے۔ ایک پنجابی شاعر لکھتا ہے۔

دنیا کھیتی آخر سیتی، خود حضرت فرماتے

جیسا اس وجہ سے کوئی ویسا ہی پھل پائے

جے توں اس نوں محنت کر کے بھیں آج دلائے

پھلکے تیرے تائیں ہوسن بول تے کھلواڑے

جے بیجیں ویسے کچھ نہ بھیں موسم پیا گواویں

اگے فصل جو پکی ویکھیں رورو کے پھتاویں

تیں فقیریں اگے چنگے ہالی، ہل واہ گئے اگرسے!

شوق عشق دی ہل پنجالی توں بھی گھن سویرے!

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے ایمان کی

محبت پر اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ جان، مال، اولاد ہر ایک چیز کی

محبت کو ایمان پر بچھا کر دیا۔ اولاد کی محبت ہر صاحب اولاد خوب سمجھتا

ہے مگر اللہ رہے محبت ایمان کہ صحابہ کرام نے اس محبت کی بھی کچھ پروا نہ کی۔ اور ایمان کی محبت ہی کو مقدم رکھا۔ چنانچہ۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے۔ اور کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے گھر پہنچے۔ تو آپ کے دو چھوٹے بچوں

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما

اور ان کے دو صاحبزادے

نے کلمہ طیبہ کو سن کر اپنے والد ماجد سے پوچھا۔ ابا جان! یہ کس پیاری ہستی کا نام لے رہے ہو۔ کہ نام تم لیتے ہو۔ اور مزہ ہمیں آتا ہے۔ حضرت عمار نے جواب دیا ہے

ایہ اوہ نام مبارک ہے۔ بچو جس دا کل پسارا

جے نہ ہندا۔ ایہ نال والا ہندا نہ عالم سارا

بچوں نے کہا۔ تو پھر یہ کلمہ طیبہ ہمیں بھی پڑھائیے۔ چنانچہ ان بچوں نے بھی کلمہ طیبہ پڑھ لیا۔ اور دونوں مل کر اس پیارے کلمہ کا ورد کرنے لگے۔ اور ورد کرتے کرتے باہر نکلنے لگے۔ حضرت عمار نے فرمایا۔ بیٹو! اسی اس کلمہ طیبہ کو باہر نکل کر پڑھنے کا وقت نہیں ہے۔ کافر سنیں گے۔ تو ایذا دیں گے۔ اندر ہی رہ کر پڑھو۔ بچوں نے جواب دیا اور سبحان اللہ! کیا ہی ایمان افروز جواب ہے۔

جد ایہ نام مبارک اتنا، یوں نفیس کیوں ڈریے

نام مبارک لیندے رہیے، جو بیچے سو جریے

چنانچہ وہ دونوں صاحبزادے کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے باہر نکلے اور اپنی جان سے بے پروا ہو کر علی الاعلان اس نام پاک کا اعلان کرنے لگے۔ گویا دونوں صحابیوں کا یہ ترانہ تھا۔ کہ

دل و جان دونوں فدائے محمدؐ

خدا ہم کو کر خاک پائے محمدؐ

کرم ہے ترا ہم پر احسان خالق!

کہ پیدا ہوئے ہم برائے محمدؐ

نہیں ہم کو غم جان ہلائے تو جائے
 تمہاری محبت نہ جائے محبتاً
 ناگاہ ایک کافروں کا گروہ ادھر سے گزرا۔ اور یہ پیاری آواز انہوں نے
 سنی، تو حمد سے جل گئے۔ ایک بے دین نے ان پاک بچوں کو طہانچہ مارا۔
 کسی نے حضرت ہمارے جا کر کہا۔ کہ تمہارے بچے نرٹے ہیں گھر گئے ہیں
 جاؤ اور ان کو نام محمدین لینے سے روکو۔ آپ کا جواب یہ تھا
 بیشک پتر ٹھنڈا تھاں دی گھر وچہ کرن اُجالا
 پر اینہاں تھیں ودھ کے پیارا مینوں کالی کالی والا
 پھر وہ شخص بچوں کی ماں کے پاس گیا۔ اور اسے واقعہ سنایا تو
 وہ بولی سے

دل دے ٹکڑے ڈاہڈے ہندے پت پیالے ماواں
 پر نام نبی توں جے لکھ پتر ہووے گھول گھماواں
 تھوڑی دیر کے بعد جب کافروں نے ان بچوں کو بچہ تنگ کیا اور
 بہت مارا تو حضرت ہمار اور ان کے والد حضرت یاسر نے باہر نکل کر
 کافروں کو اس جفا سے روکا تو ان ظالموں نے حضرت ہمار اور یاسر
 کو اور حضرت ہمار کی بیوی کو بھی پکڑ لیا۔ اور اس مقدس گھرانے کے
 سب افراد کو مارنا شروع کر دیا۔ اتفاقاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس
 طرف تشریف لے آئے۔ آپ نے یہ منظر دیکھا۔ تو فرمایا۔
 اِصْبِرْ يَا اَبَا سَلَمَةَ مَا مَكَانُ الْجَنَّةِ - یاسر والو! سبر
 کرو۔ تمہارا مقام جنت ہے۔

آخر کفار کی جفا نے ان نفیس تہذیب کو جنت میں پہنچا دیا۔
 حضرات! دیکھا آپ نے یہ ہے ایمان اور خدائے بھی بچی فرمایا ہے کہ
 لَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَ أَنْتُمْ الْأَسْلُوفُونَ اِنْ كُنْتُمْ
 مُؤْمِنِينَ - یعنی اگر تم صاحب ایمان ہو تو پھر گھبراؤ
 متا خروج و سر بلندی تمہارے ہی لئے ہے۔

میرے بزرگو! سب جانتے ہیں کہ آج ہمیں وہ عروج و سر بلندی جو پہلے زمانے میں تھی حاصل نہیں۔ پہلے لوگ سر بسجود ہو کر بارگاہِ خداوندی میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَىٰ عرض کرتے تھے۔ اور خدا ان کے لئے "وَ أَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ" فرماتا تھا۔ آج ہم نے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَىٰ کہنا چھوڑ دیا ہے یعنی نماز کا نام تک نہیں لیتے۔ تو خدا نے أَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ کا مصداق ہمیں بنانا چھوڑ دیا۔ پہلے لوگ غازی بھی تھے۔ اور نمازی بھی۔ مجاہد بھی اور عابد بھی۔ آج کسی کو نماز کا کہہ کر دیکھئے۔ تو جواب ملتا ہے۔ میاں ہم غازی ہیں غازی۔ گویا جو غازی ہو وہ پکا بے نمازی ہوتا ہے۔ حالانکہ جو غازی ہے۔ میدانِ جہاد میں بھی اس کے لئے یادِ حق کی تاکید ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہوتا ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقَيْتُمْ فِتْنَةً فَاصْبِرُوا وَادْكُرُوا اللَّهَ
كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ - (پطع ۲) اسے ایمان والو! جب
کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو۔ تو ثابت قدم رہو۔ اور اللہ کی
یاد بہت کرو۔ کہ تم مراد کو پہنچو!

چنانچہ مسلمانوں کا جب بھی کافروں سے مقابلہ ہوا۔ انہوں نے
میدانِ جہاد میں بھی نمازوں کو نہیں چھوڑا۔ اسی لئے اقبال نے بھی لکھا
ہے۔ کہ

آگیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز

قبلاً رو ہو کے زیں بوس ہوئی قوم حجاز

مگر کس قدر انقلاب ہے۔ کہ آج وہ غازی ہے۔ جو نماز نہ پڑھے۔
مسلمانو! نماز ایک بڑا اہم فریضہ ہے۔ اور افسوس کہ جس قدر یہ اہم ہے۔
اسی قدر اس سے غفلت کی جا رہی ہے۔ دین و دنیا کے مالک و مختار
حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نماز سے بے اعتنائی نہیں
فرمائی۔ تو ہم کس باغ کی موبی ہیں۔ پہلے زمانے کے مسلمان اس فریضہ کو
بڑا اہم سمجھتے تھے۔ اور اسکا بہر حال خیال رکھتے تھے۔ مگر آج ۹

نمازوں کی قسمیں | کہتے ہیں۔ آجکل کے نمازیوں کی چند قسمیں ہیں۔ اصلی
 فصلی، فصلی، آٹھ کے، کھاٹ کے، تین سو ساٹھ

کے۔ اصلی تو وہ جو باقاعدہ بیخوقت کی نماز ادا کرے۔ فصلی وہ جو فصل
 کے موسم میں فصل پکنے پر خوشی میں اگر دو دن نماز پڑھے۔ فصلی وہ
 جو کسی کا مہمان بنے۔ تو اس خیال سے کہ میزبان مجھے بے نمازی نہ سمجھے
 دو دن کے لئے نماز شروع کر دے۔ آٹھ کے وہ جو آٹھویں دن صرف
 جمعہ پڑھ لیا کرے۔ کھاٹ چارپائی کو کہتے ہیں۔ کھاٹ کے وہ جو کسی کا
 جنازہ ہو جائے۔ تو جنازہ پڑھ لے۔ اور تین سو ساٹھ کے وہ جو تین سو
 ساٹھ دن یعنی پورے سال کے بعد نماز عید پڑھ لے۔ میرے بھائیو!
 ان سب قسموں میں سے اگر بنا ہے۔ تو پہلی قسم کے نمازی بنو۔ یعنی
 اصلی نمازی بنو۔ مگر آہ! اس دور میں پہلی قسم کے نمازی بہت کم
 ہیں۔ دوسری قسموں کے زیادہ ہیں۔

اور یہ جو ہمارے لیڈر ہیں۔ یہ زیادہ تر اگر کوئی
 ہوا ہے لیڈروں کی نماز

سال بھر کے بعد خیرگاہ میں آئے۔ اور قوم میں اپنی نماز کی نمائندگی کر
 دی۔ چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ اگر کوئی لیڈر نماز عید یا نماز جمعہ کبھی
 پڑھ لے۔ تو اخباروں میں اعلان ہوتا ہے کہ فلاں لیڈر نے نماز
 پڑھی۔ ریڈیو میں اعلان ہو جاتا ہے۔ کہ فلاں لیڈر نے نماز ادا کی۔ گویا
 شہرت لے کر ایک الزکا۔ ترانا۔ اچھنچا اور ایسا کہم جو ان کے باپا دادا
 نے بھی نہ کیا تھا۔ کر ڈالا۔

میرے بھائیو! نماز پڑھو! اور خاص خدا کے لئے پڑھو۔ اور بیخ وقت کی
 باقاعدہ نماز پڑھو۔ خبردار! اس نماز سے غفلت اختیار نہ کرنا۔ یہ نماز بڑی
 برکتوں اور رحمتوں کا موجب ہے۔ اور بے نمازی شیطان سے بھی زیادہ بُرا
 ہے۔
 شیطان ہزار مرتبہ بہتر نسبت نماز!
 کان سجدہ پیش آدم و ابن پیش حق نہ کرو

مومنین کی امداد و پی غیبی | حضرات! خدا کا وعدہ ہے۔ کہ اگر تم مومن ہو تو فتح

و نصرت اور سر بلندی تمہارے ہی لئے ہے۔ چنانچہ
اپنی تاریخ پڑھیے۔ تو اس وعدہ حق کے متعدد جلوے نظر آتے ہیں۔ میدان
بدر میں مسلمانوں کی تعداد کتنی تھی؛ صرف تین سو تیرہ۔ اور مقابلہ میں
ابوجہل کا لشکر ایک ہزار کے لگ بھگ تھا۔ اور یہ لشکر بھی مسلح اور
کیل کانٹے سے لیس۔ گویا کافروں کے پاس دنیاوی ساز و سامان سب
کچھ تھا۔ اور مسلمانوں کے پاس کیا تھا؛ ۵

تھے انکے پاس دو گھوڑے چھ زریں آٹھ شمشیریں
بلٹے آئے تھے یہ لوگ دنیا بھر کی تقدیریں
نہ تیغ و تیر پر تکیہ نہ خنجر پر نہ بھالے پر
بھروسہ تھا تو ایک سادی سی کالی کالی والے پر

سبحان اللہ! ان پاک لوگوں کے پاس بس نام خدا و نام مصطفیٰ تھا۔ اور
یہ لوگ میدان جہاد میں آئے تو آئے کس شان سے؛ یہ بھی سنئے! دنیا بھر
کے جرنیلوں کو دیکھتے جالیے۔ کوئی جرنیل اپنی فوجوں کو شراب پیا کر لڑائے
کوئی جرنیل اپنی فوجوں کو چائے بکٹ کھلا کر لڑائے۔ اور کوئی مکھن تو س
کھلا کر لڑائے۔ مگر آؤ کوئی بھی دکھاؤ۔ جس نے اپنی فوج سے روزہ رکھوا
کر جنگ کروائی ہو۔ مسلمانو! یہ تین سو تیرہ مجاہدین جو میدان بدر میں
تشریف لائے تھے۔ روزے سے تھے۔

آج ہم بھی ہیں کہ بجلی کے پنکھوں کے نیچے بھی روزہ نہیں۔ اور ایک
وہ بھی تھے۔ کہ تپتے ہوئے میدان جہاد میں بھی روزہ تھا۔ ۵
آہ! اسلام تیرے چاہنے والے نہ رہے
جن کا تو چاند تھا افسوس وہ لالے نہ رہے

میرے بھائیو! ایک ہزار مسلح لشکر کے مقابلہ میں یہ بظاہر ہتے
نہیں سو تیرہ صاحب ایمان آئے۔ تو خدا نے ان کی کس طرح مدد فرمائی
سنئے!

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُشْكُرُونَ
إِذْ اتَّقُوا لِلْمُؤْمِنِينَ الَّتِي يُكْفِيكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلاَفٍ
مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنَزَّلِينَ بَلَىٰ أَنْ تَصْبِرُوا وَثَبَّتُوا وَيَا نُؤُودُ مَنْ
صَبَّغُوا بِهِمْ هَذَا يُمِدُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلاَفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ

دیکھ لے، اور بیشک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب تم بالکل
بے سروسامان تھے، تو اللہ سے ڈرو۔ کہیں تم شکر گزارو۔ جب
اسے محبوب تم مسلمانوں سے فرماتے تھے۔ کیا تمہیں یہ کافی نہیں
کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے۔ تین ہزار فرشتہ اتار کر۔ ہاں !
کیوں نہیں اگر تم صبر و تقویٰ کرو۔ اور کافر اسی دم تم پر آ
پڑیں۔ تو تمہارا رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے
بھیجے گا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کے دن فرشتے بھیج کر، جو
مسلمانوں کی امداد غیبی فرمائی تھی۔ اس کا ذکر فرمایا ہے۔ کہ اے پیارے تم
میدان بدر میں مسلمانوں کو جب تنہا رہے رہے تھے۔ اور یہ کہہ رہے تھے
کہ تم اپنی قلت اور بے سروسامانی، اور کفار کی کثرت اور اسباب حرب پر
نیماں کر کے ہراساں نہ ہو۔ کیا تم کو یہ کافی نہیں۔ کہ خدا تمہاری تین ہزار
فرشتے بھیج کر مدد فرمائے۔ خدا فرماتا ہے۔ کیوں نہیں۔ اگر تم صبر و
تقویٰ اختیار کرو گے اور کافر تم پر لٹ پڑیں گے۔ تو میں پانچ ہزار
فرشتے بھیج کر تمہاری مدد کروں گا۔

چنانچہ اس جنگ میں پانچ ہزار فرشتے نازل ہوئے۔ اور مسلمانوں کی
مدد کرتے ہوئے کافروں سے لڑے۔ بخاری و مسلم شریف کی احادیث شریفہ
میں آتا ہے۔ کہ بدر کے روز فرشتے گھوڑوں پر سوار ہو کر کافروں سے لڑتے
رہے۔ اور انہوں نے سفید عمامے باندھے ہوئے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ
جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھوڑا

اور کافر مسلمان کے سامنے بھاگتا جاتا تھا۔ اچانک اوپر سے کوڑے کی آواز آتی تھی۔ اور سوار کا یہ کلمہ سنا جاتا تھا۔

”أَقْدَمَ حَيْرُومًا“ ”یعنی آگے بڑھ اے حیروم!“

حیروم حضرت جبریل امین کے گھوڑے کا نام ہے۔ اور نظر آتا تھا۔ کہ کافر گر کر مر گیا۔ اور اس کی ناک تلوار سے اڑا دی گئی اور چہرہ زخمی ہو گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے یہ معاملے سیدنا عالم سے صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بیان کئے۔ تو آپ نے فرمایا: ”یہ آسمان سورم کی مدد ہے“ (تفسیر خزائن العرفان ص ۲۵۷)

دیکھا آپ نے یہ ہے تفسیر ذَاتُكُمْ الْأَعْمَلُونَ إِنَّا كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ۔ کی کہ صاحب ایمان حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کی مدد کیلئے اللہ نے آسمان سے مدد نازل فرمائی۔ اور وہ بے سرو سامانی کے عالم میں بھی سر بلندی و غلبہ حاصل فرما گئے۔ مگر آج ہم دنیاوی ساز و سامان کے ہوتے ہوئے بھی مظلوم ہیں، دنیا سے کفر ہم پر پٹے اور پٹے چیلے کر رہی ہے۔ اور ہمارے حق غصب کر رہی ہے۔ یہ سب کچھ کیوں ہے؟ صرف اس لئے کہ ہمارے ایمان کمزور ہو گئے ہیں۔

میرے بھائیو! اب بھی وقت ہے، ہوش میں آؤ، اٹھو۔ پھر وہی حارت ایمان پیدا کرو۔ اور دنیا کو دکھا دو، کہ ہم مسلمان ہیں۔ صاحب ایمان ہیں۔

غیبت ہو تو گر کر بھی سنبھلنا نہیں مشکل

جرات ہو تو نرسے سے نکلنا نہیں مشکل

ہمت ہو تو حالت کا بدلنا نہیں مشکل

انجن ہو تو گاڑی کا بھی چلنا نہیں مشکل

گرمی سے کرو پیلے بخارات مہیا!

پیدا ہو جو حرکت تو لگے گھومنے پھیرا!

وَالْخَيْرُ مِنْ عَوْنِ الْمَلَائِكَةِ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

نالواں وعظ

اتباع رسول

صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ - وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ - وَالصَّلَاةُ
وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ

اَمَّا بَعْدُ

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ

اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ

”اے محبوب! تم فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے

ہو۔ تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ۔ اللہ تمہیں دوست رکھیں گا اور

تمہارے گناہ بخش دیگا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

حضرات! آج میرے وعظ کا عنوان ”اتباع رسول“ ہے۔ مجھے بتانا ہے

کہ خدا کے رشتہ محبت و دوستی بجز حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی غلامی کے کبھی قائم نہیں ہو سکتا۔ کوئی لاکھ جتن کرے۔ مگر حضور کے وسیلے کے بغیر وہ خدا تک ہرگز ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔

سب سے پہلے آیت مبارکہ کے پیارے انداز کو دیکھئے۔ اپنے محبوب

قل کی غلامی کا حکم دینا یہ خدا کی مرضی اور اس کی نشا ہے۔ مگر وہ

اپنی مرضی کو اپنے محبوب کی زبانِ حق ترجمان سے کہلواتا ہے اور فرماتا ہے

قل! اے محبوب! تو فرادے۔ گویا اے محبوب! بات میری اور زبان تیری۔

قل کہہ کے اپنی بات بھی منہ سے ترے سنی

اللہ کو ہے اتنی تری گفتگو پسند!

میرے دوستو! یہ حقیقت ہے۔ کہ زبانِ مصطفیٰ سے جو کچھ ارشاد ہوتا

ہے۔ وہ دراصل خدا ہی کا ارشاد ہوتا ہے۔ اس لئے کہ حضور اپنی خواہش

سے کچھ فرماتے ہی نہیں۔ بلکہ

مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ - (پہلے ۵)

وہ کوئی بات ہی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو نہیں۔ مگر وحی

جو انہیں کی جاتی ہے!

مسلمانو! اپنا ایمان رکھو کہ ارشادِ رسول ارشادِ خدا ہی ہے۔

قولِ حق قرآن ہے قولِ پیمبر ہے حدیث

اہلِ دل کیواسطے تقریب ہے دونوں کی ایک

اس نے پھرا دل تو اس نے دعوتِ اسلام دی!

وہ خدا اور یہ نبی تدبیر ہے دونوں کی ایک

حضرات! آجکل ایک فرقہ جسے منکر حدیث کہا جاتا

ہے۔ نکل آیا ہے۔ جو حدیث کو معاذ اللہ قابل

اتباع نہیں سمجھتا۔ اور بزرگِ خویش قرآن کا تابع ہے۔ حالانکہ جو حدیثِ رسول

کا تابع نہیں۔ وہ قرآن کا بھی تابع نہیں۔ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ

اللہ۔ کے مطابق جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع ہے۔ وہ خدا کا

تابع ہے۔ اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا توڑنے والا ہے۔

وہ خدا کے ہی فرمان کا توڑنے والا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ ایک بھینگا تھا۔ بھینگا اُسے کہتے ہیں۔ جس کی نظر ٹھہری ہو اور جسے ایک کے دو نظر آتے ہوں۔ اس کے ماسٹر نے اس سے کہا۔ میرے گھر جاؤ اور طاق سے میرا آئینہ اٹھا کر لے آؤ۔ وہ بھینگا گیا۔ اور طاق میں آئینہ کو دیکھ کر واپس چلا آیا۔ اور ماسٹر سے کہنے لگا۔ ماسٹر جی! طاق میں آئینے دو رکھے ہیں۔ میں کونسا لاؤں۔ ماسٹر نے کہا۔ مگر دو کیسے ہو گئے۔ آئینہ تو ایک ہی ہے۔ بھینگے نے کہا۔ نہیں صاحب! آئینے دو ہیں۔ ماسٹر صاحب نے کہا۔ اچھا جاؤ۔ ایک آئینہ توڑ دو۔ اور دوسرا لے آؤ۔ چنانچہ وہ بھینگا گیا اور اس نے ایک آئینہ توڑ دیا۔ توڑنے کے بعد یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کہ توڑا تو ایک آئینہ تھا۔ مگر دوسرا آئینہ اپنے آپ ہی کیسے ٹوٹ گیا؛ یہ منظر دیکھ کر پریشانی کے غام میں واپس ہوا۔ اور ماسٹر صاحب سے کہنے لگا۔ ماسٹر صاحب کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ کہ میں نے آئینہ تو ایک توڑا تھا۔ مگر دوسرا خود بخود ہی ٹوٹ گیا ہے۔ ماسٹر صاحب نے کہا۔ کبخت بھینگے! آئینہ تو ایک ہی تھا۔ مگر تیرے بھینگے پن کی بدولت تمہے دو نظر آئے۔ اور تم نے دیکھ لیا۔ کہ تم نے بزرگم خویش جس دوسرے آئینے کو توڑا۔ وہ کوئی دوسرا نہ تھا۔ بلکہ وہی تھا۔ جو تمہے اپنے آپ ٹوٹتا ہوا نظر آیا۔

میرے بزرگو! اسی طرح حکم رسول در اصل حکم خدا ہی ہوتا ہے مگر ایمان کے بھینگوں کو ان میں تفریق نظر آتی ہے۔ اور یہ جو آج حدیث رسول کے منکر ہیں۔ انہیں کل پتہ چلے گا۔ جب انہیں حکم رسول توڑنے کی پاداش میں حکم خدا ہی ٹوٹا ہوا نظر آیا۔ خدا سے دعا کرو۔ کہ وہ ہمیں اس ایمان کے بھینگے پن سے بچائے۔ **الامین**!

شان نزول اس آیت کریمہ کا شان نزول مفسرین کرام نے یہ لکھا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن اشرف

اور اسکے متبعین کو دعوت ایمان دی۔ تو وہ کہنے لگے۔ **لَنْ نَحْنُ ابْنَاءُ اللَّهِ وَاحِبَاؤُا**۔ ہم اللہ کے بیٹے اور دوست ہیں! اس موقع پر اللہ نے

یہ آیت اتاری۔ کہ ان سے کہہ دیجئے۔ اگر اللہ کے دوست بننا چاہتے ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اختیار کرو۔ ورنہ خدا کی دوستی محال اور جنون ہے۔ (روح البیان ص ۳۱۹)

اور پھر فرمایا۔ کہ اب تو تم یہ چاہتے ہو کہ تم اللہ کے دوست بن جاؤ مگر جب تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام بن جاؤ گے۔ تو یَجِبُكُمْ اللہ اللہ تمہیں اپنا دوست بنا لیگا۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کی کہ جو اس محبوب کا ہو جائے۔ خدا اسے بھی اپنا محبوب بنا لیتا ہے؛

بات یہ ہے کہ پیار تو اللہ کو اپنے محبوب ہی سے ہے مگر **محبوب کے انداز** جو شخص اللہ کے محبوب کی غلامی اختیار کر کے حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کی سیرت و صورت کی نقل اتارے گا۔ تو محبوب کے انداز چہاں بھی محبت کو نظر آئیں گے۔ محبت کی محبت وہاں جلوہ گر ہو جائیگی۔

حضور سے اللہ کو اگر پیار ہے تو اس لئے کہ حضور حضور ہیں۔ اور حضور کے غلاموں سے اگر اللہ کو پیار ہے تو اس لئے کہ وہ حضور کے غلام ہیں۔ بات ختم حضور ہی پر ہوتی ہے۔ خدا کا دوست اور محبوب بننے کیلئے حضور کی نلامی ضروری ہے۔ ہر وہ چیز جسے حضور سے حظوظی بہت نسبتا حاصل ہو جائے گی۔ وہ اللہ کی محبوب بن جائیگی۔ دیکھیے دنیا میں بہت بڑے خوبصورت شہر موجود ہیں۔ ان شہروں کا قرآن میں کوئی نام نہیں لیا گیا۔ مگر ایک شہر ایسا بھی ہے۔ جس کا قرآن مجید میں نام لیا گیا ہے۔ بلکہ اس شہر کی قسم فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

لَا أُقْسِمُ بِهَذَا لَبَدٍ - وَأَنْتَ حَلٌّ بِهَذَا لَبَدٍ - (نباہ ۱۵)

مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب! تم اس شہر میں تشریف فرما ہو، جانتے ہیں آپ یہ کونسے شہر کی قسم فرمائی گئی ہے؟ یہ شہر مکہ معظمہ ہے۔ خدا نے اس شہر کی قسم فرمائی اور اس لئے نہیں کہ اس شہر میں "بیت اللہ" ہے۔ یا اس شہر میں صفا مروہ ہے۔ یا اس شہر میں حجر اسود

ہے۔ بلکہ اس لئے کہ :-

وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ - اے محبوب تم اس شہر میں تشریف
فرما ہو۔

دیکھا آپ نے! جس شہر کی گلیوں میں محبوب چلتا پھرتا نظر آیا
وہ شہر بھی محبوب بن گیا۔ اور اس کی قسم فرمائی جانے لگی۔

عجبوں کے رخ تاباں اور زلفوں کی قسم | اسی سنئے! خدا فرماتا ہے :-
وَالضُّحَىٰ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ

چاشت کی قسم! اور رات کی جب پردہ ڈالے۔

علامہ اسمعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ روح البیان میں فرماتے ہیں :-

اشارات است بروشنی و روئے حضرت مصطفیٰ علیہ السلام

کناستند از سیاہی موئے و ... (روح البیان ص ۶۶۲ ج ۴)

یعنی والضحیٰ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور
کی روشنی مراد ہے۔ اور "واللیل" سے حضور کی زلفوں

معنبر کی سیاہی مراد ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے چہرہ انور اور محبوب کی زلفوں کی قسم
فرماتا ہے۔ کیونکہ محبوب کا چہرہ انور اور محبوب کی زلفیں بھی اللہ
کو محبوب ہیں۔

اور سنئے! خدا فرماتا ہے :-

محبوں کے زباں کی قسم | وَالنَّصْرَاتِ الْإِنشَاتِ كَيْفَ خَسِرَ - (سپید ۱۸)

آپ زبانیہ محبوب کی قسم۔ بیشک آدمی ضرور نقصان میں ہے۔

دیکھئے! یہاں محبوب کے زبانیہ کی قسم فرمائی گئی ہے۔ گویا محبوب کا

زبانہ بھی اللہ کو محبوب ہے۔

محبوں کی زباں کی قسم | اور سنئے! خدا فرماتا ہے :- وَقِيلَ يَا رَسُوْلُ

إِنَّ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُونَ - (سپید ۱۳)

رسول نے اس کہنے کی قسم کہ اے میرے رب! یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔

دیکھئے! یہاں محبوب کے قول و ارشاد کی قسم فرمائی گئی ہے۔ گویا اللہ کو محبوب کی زبان بھی محبوب ہے۔

اور سنئے! خدا فرماتا ہے: لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ
مُحِبُّوْبِ كِي جَانِ كِي قَسْمِ

اے محبوب! تمہاری جان کی قسم۔ بیشک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔

دیکھئے! یہاں محبوب کی جان کی قسم فرمائی گئی ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں سے

ہر کلام الہی میں شمس و ضحیٰ ترسے چہرہ نور فزا کی قسم
قسم تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی اذیتا دوٹا کی قسم
وہ خدا نے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلام مجید نے کھائی شہا ترے شہر و کلام و بقا کی قسم
ترا مسند ناز ہے برش بریں ترا محرم راز ہے روح میں

تو ہی سرور ہر دو جہاں ہے شہا ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم

اتباع میرے بزرگوا! آیت مذکورہ میں اللہ نے حضور سے فَاتَّبِعُونِي كَمَا دَلَّيْتُكُمْ
ہے۔ کہ میری اتباع کرو۔ یاد رکھئے۔ ایکسے "اطاعت" اور ایک

ہے "اتباع" ان دونوں لفظوں میں کچھ فرق ہے۔ اطاعت کا معنی ہے۔

فرمان برداری اور اتباع کا معنی فرمانبرداری کے علاوہ قدم بقدم چلنا کے

بھی ہیں۔ یعنی اتباع عام ہے۔ اور اطاعت خاص۔ اطاعت میں تو

محبوب کے حکم و فرمان کی انتظار رہتی ہے۔ مگر اتباع کا یہ معنی ہے کہ حکم

و ارشاد کی تعمیل کے علاوہ محبوب کے حکم و ارشاد کے بغیر بھی محبوب کی

ہر مرضی کو اپنا لیا جائے۔ محبوب کا حکم نہ بھی ہو۔ تو بھی اس کی سیرت

کو اختیار کر لیا جائے۔ میرے دوستو! اسی کا نام ہے کمال غلامی۔

مثلاً ہمارے ملک میں انگریز رہے۔ تو ان

غلامی کے مثال کی غلامی میں جب انہیں انگریزی بال

کٹواتے۔ ٹیڑھی ماتگ نکالتے۔ اور دارھی بندواتے دیکھا۔ تو غلاموں نے

بھی یہ سب حرکتیں اپنا لیں۔ حالانکہ انگریزوں کا یہ کوئی حکم نہیں تھا

کہ ایسا ضرور کرو۔ مگر غلامی کا تقاضا یہ تھا۔ کہ حاکم جس رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ اسی رنگ میں اپنے آپ کو بھی رنگ لو۔

اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ جٹلمینو! خدا کا شکر ادا کرو۔ کہ پچھلی جنگ میں جاپان یہاں نہیں آگھسا۔ ورنہ اگر وہ آجاتا تو پھر ہر فیشن ایسبل جٹلمین کو داڑھی مندوانے کے ساتھ ساتھ اپنی ناک بھی چپٹی کرانا پڑتی اور ہرنائی کو اختر سے کے ساتھ ساتھ، ایک عدد ہتھورا بھی رکھنا پڑتا۔ اس لئے کہ جاپانیوں کی ناک چپٹی ہوتی ہے۔ تو ان کے آجانے سے پھر ناک کا چپٹا ہونا بھی فیشن میں داخل ہو جاتا۔

النَّاسُ بِكُلِّ رِيٍّ مَمْلُوءٌ
میرے بھائیو! حاکم وقت کی بود و باش، اور اس کی سیرت و صورت

کا رعایا پر بڑا اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ خاندان بنی امیہ میں ولید بن عبد الملک اور سلیمان بن عبد الملک اور حضرت عمرو بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نمایاں شخصیتیں ہیں۔ ان تینوں کے عادات و اطوار مختلف تھے۔ اور ان کے اپنے اپنے عہد ہیں جو جو کچھ ان کی اپنی طرز زندگی تھی۔ اسی کا اثر رعایا پر بھی پڑتا رہا۔ چنانچہ ولید کے متعلق روایت ہے کہ۔

كَانَ صَاحِبَ بِنَاءٍ وَارْتِمَازٍ لِنَسَائِحِ وَالشَّيَاطِخِ وَكَانَ النَّاسُ يَلْتَقُونَ فِي زَمَانِهِ قَائِلًا يَسْئَلُ بَعْضُهُمُ الْبُضَائِعَ وَالْمَقْرَابِجَ۔

یعنی ولید سماریں۔ تالاب۔ زر خیز زمینیں بنانے اور تیار کرتے۔ والد تھا۔ اس کے زمانہ میں لوگ، جب آپس میں ملتے۔ تو ایک دوسرے سے آبادیوں اور تالابوں، حوضوں وغیرہ کی تعمیر کے بارے میں پوچھ لیا کرتے تھے۔

اور سلیمان بن عبد الملک کے متعلق روایت ہے۔

كَانَ صَاحِبَ نِكَاحٍ وَطَعَامٍ فَكَانَ النَّاسُ يَسْئَلُ بَعْضُهُمُ الْبُضَائِعَ وَالنَّزْوِجَ وَالْجَوَارِيَ۔

سلیمان کھانے پینے اور نکاح کا شوقین تھا۔ تو لوگ بھی اس کے عہد میں ایک دوسرے سے نکاح

اور لونڈیوں کی باتیں پوچھتے !

اور حضرت عمرو بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق راویوں کا بیان ہے۔
 فَلَمَّا وَتَى عَمْرُو بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ كَانُوا يَلْتَقُونَ فَيَقُولُ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ
 مَا وَرَدَكَ الْبَيْتَةَ وَكَرْتُمْ حَفْظَ مِنَ الْقُرْآنِ وَمَتَى خَتَمْتَ وَمَا تَصُومُ
 مِنَ الشَّهْرِ (طبری) لیکن جب حضرت عمرو بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ
 علیہ (جو ایک ولی کامل تھے) خلیفہ مقرر ہوئے، تو ہر
 شخص ایک دوسرے سے مل کر یہی پوچھتا۔ کہ رات کو پڑھنے
 کا پیرا کون سا وظیفہ ہے۔ تجھے قرآن مجید کتنا یاد ہے۔ تو
 کب ختم کرے گا۔ اور تو ہینہ میں کتنے روزے رکھتا ہے۔
 دیکھا آپ نے۔ شانانہ اقتدار جس طرز و طریق پر اپنی زندگی کی تشکیل کرنا ہو
 اپنی بنیادوں پر رعایا کی معاشرت و تمدن کی دیواریں بھی اٹھتی ہیں۔
 آج سینما۔ ٹیلیو۔ لائٹری۔ بیمہ۔ بنک۔ تصویر کشی۔ سنگ پروری
 نیم عرابی۔ بے پردگی۔ راگ گانا رقص و سرود وغیرہ جاہلی تہذیبیں
 انگریزوں کو مرغوب ہیں۔ اس لئے عوام نے بھی ان اشیاء کو اپنا
 لیا ہے۔ بلکہ معاذ اللہ بعض لوگ اب تو راگ و گانے اور رقص
 و سرود کو اسلامی فن اور دینی کارنامہ ثابت کرنے لگے ہیں۔ اور
 اس رقص و سرود کی باقاعدہ تعلیم اپنی لڑکیوں کو بھی دینے لگے
 ہیں۔ کسی زمانہ میں لڑکی کا باجیا ہونا۔ دینی مسائل اور گھر کے کام
 کالج سے واقف ہونا۔ سینا پرونا۔ جانا۔ نمازی و پابند شرع ہونا۔
 مرغوب و پسندیدہ تھا۔ مگر اب سب سے پہلے لڑکی کا بے حجاب ہونا
 اور ناچنے گانے میں مشاق ہونا دیکھا جاتا ہے۔ میں نے ایک نظم میں
 لکھا ہے۔

سرخ تلوے، سرخ ناخن، سرخ لب
 ڈیخرس ہی ڈیخرس ہیں عضو سب
 ہونہ ہو سینے پرونے کی تمیز

ناچنے گانے کا ہو لڑکی کو ڈھسب

میرے بزرگو! اس کا نام ہے غلامی کہ حاکم کے بود و باش، اس کی تہذیب و معاشرت کو بغیر اس کے حکم کے بھی اپنا لیا جائے۔

غلامی کا ایک اقتضا اور بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے

بلاچون و چرا تعمیل حکم

کہ حاکم کا حکم بلاچون و چرا تسلیم کیا جائے۔ اور یہ نہ کہا جائے۔ کہ ایسا ہم کیوں کریں۔ مثلاً ہماری حکومت نے گھڑیوں کا ایک گھنٹہ ٹائم چھپے کر لینے کا حکم دیا تھا۔ تو سب نے اپنی اپنی گھڑیوں کا ایک ایک گھنٹہ ٹائم چھپے کر لیا تھا۔ اور یہ کسی نے نہیں کہا تھا۔ کہ ہم ایسا کیوں کریں۔ اور اس کا فلسفہ کیا ہے؟ پھر جب حکومت نے نصف گھنٹہ آگے کر لینے کا حکم دیا۔ تو سب نے ایک دم نصف گھنٹہ ٹائم آگے کر لیا۔

اور "کیوں" پھر بھی کسی نے نہیں کہا۔ اور آج یقیناً اس بات کی حکمت اور فلسفہ بغیر حکومت کے کسی دوسرے کے علم میں نہیں۔ لیکن ٹائم سب نے آگے کر رکھا ہے۔ مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ حکم رسول پا کر آج کل کے آزاد خیال افراد کیوں کیوں کرنے لگتے ہیں۔ کہ ہم ایسا کیوں کریں نماز کیوں پڑھیں۔ اس کا فلسفہ کیا ہے۔ روزہ کیوں رکھیں۔ اس کی حکمت کیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ اتباع رسول کا تقاضا یہ ہے۔ کہ جو حکم سرکار ہو بلاچون و چرا اُسے تسلیم کر لیا جائے۔ اور بقول شاعر نقشہ یہ ہو

مصور دیکھنا تصویر میری یوں بنائی ہو

ادھر حکم چلتا ہو۔ ادھر گردن جھکائی ہو

اور اپنی زندگی کا ہر لمحہ حضور ہی کی غلامی میں گزارے۔ کوئی قدم ان کی سیرت مطہرہ کے خلاف نہ اٹھے۔ کوئی حرکت ان کی مرضی کے مخالفت نہ ہونے پائے، ان کی ہر ادا ہمیں۔ محبوب ہو۔ ان کی ہر مرضی ہمیں مرغوب ہو۔ مولانا رومی فرماتے ہیں۔

در ہمہ اقوال و افعال اے فتے!

قبلہ خود سناز خلق مصطفیٰ

ملحدانہ دور | میرے بزرگوا! آپ نے سنا کہ انگریز کی غلامی کا یہ عالم ہے کہ اس نے دارھی منڈائی۔ تو غلاموں نے بھی منڈا ڈالی۔

اس نے ٹیڑھی مانگ نکالی۔ تو غلاموں نے بھی نکال لی۔ اس نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ تو غلاموں نے بھی کھڑے ہو کر پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ اسی طرح جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوگا۔ وہ بھی حضور کی ہر ادا اپنائے گا۔ حضور کے رخ انور پر ریش انور دیکھے گا۔ تو دارھی رکھے گا۔ حضور کی سر انور پر سیدھی مانگ شریف دیکھے گا۔ تو سیدھی مانگ نکالے گا۔

اسی طرح جو جو ادا ہر کار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دیکھیگا۔ اُسے پسند کریگا۔ مگر آہ! یہ ملحدانہ دور ایسا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنتوں پر مذاق اڑایا جاتا ہے۔ یہ دارھی پر پھبتیاں، عملے پر مذاق۔ مسواک پر آوازے کئے۔ یہ ملحدانہ باتیں۔ آجکل عام ہیں۔ خوب یاد رکھیے۔ دارھی کا نہ رکھنا گناہ ہے۔ مگر کفر نہیں۔ لیکن دارھی پر مذاق اور پھبتیاں اڑانا یہ کفر ہے۔ کہ اولے محبوب کا مذاق اڑایا گیا۔ افسوس ان ملحدین پر جو انگریز کے تو اندھے مقلد اور ستر پا غلام ہیں۔ لیکن جن کی غلامی کا خالق کائنات حکم دیتا ہے۔ ان کی غلامی سے باہر ہیں۔ اور نام رکھا ہے اس کا آزادی۔ حالانکہ جو حضور کا غلام نہیں وہ براستے نام آزاد ہو تو ہو۔ ورنہ وہ آزاد کب ہے؟ رسم و رواج کا وہ غلام اپنے نفس کا وہ غلام۔ شیطان کا وہ غلام۔ افسروں کا وہ غلام۔ جتنا کہ اپنی بیوی کا وہ غلام۔ ایک سکرور عالم کی غلامی اختیار کر لیتا۔ تو ان سب غلامیوں سے نجات مل جاتی کہ۔

محدث کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی

خدا کی گرفت | میرے بھائیو! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی سے کنارہ کش ہو کر یہ جس کا نام لوگوں نے آزادی رکھ چھوڑا ہے۔ یہ آزادی ہرگز نہیں۔ بلکہ غور کیا جائے

تو اخروی ہولناک عذاب کے علاوہ اس دنیا میں بھی یہ لوگ خدا کی گرفت میں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ ادا فرماتے کا ارشاد فرمایا سو میں سے اڑھائی دینے کا حکم دیا۔ لوگوں نے یہ حکم نہ مانا۔ تو اس کی اخروی سزا مل گئی۔ لیکن اس دنیا میں بھی یہ سزا ملی۔ کہ سینکڑوں ٹیکس پیچھے پڑ گئے۔ ٹاؤس ٹیکس۔ انجمن ٹیکس۔ واٹر ٹیکس۔ یہ ٹیکس اور وہ ٹیکس۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ یہ حکم نہ مانا۔ کہ کون پانچ وقت مسجد میں جائے۔ بوٹ اور جرابیں اتارے وضو کرے۔ اور نماز پڑھے۔ حکم رسول کی ان پابندیوں سے بھاگتا۔ تو سینکڑوں پابندیاں پیچھے پر گئیں۔ عاصب استیلاعت لوگوں کو عمر بھر میں ایک بار حج کا حکم رسول بلا۔ تو اس کی پرواہ نہ کی گئی۔ تو یہ سزا ملی کہ اچھا تو پھر ہزاروں کا خرچ کر کے ولایت جاؤ۔ اور وہاں کچھ عرصہ رہ کر اپنا دین و دنیا برباد کر کے آؤ۔ اور جو زیادہ سزا دنیا منظور ہوتی۔ تو وہاں سے ایک ایم صاحبہ کو بھی سامنے کر دیا گیا۔ جس نے یہاں پہنچ کر اپنے ولایتی ناز و انداز سے مسٹر کا کچوم نکال کے رکھ دیا۔ حج کے دوران صفا مروہ کی دوڑ سے یہ لوگ بھاگے۔ کہ کون وہاں جاتے۔ اور دوڑتے پھرے۔ تو سزا یہ ملی۔ کہ اچھا تو پھر یہیں فٹ بال کھیلتے دوڑو۔ پلو کھیلتے دوڑو۔ ٹاکی کھیلتے دوڑو۔ کبھی ادھر کبھی ادھر بس دوڑتے ہی رہو۔

میرے بھائیو! حق پوچھو! تو یہ آزادی برائے نام آزادی ہے۔ ہے خدا کی گرفت۔ مگر یہ لوگ اسے آزادی سمجھ بیٹھے ہیں۔

لطیفہ ایک کابلی کا قصہ مشہور ہے۔ کہ وہ کابل سے ہندستان آیا۔ تو ایک حلوانی کو دیکھا۔ جو تازہ حلوا بنا کر بیچنے کو سامنے رکھ اپنی دکان پر بیٹھا تھا۔ کابلی نے اُسے دیکھا۔ جو تازہ حلوا بنا کر بیچنے کو سامنے رکھ کر اپنی دکان پر بیٹھا تھا۔ کابلی نے اُسے دیکھا تو اپنی چھڑی اس کی آنکھوں کے تریبا لاکر ہلانے لگا۔ حلوانی نے پوچھا۔

لو کہ کابل پاس اور ڈوہر کا اور شام کا اور دیگر وغیرہ

خان! یہ کیا کرتے ہو۔ کابلی بولا۔ خواہ میں دیکھتا ہوں۔ کہ تم اندھا تو نہیں ہے۔ حلوائی بولا۔ میں اندھا نہیں ہوں۔ کابلی نے کہا۔ اگر اندھے نہیں ہو تو اتنا حلوہ سامنے رکھا ہے۔ اسے کھاتے کیوں نہیں؟ حلوائی بولا۔ خان! یہ حلوہ میں کھا لوں تو اجر جڑ جاؤں؟ خان نے کہا اچھا اگر یہ حلوہ کھانے سے آدمی اجر پاتا ہے۔ تو لو ہم اجر پاتا ہے۔ یہ کہا اور وہ سارا حلوہ کابلی نے کھا لیا۔ حلوائی نے پیسے مانگے۔ تو کابلی بولا۔ پیسہ و لیسہ ہمارے پاس کچھ نہیں۔ حلوائی اسے پکڑ کر عدالت میں لے گیا۔ قاضی نے فیصلہ کیا کہ کابلی کو گدھے پر بٹھا کر شہر میں پھراؤ۔ اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی ایک فوج اس کے پیچھے کر دو۔ جو ڈھول بجاتے ہوئے اسکے پیچھے چلیں چنانچہ اس کابلی کے ساتھ ہی سلوک کیا گیا۔ گدھے پر بٹھایا۔ اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی فوج کو پیچھے کر دیا گیا۔ جو ڈھول بجا بجا کر اس کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ اور کابلی کو سارے شہر میں پھرایا۔ کابلی صاحب اپنے وطن پہنچے۔ تو لوگوں نے پوچھا۔

”ملک ہند چگونہ ملک است؟“ ہندوستان کیسا ملک ہے؟

— تو بولے!

— خوب است۔ حلوہ خوردن مفت است۔ سواری خرمفت است

فوج طفلان مفت است۔ نیز دم دم مفت است۔

— یعنی بڑا اچھا ملک ہے۔ وہاں حلوہ مفت ملتا ہے گدھے

کی سواری مفت ملتی ہے۔ بچوں کی فوج مفت اور ڈھول

بھی مفت ملتا ہے۔

گویا خان صاحب نے اپنی اس سزا کو اپنا جلوس سمجھ لیا۔ لی تو اس

کو سزا۔ مگر اس نے سمجھ لیا کہ یہ میرا جلوس نکالا گیا ہے۔

میرے بھائی! کچھ اسی قسم کا معاملہ یہاں بھی ہے۔ کہ یہ باغیان رسول ہیں

تو خدا کی گرفت میں۔ لیکن نام انہوں نے اسکا آزادی رکھ چھوڑا ہے۔

بریں عقل و دانش بیاید گریستا

عیرے چھاپڑا اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی مبارک ہنسیوں پر سوسا وہ لوگ آزادی کا مزہ چکھ گئے۔ قیصر و کسریٰ پر اپنا رعب جما گئے۔ بلکہ حیوانات کو بھی اپنا مطیع و فرمانبردار بنا کر دکھا گئے۔ آب و باد خاک و آتشیں پر حکومتیں کر گئے۔ شاہ لاکھتا ہے سے

وہ مسلمان کہاں اگلے زمانے والے !

گردنیں قیصر و کسریٰ کی جھکانے والے !

سیدنا! حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا
فاروق اعظم اور زور کا اپنی ایک واقعہ سنو! اس واقعہ کو حضرت فاروق

رضی اللہ عنہ نے شہزی شریف میں بھی لکھا ہے۔ اور یہ آپ کو شہزی شریف کے اشعار کے اردو منظوم ترجمہ میں یہ واقعہ سنانا چاہئے۔

شاہ روم نے ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنا ایک ایچی بھیجا۔ وہ ایچی جب بادشاہ منور پہنچا۔ تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے محل کا پوچھنے لگا۔ اس نے سمجھا کہ چلیے ہمارے بادشاہ بڑے بڑے محلوں میں رہتے ہیں۔ فاروق اعظم بھی بڑے بڑے نام کے بڑے بڑے بادشاہ کا بیٹے ہیں۔ کسی بہت بڑے محل میں اور بہت بڑے بیگینا پر کے میں رہتے ہوں گے۔ چنانچہ وہ مسلمانوں سے حضرت فاروق اعظم کا محل پوچھتا رہا۔ اور سے

لوگ جب سنتے تھے اس کا یہ کام

ہنس کے کہتے تھے کہ اسے فرزندِ خاتم

سیر و شکر اس کے ہیں وہ حصنِ نصیب

قصر کی اس شیر کو حاجت مند نہیں

ہے امیر المؤمنین گریہ مکہ پر

پر نہیں رکھتا غریبوں سا بھی گم

اس ایچی نے جب یہ جواب سنا تو بڑا حیران ہوا۔ کہ یہ عجیب قسم

کی حکومت ہے۔ کہ اتنا بڑا بادشاہ بدلتا بادشاہوں کا بادشاہ۔ مگر

نہ کوئی محل اور نہ کوئی پہرہ ہے

ہے تعجب فاتح ملک شہاں

جان روشن کی طرح ہو یوں نہاں

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اس سادگی کا ذکر سن کر اسکا شوق جستجو

بڑھا اور ہر ایک سے پوچھنے لگا۔ کہ فاروق اعظم کہاں ملیں گے۔

آخر ایک بڑھیا یہ بولی دیکھ کر

نخل خرما کے تلے ہے وہ عسرا

نخل حق سایہ میں ہے سویا ہوا

یہ عمر ہے جس کا تو جو یا ہوا

بڑھیا کی نشان دہی سے وہ ایلی کھجور کے درخت کی طرف بڑھا

کیا دیکھتا ہے کہ اللہ کا شیر، مسلمانوں کا امیر، وہ جس کے رعب و

وہدہ سے دنیا کے کفر لرزہ براندام ہے۔ بغیر کسی تکلف کے اکیلا اپنے

ہاتھ کا تکیہ بنائے سو رہا ہے۔

ڈپ میں تھا ایلی گو پیل تن

لیکن اس کا کانپ اٹھا تن بدن

سُبْحَانَ اللَّهِ! سوئے ہوئے اللہ کے شیر کا یہ رعب کہ روم کا ایلی

آپ کو نیند کے عالم میں بھی دیکھ کر کانپ اٹھا اور سے

دل میں کہتا تھا، الہی کیا ہوا

قیصر و کسریٰ کو دیکھا بارگ

جنگ میں بھی زخم کھائے سینکڑوں

دشمنوں کے سراٹھائے سینکڑوں

میں نے مارے بیسیوں شیر و پلنگ

پر کبھی بدلا نہ اس چہرے کا رنگ

کانتپتا ہے اب تو میرا جوڑ جوڑ

آکے پاں نکلی ہے اب ساری مروڑ

مسلمانو! پھر اس روم کے ایلی کے منہ سے بے ساختہ نکلا
 آسمانی رعب ہے اس شخص کا
 ہے خدائی بھید گہڑی میں چھپا
 دیکھا آپ نے! یہ تھے آزاد مسلمان کہ آزادی سے سو رہے ہیں۔
 اور کفر اس سوئے ہوئے بھی اللہ کے شیر کو دیکھ کر کانپ اٹھتا ہے۔

میرے بزرگو! ان لوگوں کا رعب اور وہ یہ
 نہ صرف یہ کہ انسانوں پر تھا۔ بلکہ جنگلی
 درندوں پر بھی ان کا رعب تھا۔ چنانچہ

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ
 اور ایک جنگل کا شیر

مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے :-

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سرزمین روم میں اپنے لشکر سے الگ ہو کر
 راستہ بھول گئے۔ آپ اپنے لشکر کی تلاش میں تھے۔ کہ راستے میں ایک
 خطرناک شیر مل گیا۔ اس مشکل کے وقت آپ بالکل نہیں گھبرائے اور
 اس شیر کو مخاطب فرما کر یوں فرمایا۔

يَا اَبَا الْحَارِثِ اَنَا مَوْلَى رَسُولِ اللّٰهِ - اے ابا الحارث! خبردار!

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں۔

حدیث شریفیہ میں آتا ہے کہ یہ سن کر شیر نے کتے کی طرح دم ہلانا شروع
 کیا۔ اور حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی رہنمائی کرتا ہوا ساقہ چل دیا۔ اور
 آپ کو لشکر میں ملا کر واپس چلا آیا۔ (دیکھیے مشکوٰۃ شریف ص ۵۳۷)

ایک پنجابی شاعر نے اس موقع پر لکھا ہے۔ کہ شیر نے جب یہ سنا۔ کہ
 یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہے تو گویا وہ یوں کہنے لگا کہ
 شیر کہیا سفینہ تائیں سن راہی راہ جانے
 جو غلام رسول اللہ ہے اسی غلام اُنہاندے

صحابہ کرام کا اتباع رسول
 حضرات! صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ساری
 زندگیاں اتباع رسول میں گزریں۔ اور انہوں
 نے حضور کا اتباع کر کے دکھایا۔ اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ مگر اتباع رسول

کو نہ چھوڑا۔ حضور نے انہیں جدھر سے روکا وہ رک گئے۔ جدھر جھکایا جھک گئے۔ فتح مکہ کی ٹرانی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ارشاد فرمایا کہ جو مشرک سامنے آئے۔ اسے قتل کر دو۔ اگرچہ وہ تمہارا اپنا عزیز ہی کیوں نہ ہو۔ تو ان تابعین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کر رکھا یا۔ اور اپنے بیگانے میں کوئی فرق نہ رکھا۔ اگر سامنے باپ آگیا۔ تو اسے نہ چھوڑا۔ بیٹا آگیا۔ تو اسے معاف نہ کیا۔ بھائی آیا تو اسے نہ چھوڑا۔ یہی وہ اتباع رسول تھا۔ جس کی بدولت وہ یُحِبُّكُمْ اللہ کے مصداق بن کر اللہ کے محبوب بن گئے۔ اور ساری دنیا ان کے قدموں پر گر گئی۔

ہیں نے آپ کو بتایا ہے کہ اتباع کے معنی میں قدم بہ قدم گدو سے پیار چلنا بھی ماخوذ ہے۔ محبوب کے حکم و ارشاد کے بغیر بھی

محبوب کی مرغوب چیز سے رغبت رکھنا اور اسے اپنانا یہ اتباع ہے۔ چنانچہ اس کی مثال بھی صحابہ کرام میں ہمہ جہ آئم موجود تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں ایک دعوت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گیا۔ صاحب خانہ نے کدو پکا رکھا تھا۔ میں نے دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کدو کو بڑے شوق و رغبت سے تناول فرما رہے ہیں۔ حضرت انس فرماتے ہیں۔ حضور کی اس رغبت کو دیکھ کر۔۔۔

فَلَمْ أَزَلْ أُحِبُّ التَّابَانَ بَعْدَ يَوْمِئِذٍ - (مشکوٰۃ ص ۳۵۶)

اس دن سے میں بھی کدو سے محبت رکھنے لگا۔

دیکھیے حضور نے حکم نہیں دیا۔ کہ اسے انس تو بھی کدو کھایا کر۔ اور اس سے ہمیشہ محبت رکھنا۔ مگر یہ اتباع رسول تھا۔ کہ محبوب کو کدو کی طرف رغبت فرماتے دیکھا۔ تو اس مبارکت عادت کو خود بخود ہی اپنا لیا۔ میرے بھائیو! خوب یاد رکھو۔ خدا کی محبت و دوستی حاصل کرنے کیلئے یہی اتباع رسول درکار ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا سیرت مبارکہ کو اپنا لیا جائے۔ اور آپ کے ہر حکم و ارشاد کی تعمیل کی جائے۔ حضور کے اتباع و اطاعت کے بغیر خدا کا پانا ناممکن ہے۔

مسلمانوں! یہ تو بھلا صحابہ کرام کی باتیں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی غلامی و اطاعت نباتات و حیوانات اور عبادات نے بھی کر کے دکھائی۔

درختوں کی اطاعت چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نے حضور

صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ اگر آپ نبی ہیں۔ تو کوئی معجزہ دکھائیے۔

حضور نے فرمایا۔ اچھا وہ درخت جو سامنے کھڑا ہے۔ اُسے میرا پیغام دو اور آتا کہہ دو۔ **رَسُولُ اللَّهِ يَنْعُوكَ**۔ ”تجھے اللہ کا رسول بلاتا ہے“ وہ

اعرابی گیا۔ اور اس نے درخت سے یہ جملہ کہہ دیا۔ دوستو! حدیث میں آتا ہے۔ اُس درخت نے یہ حکم پاتے ہی اپنے دائیں بائیں اور آگے پیچھے

گر کر اپنی جڑیں زمین سے اٹھیں۔ اور پھر جڑوں کو گھسیٹنا ہوا چلتے چلتے، حضور کی حرمت میں پہنچ گیا۔ اور عرض کرنے لگا۔ **السَّامِرُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ**۔

اعرابی یہ منظر دیکھ کر کہنے لگا۔ اچھا اب اسے کہیے۔ یہ پھر اپنی جگہ پر چلا جاسے۔ اور اسی طرح زمین میں گڑا کر کھڑا ہو جائے۔ چنانچہ حضور نے

اس درخت کو حکم دیا۔ تو وہ پلٹا ہوا پھر اپنی جگہ پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ اعرابی یہ معجزہ دیکھ کر فوراً مسلمان ہو گیا۔ (تجہ اللہ علی العالمین ص ۱۳)

مسلمانو! سوچو تو ایک درخت تو حضور کے اشارے پر آہٹا جاسے اور چلا بھی جاسے۔ مگر ایک وہ برائے نام انسان جو حضور کے حکم پر نہ

مسجد میں آتا ہے۔ اور نہ حضور کے روکنے پر منہیات سے رکتا ہے۔ بھلا ایسا انسان بھی انسان کہلانے کے لائق ہے؟ ہرگز نہیں۔ ایسے شخص کے لئے تو قرآن پاک کا یہ ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْبَشَرِ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَئِكَ كَانُوا لَكَ أَضَلُّ وَأُولَئِكَ هُمُ الْعَاقِلُونَ — (پل ۱۱)

اور بے شک ہم نے جہنم کے لئے پیدا کئے ہیں۔ بہت جن اور

آدمی وہ دل رکھتے ہیں جن میں سمجھ نہیں۔ اور وہ آنکھیں جن سے دیکھتے نہیں۔ اور وہ کان جن سے سنتے نہیں۔ وہ چوہا پویں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ۔ وہی غفلت میں پڑے ہیں۔“

کہا بیٹو! آنکھیں کھولو۔ اور عینا کا ارشاد دیکھو۔ کان کھولو اور اس کا ارشاد سنو اور اس غفلت کی زندگی کو ترک کرو۔ یاد رکھو۔ آج اگر آنکھیں بند رکھیں۔ تو کل پھر یہ سننا پڑے گا۔

لَقَدْ كُنْتُمْ فِي غَفْلَةٍ مِنْ هَذَا فَكَشَفْنَا عَنْكُمْ غِطَاءَكُمُ فَبَصُرْتُمُ الْيَوْمَ حَبِيدٌ۔ (پہلے ۱۶۷) بیشک تو اس سے غفلت میں تھا۔ تو ہم نے تجھ پر سے پردہ اٹھایا۔ تو آج تیری نگاہ تیز ہے۔“

اور یاد رکھو کل قیامت کے دن خداوند کریم نے ایک ایک بات کا سوال فرمانا ہے۔ اور ہمیں جواب دینا پڑے گا۔ یہ کان اللہ نے دیئے ہیں۔ قرآن و حدیث شری احکام اور نیک باتیں سننے کے لئے یہ آنکھیں ہمیں دی ہیں۔ نیک اور جائز چیزیں دیکھنے کے لئے۔ یہ عمر ہمیں دی ہے۔ تاکہ ہم اللہ و رسول کی رضا حاصل کریں۔ مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :-

حق چو فسرباید چه آوردی مرا
اندریں مہلت کہ من دادم ترا
عمر خود را در چپ پایاں بردہ
توست و قوت در چپ فانی کردہ
گوہر دیدہ کجا فرسوخا
پنج حس را در کجا پالودہ

سچے اللہ تعالیٰ کل قیامت کو پوچھے گا۔ کہ اے بندے! میں نے جو تجھے اتنی مہلت دی۔ تو اس مہلت میں تم میرے لئے کیا لائے ہو؟ اور بتاؤ کہ تم نے اپنی عمر کس شغل میں بسر کی اور اپنا زور و

زر کس بات میں لگایا۔ اور یہ آنکھوں کا موتی اور اسی طرح اپنی بیخ جس کو کہاں صرف کیا؟

بھائیو! سوچو! کہ ہم ان باتوں کا ہم کیا جواب دیں گے۔

میرے عزیزو! آج ہم میں کئی ایک ایسی رسمیں موجود ہیں۔ جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے۔

غیر شرعی رسمیں

مگر افسوس! کہ ہم مسلمان کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی ان کو نہیں چھوڑتے۔ شادیوں میں۔ غموں میں، ہزاروں رسمیں بڑی بڑی ایسی کہ جن کے کرنے سے ایمان بھی جاتا رہے۔ یا نقصان میں آجائے۔ کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ باجے گاجے ڈھولک تماشنا۔ لڑکیوں کا گانا۔ اور برات آنے پر چھتوں پر

چمڑھ کر کئی طرح کے بکواس آمیز گانے گانا وغیرہ وغیرہ۔ سب وہ باتیں ہیں۔ جن سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ مگر ہم ہیں کہ رکھتے ہی نہیں۔ مسلمانو! خوب یاد رکھو! اگر خدا کو راضی کرنا

چاہتے ہو۔ تو ہر معاملہ میں اس کے رسول کا اتباع کرو۔ اگرچہ تم سے سارا جہان ناراض ہو جائے۔ جہان ناراض ہوتا ہے تو ہونے دو۔ مگر رسول کریم کو ناراض مت کرو۔ یا برادری کو رکھو یا اپنے رسول کو رکھو۔ بھائیو! مگر اتنی بات یاد رکھنا۔ کہ اگر برادری ناراض ہو گئی، تو کچھ نہیں بگڑے گا۔ اور اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے۔ تو کچھ نہیں رہے گا۔ خوب یاد رکھو۔ جب تک تم اپنے ہر معاملہ میں بیخ و شرا میں۔ حرکت و سکون میں۔ شادی و غم وغیرہ میں حضور کی فرمانبرداری کا خیال نہ رکھو گے۔ تب تک تم کبھی بیخ معنوں میں مسلمان ہرگز نہیں بن سکتے۔ ویسے نام کے مسلمان ہو تو ہو۔ مگر کام کے مسلمان ہرگز نہیں!

مولانا بروی علیہ الرحمۃ نے ایک لطیفہ لکھا ہے۔ کہ ایک شخص

لطیفہ

نے بہت بڑا عمامہ باندھ رکھا تھا۔ ایک چور نے دیکھا۔ تو اس نے سوچا۔ کہ اگر یہ عمامہ لاپتہ آجائے۔ تو گھر بھر کے لئے ملل کی تمیضیں تیار ہو جائیں گی۔ چنانچہ اس نے جھپٹ کر اس کا نامہ اتار لیا۔ اور دوڑا۔

عمامہ کے مالک نے چور کو آواز دی کہ میاں چور! تم عمامہ کی ظاہری
شکل پر بھول گئے۔ ذرا ایسے کھول کر تو دیکھو۔ اس کے اندر کیا ہے؟

کھول کر تو دیکھ اس کا کیا ہے حال

پھر بھی تولے جاٹے تو تجھ کو حلال

اس کو کھولا بھاگتے رہیں گے

دھبیاں اور چھپتے گرنے لگے

ہاتھ میں آخر کو اس کے رہ گیا

آٹا پرانا پارچہ کھراب کا

بچے چور نے کھول کر دیکھا۔ تو اوپر ایک ہی بیج لہلہ کا تھا۔ اللہ

سب چھپتے بھرے تھے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ اسی طرح آجکل کے بے

عمل مسلمانوں کا اسلام ہے۔ کہ اوپر کلمہ کا ایک ہی بیج ہے۔ اور اللہ

سب وہی کفریہ رسموں کے چھپتے بھرے ہیں۔

از برون طعنہ زوی بر با یزید

وز درونت تنگ سے دارو یزید

"باہر سے تو ایسے کہ حضرت با یزید سے بھی اچھے اور اللہ

سے ایسے کہ یزید سے بھی برے"

۔ خداوند تعالیٰ اللہ اور باہر سے ہیں پورا مسلمان

بننے کی توفیق دے! آمین!

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

دستوان وعظ

خدا کی بندگی

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ وَالصَّلَاةُ
وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ ۝

اَمَّا بَعْدُ

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ

إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝

اور میں نے جن اور آدمی اسی لئے ہی بنائے کہ
میری بندگی کریں

حضرات!۔۔۔ آج کے میرے وعظ کا عنوان ہے "خدا کی بندگی" اس کے
متعلق کچھ عرض کرنے سے پہلے چند تہمید ہی کلمات سن لیجئے۔۔۔
یہ واقعہ حقیقت ہے کہ خداوند کریم نے بنیائیں کوئی چیز بیکار و
غیر مفید پیدا نہیں فرمائی۔ ہر چیز کی پیدائش میں یقیناً کوئی نہ کوئی حکمت

مضمر ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہماری سمجھ میں وہ حکمت نہ آئے۔ چنانچہ حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ نے کیمیائے سعادت میں لکھا ہے۔ کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیوار پر ایک چھپکلی کو دیکھا۔ تو اللہ سے سوال کیا۔ الہی! تو نے چھپکلی کو کیوں پیدا فرمایا؟ خدا نے اس کے جواب میں فرمایا اے موسیٰ۔ یہی سوال تجھ سے قبل چھپکلی بھی کر چکی ہے۔ کہ الہی! تو نے موسیٰ کو کیوں پیدا فرمایا؟ اور اے موسیٰ! میں نے کوئی چیز بیکار پیدا نہیں فرمائی۔ میرے بزرگو! معلوم ہوا کہ اللہ نے کوئی چیز بے کار پیدا نہیں فرمائی۔ ہر چیز اپنی اپنی جگہ کار آمد ہے۔ اور کسی نہ کسی حکمت پر مبنی پیدا فرمائی گئی ہے۔ **فِعَلُ الْحٰكِمِ لَا يَخْلُو عَنِ الْحِكْمَةِ**۔ حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

اور پھر یہ بھی حقیقت ہے۔ کہ خدا نے ہر چیز کو **سب کچھ انسان کیلئے** انسان کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ اور ہر شے کسی نہ کسی حیثیت سے انسان کی خادم نظر آتی ہے۔

چنانچہ یہ ہوا ہی دیکھ لیجئے۔ اگر یہ نہ ہو۔ تو انسان کا دم ہوا ہو جلتے **ہوا** زندگی محال اور جینا دشوار ہو جاتے۔ اور کئی امور جو ہوا سے تعلق رکھتے ہیں۔ سب رک جائیں۔ اور انسان کے لئے نقصان واقع ہو۔ تو معلوم ہوا کہ ہوا انسان کی خادم ہے۔ اور انسان کیلئے پیدا فرمائی گئی ہے۔

پانی کو بھی دیکھئے۔ اگر پانی نہ ہو۔ تو ہماری پیاس کیسے سمجھے۔ کپڑے **پانی** کیسے دھلیں۔ لسی۔ چائے۔ شربت و دیگر مشروبات کیسے تیار ہوں؟ آپ کی کھیتوں کو سیراب کون کرے؟ آپ کا کھانا کھلانا۔ پینا پلانا۔ نہانا دھونا۔ اور اسی طرح متعدد کام جو متعلق بالماء ہیں۔ سب ہی کے سب رک جائیں۔ اور انسان کو بے حد نقصان کا سامنا ہو۔ کیا یہ حقیقت نہیں؟

آگ کی طرف آئیے۔ دیکھ لیجئے۔ یہ بھی آپ ہی کی خادم ہے۔ آپ **آگ** کا کھانا پکاتی ہے۔ آپ کے لئے چائے تیار کرتی ہے۔ سرد پور

ہیں آپ کے کمرے اور آپ کا بدن گرم کرتی ہے۔ وَقِیْنِ عَلَیْ ذٰلِكَ — اگر آگ نہ ہو۔ تو انسان کے کئی کام رک جائیں۔

مٹی | مٹی بھی انسان کی خادم ہے۔ ہمارے مکانوں کو سر پر لٹے کھڑی رہنے والی زمین اگر نہ ہو۔ تو آپ کا چلنا پھرنا۔ اکٹھنا بیٹھنا سب ختم ہو جائے۔ آپ کی کھیتیاں۔ باغات وغیرہ نابود ہو جائیں۔ یہ بارونق شہر اور سیرگاہیں اسی مٹی کی بدولت ہیں۔ یہ نہ ہو۔ تو آدھا جہان ختم ہو جائے۔

اسی طرح چاند، سورج، ستارے، جمادات، نباتات، حیوانات وغیرہ غرضیکہ دنیا کی ہر چیز انسان کے لئے ہے۔ اور انسان ان سب سے اعلیٰ اثرنا اور ان سب کا مطاع ہے۔

انسان کیلئے سب
اوقا
انسان کس لئے؟

حضرات! جب آپ یہ معلوم کر چکے کہ انسان کے لئے سب کچھ ہے۔ تو اب اس کے برعکس دیکھئے کہ انسان کیا ان چیزوں کے لئے پیدا کیا گیا ہے؟ — بنظر غور دیکھنے سے جواب ”نہیں“

کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا۔ اور وہ اس طرح کہ آپ مان چکے کہ اگر ہوا نہ ہو۔ تو انسان کا نقصان ہے۔ مگر خود ہی سوچئے۔ کہ اگر انسان نہ ہو۔ تو کیا ہوا کا بھی کوئی نقصان ہے؟ ہرگز نہیں۔ انسان نہ ہو تو ہوا کا کچھ بھی نقصان نہیں۔ اسی طرح پانی اگر نہ ہو۔ تو انسان کا نقصان۔ اور اگر انسان نہ ہو۔ تو پانی کا کیا نقصان؟ یونہی آگ مٹی، یا چاند سورج وغیرہ ان میں سے اگر کوئی ایک چیز بھی نہ ہو۔ تو انسان کا نقصان ہے اور اگر انسان نہ ہو۔ تو ان میں سے کسی چیز کا کچھ نقصان نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ سب چیزیں انسان کے لئے ہیں۔ مگر انسان ان میں سے کسی کے لئے نہیں۔ پھر دیکھنا ہے۔ کہ انسان کس لئے پیدا کیا گیا۔ اس کے جواب میں اگر آپ کہیں کہ صاحب! انسان کو سونے کے لئے پیدا کیا گیا ہے کہ حضرت! انسان دنیا میں پہنچ کر سونے کی خدمت سرانجام دیا

کرے، اور دن رات سوپا کرے۔ تو ہم کہیں گے۔ اگر یہی بات تھی۔ تو اللہ تعالیٰ انسانوں کی جگہ خرگوش پیدا فرما دیتا۔ اس لئے کہ خرگوش کی نیند مشہور ہے۔ کہ وہ بہت سوتا ہے۔ پھر انسان کیوں پیدا کیا گیا؟ سوال تا حال باقی ہے۔ اگر آپ کہیں کہ اسے کھانے پینے یا خواہشات کی تکمیل کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ تو ہم کہیں گے۔ کہ کھانے پینے میں انسان سے زیادہ چوپائے ہیں۔ کہ کئی انسانوں کی غذا کی مقدار میں ایک ہی چوپایہ کھا جاتا ہے۔ اور خواہشات کی تکمیل کے لئے حیوانات کافی تھے۔ ڈارون کی کھیوری کے مطابق ڈارون کی اصل بندر ہے۔ اور بندر خواہشات نفسانیہ کے پورا کرنے میں کچھ کوتاہی نہیں کرتا۔ پھر انسان کی جگہ انہیں حیوانات کو کیوں پیدا نہ فرمایا گیا؟

میرے بھائیو! اس سوال کے جواب میں نئی تہذیب

نئی تہذیب کا جواب

کا جواب تو یہی ہے۔ جس کا اوپر ذکر ہوا۔ کہ انسان سونے اور کھانے پینے اور خواہشات کی تکمیل کے لئے ہی پیدا ہوا ہے۔ مختصر لفظوں میں نئی تہذیب کا جواب یہ ہے۔ کہ انسان آیا ہے کھانے پینے کے لئے۔ اور کھانا پینا ہے اس کا جینے کے لئے، اور جینا ہے پھر کھانے پینے ہی کے لئے۔

مگر قرآن کا جواب وہ ہے۔ جس کا ذکر ابتدائے مضمون

قرآن کا جواب

میں ہو چکا۔ اور جو آیت زیب دہ مضمون ہے۔ اور جس کا ذکر میں اپنے ان اشعار میں لکھ چکا ہوں کہ

جا در پیدا ہوتے تیری وفا کے واسطے
چاند سورج اور ستارے ہیں ضیا کے واسطے
کھیتیاں سرسبز ہیں تیری غذا کے واسطے
سب جہاں تیرے لئے اور تو خدا کے واسطے

مقصود یہ کہ کھانا پینا اگر زندگی کے لئے ہے تو زندگی خدا کی بندگی کے لئے ہے اور

زندگی بے بندگی شرمندگی
زندگی با بندگی تابندگی

اشرف المخلوقات انسان کو ذرا اپنے خالق و مالک اور رازق کی مہربانیوں کا خیال کرنا چاہیے۔ ذرا سوچیے تو حضرات اچھے ماں کے پیٹ میں ہے۔ اور رازق اسے وہیں رزق دے رہا ہے۔ اور دنیا میں آنے سے پہلے ہی خدا نے اس کے لئے دو دودھ کی نہریں ماں کی چھاتی میں جاری کر دیں۔ پھر پیدائش کے بعد اُسے ماں کی گود اور باپ کی آغوش عطا فرمائی۔ ذرا بڑا ہوا۔ تو سائیکل، ٹائیکے، گھوڑے۔ اور پھر جو اور ترقی کر لی تو موٹریں، لاریاں، بحری جہاز اس کے لئے بھیجا فرما دیئے۔ حتیٰ کہ مرنے کے بعد بھی خدا نے اس کی یوں قدر فرمائی۔ کہ میرا بندہ عمر بھر سوار یوں پر سوار ہی رہا۔ اب مرنے کے بعد اسے قبرستان تک بھی چار آدمیوں کے کندھوں پر سوار کر کے ہی لایا جائے۔ چنانچہ سوار ہی گیا۔ اور دفن ہوا۔ افسوس عد افسوس کہ ایسے محسن حقیقی و ربّ منعم کو بھلا دیا جائے؛ یاد رکھئے!

اڑاؤ عیشیں کرد، نشر تین بہستا پھو لو!
پھر و جہاز میں موٹر کی گود میں جھولو!
اڑو بلندی پر اتنا فلکس کو بھی پھو لو!
خدا کے واسطے بسیکن خدا کو دستا کھو لو!

جوتے لے کیا کہا ایک بزرگس کا جوتا پرانا ہو گیا۔ انہوں نے اسے اتار کر پھینکا دیا۔ اللہ والوں سے ہر چیز بات کر

لیتی ہے۔ چنانچہ جوتا بولا۔ اور ان سے کہنے لگا۔ جناب آپ نے مجھے کیوں اتار کر پھینک دیا؟ وہ بولے۔ کہ واہ صاحب واہ! ایک ذلیل و حقیر شے ہو کر تجھ سے خطاب؛ خاموش رہا ہے جوتے! جوتا بولا۔ ذرا سنئے حضور! میں اگر ذلیل بھی ہوا۔ تو اس لئے، کہ آپ کا جوتا ہوں۔ اگر آپ کے استاء یا پیر و مرشد کا جوتا ہوتا۔ تو قبلہ آپ مجھسی کو سر پر اٹھاتے۔ آنکھوں سے لگاتے۔ تو یہ حقارت و

ذلت بھی تو مجھ میں آپ ہی کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ یہ طعنہ سن کر اس بزرگ کی ندامت کا ٹھکانا نہ رہا۔ بولے اچھا۔ بولو! کیا کہنا چاہتے ہو؟ جوتا بولا۔ صرف اتنی بات کہ آپ نے جس مقصد کے لئے مجھے خریدا۔ میں نے وہ مقصد آپ کا پورا کیا۔ آپ کا پیر اگر ٹیڑھا ہوا۔ میں نے آپ کے پیر کی خاطر اپنے آپ کو ٹیڑھا کر لیا۔ آپ کانٹوں میں گئے۔ میں نے خود کانٹے کھائے۔ مگر آپ کے پیر کو بچایا۔ نجاست میں گئے۔ خود نجاست میں لٹھڑا۔ مگر آپ کے پیر کو نجاست سے بچایا۔ ذرا آپ بھی غور کیجئے کہ کیا جس مقصد کے لئے آپ پیدا کئے گئے۔ کیا آپ نے بھی وہ مقصد پورا کیا؟ اگر کیا تو بہتر۔ ورنہ آپ سے تو میں ہی اچھا رہا۔ یہ سن کر اس بزرگ کی چیخ نکل گئی۔

حضرات! اس حکایت سے نتیجہ یہ نکلا کہ انسان اگر عبادت الہی سے غافل ہے۔ تو ایسا شخص ایک جوتے سے بھی بدتر ہے۔ یاد رکھئے! ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ اور انسانیت نام ہی خدا کی عبادت کا ہے۔ عبادت سے جو غافل ہے۔ وہ برائے نام انسان ہے اور اولیائے کمال انعام بل ہمد اצל کا مصداق۔

مشین کا پرزہ | دیکھئے! کسی مشین کا پرزہ جب تک وہ اپنی جگہ پر رہ کر وہ کام دیتا رہے۔ جس کام کے لئے وہ بنایا گیا ہے۔ تو وہ اپنی حیثیت قائم رکھیگا۔ بہت بڑی قیمت پائیگا۔ مالک کی نظر میں اس کی قدر و وقعت ہوگی۔ مگر جب کہ وہ اپنی جگہ پر پورا ہی نہ آئے۔ اور جس کام کے لئے اسے بنایا گیا ہے۔ وہ کام ہی نہ دے سکے۔ تو آپ جانتے ہیں۔ اس پرزہ کا کیا حشر ہوتا ہے۔ مالک کی نظروں میں اس کی کوئی وقعت باقی نہیں رہ جاتی وہ اسے چاہے دو چار سو کا ہی کیوں نہ ہو۔ چار روپیہ پر بھی کباروں کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔ اور یا پھر بوہنی پھینک دیتا ہے۔ سمجھے آپ؟ یہ اس قیمتی پرزے کی اہمیت کم کیوں ہو گئی؟ اتنا بڑا قیمتی پرزہ اتنا سستا کیوں ہو گیا؟ محض اس لئے کہ اس نے اپنا مقصد پورا کرنے سے

جواب دے دیا۔ تو اسی طرح یاد رکھئے۔ حضرات! جب تک مسلمان اپنے مقصد حیات کو نہیں بھولا۔ عبادتِ الہی میں سرگرم رہا۔ اس وقت تک خدا نے بھی اس کی عزت و شرافت، بلندی و عظمت برقرار رکھی۔ اس نے جس میدان میں ایک قدم بھی اٹھایا۔ خدا نے اس کے ایک قدم اٹھانے کی قیمت میں بڑے بڑے مالک اس کے زیر قدم کر دیئے۔ اس نے اپنی گردن خدا کے آگے جھکا دی۔ خدا نے بڑے بڑے سرکش شہنشاہوں کو اس کے آگے جھکا دیا۔ وہ یادِ الہی میں روتا رہا۔ اپنے دل میں یادِ حق کو راہ دی۔ خدا نے خشک پہاڑوں سے اس کے لئے چشمے بہا دیئے۔ اور سمندروں میں اس کے لئے راہ پیدا فرما دی۔ ایسے ہی مسلمانوں کے لئے شاء لکھنا ہے۔

مسلمان وہ مسلمان تھے کہ میدان میں نکل آئے
تو کسریٰ اور اس کے ساتھ قبیر کو کچل آئے
جہاں پہنچے زمین کو آسماں سے کر دیا او نچا
جہاں ٹھہرے درو دیوار کا نقشہ بدل آئے
سمندر میں بھی ان کی دوڑ کی راہیں نکل آئیں
پہاڑوں پر بھی ان کے فیض کے چشمے ابل آئے

مگر آج مسلمان اپنے مقصد کو بھول چکا۔ غور تو فرمائیے۔ مسلمان عبادت کے لئے ہے۔ مگر مسجد میں اس کا دل نہیں لگتا۔ گویا یہ ایک ایسا پرزہ ہے جو اپنی جگہ پر فٹ ہی نہیں بیٹھتا۔ اور جس کام کے لئے بنایا گیا ہے۔ وہ کام ہی نہیں دیتا۔ حالانکہ اسے عبادتِ الہی کے مقام پر خوب روانی سے چلنا چاہیے تھا۔ مگر افسوس کہ نئی تہذیب کی رگڑ نے اس پرزہ کے اسلامی دندانے توڑ پھوڑ کے رکھ دیئے۔ اور اسے گھسا و سا کر مقاماتِ عبادت کے لئے رہنے ہی نہ دیا۔ اب یہ پرزہ بجائے مسجد کے سینما میں فٹ بیٹھتا ہے۔ بجائے کعبہ کے لندن کے چکر کاٹتا ہے۔ اور بجائے اسلام کے کفر کے گرد گھومتا ہے۔ اسی حالت کا نقشہ اکبر الہ آبادی نے ان اشعار میں کھینچا ہے۔

بتوں سے میں خدا پر نشتر یہ خوب کہی
شب گناہ و نماز سحر یہ خوب کہی
فٹن نفیس سڑک خوشنما ڈنر ہر شب
یہ لطف چھوڑ کے حج کا سفر یہ خوب کہی

اور اس حالت کا جو نتیجہ نکل سکتا ہے۔ وہ نکلا اور ہم خدا کی نظروں
سے گر گئے۔ ہماری کوئی قدر و قیمت نہ رہی۔ کورٹیوں کے مول مکنے لگے
ہمارا کوئی پرسانِ حال نہ رہا۔ اور یہ سب اپنی ہی شامتِ اعمال کا نتیجہ
ہے۔ آیتے ہم پھر سچے مسلمان بن جائیں۔ خدا کی عبادت میں سرگرم
ہو جائیں۔ ہر حال میں اُسے نہ بھولیں، پھر دیکھئے۔

یادِ او گر مونسِ جاننا بود!

ہر دو عالم زیرِ فرماننا بود!

میرے بھائیو! جب یہ معلوم ہوا۔ کہ انسان کو عبادت کے لئے
پیدا فرمایا گیا ہے۔ اور خدا کی بندگی اس کی ڈیوٹی ہے۔ تو

ایک مثال

جو شخص اپنے اس فرض کو نہ پہچانے اور اپنی ڈیوٹی سے غافل رہے۔
اس کا جو ہولناک انجام ہو سکتا ہے۔ اس کی تشریح کے لئے یہ مثال
ملاحظہ فرمائیے۔

ایک آدمی ایک بچھڑا خریدتا ہے۔ مقصد اس کا یہ ہے۔ کہ یہ بڑا ہوگا
تو اس سے میں ہل جو تنے کا کام لوں گا۔ اسی خیال سے وہ اسکی خوب
خاطر کرتا ہے۔ اُسے کھلاتا پلاتا ہے۔ اور اس کی ہر ضرورت کو پورا کرتا ہے
مگر وہ بچھڑا خوب جوان ہوا۔ اور مالک نے اُسے ہل پر جوتنا چلا۔ تو
اس بچھڑے نے جو اب بیل بن چکا ہے۔ ہل کے آگے جتنے سے انکار
کر دیا۔ اور مالک کی خدمت سے منہ پھیر لیا۔ تو فرمائیے۔ اس کا مالک اس
کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ سب جانتے ہیں۔ کہ ایسے نیکے بیل کو اس کا
مالک قصباتوں کے حوالے کر دے گا۔ جو اس کی گردن پر چھری پھیر دینگے
بلا تشبیہ خوب یاد رکھیے۔ کہ وہ انسان جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔

اور اس کو خوب کھلایا پلایا۔ اور اس کی ہر ضرورت کو پورا فرمایا۔ اور پھر اس کے ذمہ یہ خدمت لگائی۔ کہ تم میری بندگی کرو۔ تو اب جو شخص اس کی بندگی سے انکار کر دے۔ تو فرمائیے۔ وہ مالک حقیقی ایسے شخص پر کب راضی ہوگا؟

میرے بھائیو! ایسے شخص کے لئے بھی اللہ نے ایک گھر مقرر فرمایا ہے جسے دوزخ کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ایسے شخص کو دوزخ کے حوالہ کر دیگا۔ اور اسے اپنے کئے کی واپس لے لیا جائے گی۔

میرے دوستو! خدا کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔ اس کے عذاب سے پناہ مانگو۔ مگر انہوں نے بعض ناعاقبتانہ مشا

اس موقع پر کہہ دیتے ہیں۔ کہ خدا جہاں چاہے۔ ہمیں بھیج دے۔ ہم خوش ہیں۔ تو یہ! تو یہ! میرے عزیزو! اتنی دلیری نہ کرنی چاہیے۔ اس کے عذاب سے ہر وقت ڈرنا چاہیے۔ اور کوئی ایسا کام نہ کرنا چاہیے۔ جو ظہار سے لے کر عذاب ہو۔ خدا کے عذاب کی ہم میں پہل پھر کے لئے بھی قوت برداشت نہیں ہے۔ پھر کس قدر حیرت کا مقام ہے۔ کہ ہم گویا اس کے عذاب کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ اور یوں کہہ دیتے ہیں۔ کہ بھیج لے وہ ہمیں جہاں چاہے۔ استغفر اللہ العظیم!

اگر چھوٹے لڑکے کا خوف ہم تو اس بچے سے بھی گئے گزرتا جو اللہ کے عذاب کی ہیبت سے رو رہا تھا۔ حضرت

بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ ایک بار شہر سے باہر نکلے۔ تو آپ نے دیکھا۔ ایک چھوٹی ٹمرا لڑکا باہر جنگل میں بیٹھا رو رہا ہے۔ حضرت نے اس سے دریافت فرمایا۔ بچے کیوں رو رہے ہو؟ وہ بولا۔ حضور! میں خدا کے عذاب کے ڈر سے رو رہا ہوں۔ فرمایا۔ وہ کیا خوف ہے تمہیں؟

وہ بولا۔ آج معلم نے مجھے قرآن کی یہ آیت پڑھائی ہے۔
فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُهِيَ لَكُمْ وَآتُوا النَّاسَ وَالْجِبَارَةَ۔ اس آگ سے
ڈرو۔ جس کا اندھن انسان اور پتھر ہیں۔

اس آیت میں اللہ نے انسانوں کو بھی دوزخ کا ایندھن بتایا ہے۔
 تو حضور مجھے ڈر اس بات کا ہے۔ کہ میں اپنی ماں کو دیکھتا ہوں جب
 وہ چولہے میں آگ جلاتی ہے۔ تو موٹی موٹی لکڑیاں چولہے میں رکھتی ہے۔
 اور اگر ان موٹی موٹی لکڑیوں کو آگ نہ لگے۔ تو ان کے نیچے چھوٹی
 چھوٹی لکڑیاں رکھ دیتی ہے۔ تاکہ ان چھوٹی لکڑیوں کے ذریعہ ان بڑی
 لکڑیوں کو آگ لگ جائے۔ تو میں اس لئے رو رہا ہوں۔ کہ دوزخ میں
 اگر اللہ نے بڑے بڑے کافر ڈالے۔ اور ان کو آگ نہ لگی۔ تو کہیں اللہ
 تعالیٰ میرے جیسے چھوٹے چھوٹے لڑکوں کو دوزخ میں نہ ڈالے۔“

یہ سن کر حضرت باذریذ بہت روتے اور فرمایا۔ بیٹیا! تمہاری اس
 عاقبت اندیشی کا کیا کہنا۔ انشاء اللہ تم عذاب الہی سے محفوظ رہو گے۔
 میرے بھائیو! دیکھو اس چھوٹی عمر کے لڑکے کا خوفِ حق، اور ایک
 ہم ہیں۔ کہ کچھ پرواہ ہی نہیں، اس کا رونا دیکھو کہ اللہ کے عذاب کے
 ڈر سے وہ رویا۔ اور سوچو کہ کیا کبھی ہم بھی خدا کے ڈر سے روئے ہیں؟

مولانا رومی علیہ الرحمۃ پھر ارشاد فرماتے ہیں۔

چوں خدا خواہد کہ ما یاری کند
 میل مارا جانبِ زاری کند

جب خدا ہماری مدد فرمانا چاہتا ہے۔ اور ہم پر رحم فرمانا چاہتا ہے۔
 تو ہمارا میدان رونے کی طرف کر دیتا ہے۔ یعنی بندہ جب خدا سے ڈر کر
 روتا ہے۔ تو اللہ کی اس رحمت نازل ہونے لگتی ہے۔

لے خاکِ چشمے کہ آن گریانِ اوست

دے ہمایوں دل کہ دے بریانِ اوست

ہر کجا آبِ رواں سبزہ بود

ہر کجا اشکے رواں رحمت بود

جہاں پانی جاری ہوتا ہے۔ وہاں پھول اور سبزہ آگتا ہے۔ اور جہاں

آنسو بہتے وہاں اللہ کی رحمت برتی ہے۔

میرے بھائیو! غور کرو اور اللہ کے عذاب سے ڈرو۔ خدا کا عذاب بڑا زبردست اور ایسا ہے۔ کہ اُسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اللہ کے بندے وہ ہیں جو اللہ سے ڈریں اور اس کے اُگے جھک جائیں۔ دیکھئے ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے قرآن کی یہ آیت سنی۔

اِنَّ عَذَابَ ذٰلِكَ لَوَاقِعٌ مَّا لَهُ مِنْ دَافِعٍ -

فاروق اعظم کا خوف آپ گھوڑے پر سوار تھے۔ قاری سے یہ آیت سنتے ہی خدا کے خوف سے غش کھا کر سواری سے گر گئے۔

لوگ آپ کو اٹھا کر گم لے گئے۔ اور بڑی دیر کے بعد جب آپ ہوش میں آئے تو رونے لگے۔ اسی طرح اللہ والے اس قسم کی آیات سنتے ہی اس قدر متاثر ہوتے کہ رونے لگتے تھے۔ اور خدا سے پناہ مانگنے لگتے تھے۔

دوستو! یہ قرآن پاک کی تاثیر ہے۔ کہ یہ دلوں میں اثر جاتا ہے اور اپنا اثر دکھانے لگتا ہے۔ خدا نے قرآن میں اپنی کتاب کے لئے فرمایا ہے۔ کہ اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل فرمائے۔ (لَمَّا آتَيْنَا حَاشِعًا مُّتَمِّبًا مَّا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ) تو تم پہاڑ کو دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے پھٹ جاتا۔

اس موقع پر ایک لطیفہ مجھے یاد آگیا۔ کہتے ہیں۔ ایک انگریز کسی شہر کی ایک مسجد میں جا پہنچا۔ وہ مسجد بڑی شکستہ تھی۔ اور جگہ جگہ سے اس کی دیواریں پھٹی ہوئی تھیں۔ انگریز نے نمازیوں سے کہا۔ کہ تم لوگ ہمارا گرجا دیکھو۔ تو حیران رہ جاؤ۔ بڑی مضبوط عمارت، اور پختہ دیواریں ہوتی ہیں۔ مگر تمہاری مسجد کا یہ حال ہے۔ کہ شکستہ اور جگہ جگہ سے دیواریں پھٹ رہی ہیں۔ ایک نمازی نے جواب دیا۔ صاحب! ہماری کتاب قرآن کی یہ شان ہے کہ وہ اگر کسی پہاڑ پر نازل ہوتا۔ تو وہ پہاڑ پھٹ جاتا۔ تو اس مسجد میں چونکہ وہی قرآن پڑھا جاتا ہے۔ اس لئے اس کی دیواریں اس کی تاثیر سے پھٹ گئی ہیں۔ تمہاری موجودہ انجیل میں اتنی طاقت کہاں؟ کہ وہ گرجا کی دیواریں پھاڑ سکے۔

بہر حال اگرچہ یہ ایک لطیفہ ہے۔ مگر حقیقت یہی ہے۔ کہ قرآن پاک، بڑی طاقت کا مالک ہے۔ مگر افسوس کہ آجکل کے ہمارے دل پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت ہو چکے ہیں۔ کہ ہم پر تخیلی تعذیب کا اثر ہی نہیں ہوتا۔

میرے بھائیوں اس پرفتن زمانے میں ہمارے اعمال کچھ ایسے ہو چکے ہیں۔ کہ ان کی شامت سے آئے دن ہم پر اللہ کے عذاب پر عذاب آنے لگے ہیں۔ آپ اخبارات کا مطالعہ کیجئے۔ کہیں زلزلے آرہے ہیں۔ کہیں پانی اپنی تیزی و افراط سے ہمیں برباد کر رہا ہے۔ یہ سب کچھ ہمارے اپنے ہی اعمال کی شامت ہے۔

جب میں کہتا ہوں کہ یا اللہ مرا احوال دیکھ

حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامہ اعمال دیکھ

دوستو! خدا کسی پر ظلم نہیں فرماتا۔ وہ عادل ہے۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے۔ ہمارے اپنے کئے کا پھل ہے۔ گذشتہ دنوں جو ہولناک سیلاب آیا ہے۔ سب یہ کہتے ہیں۔ کہ اس قسم کا سیلاب کبھی نہیں آیا تھا۔ مگر یہ بھی سوچا۔ کہ جو کچھ ہم اب کرنے لگے ہیں۔ ایسا کبھی نہ ہوا تھا۔ یہ دغا، مکر و فریب، جھوٹ، بلیک، رشوت، شراب اور زنا کس بات کو آج اختیار نہیں کر لیا گیا۔ نالج گھر اور سینما ٹھیٹر آباد ہو رہے ہیں۔ بے حیائی و بے دینی کو ایک مستقل مشغلہ بنا لیا گیا ہے۔ خدا سے منہ موڑ کر شیطان سے رشتہ جوڑ لیا گیا ہے۔ دین و مذہب سے بیزاری عام ہے۔ بے ایمانی و بے غرتی سے ہی کام ہے۔ اپنے فلسفے اور اپنی عقل — و سائنس پر اعتماد ہے۔ خدا پر نظر ہی نہیں۔ وہ جو پنجابی ہیں کہتے ہیں تاکہ ”رہا ٹیڑھے کہ گھسن“ یعنی رہا نزدیک ہے یا گھونسا؛ تو روش حال کے مد نظر اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے۔ کہ گھونسا نزدیک ہے گویا موجودہ تمدن زمانہ بس گھونسنے ہی کو مانتا ہے۔ تو اس بات کے پیش نظر میں تو یہ کہتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ بھی اب اپنے عذاب کے گھونسنوں

سے ہمیں منتبہ فرمانے لگا ہے۔ اور اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ ایک سیلاب بھی ہے۔ سیلاب کیا ہے۔ پانی کی ایک زبردست زوہے۔ جو ہمیں غرق کرنے کے لئے آتی ہے۔ اور پانی کیا ہے؛ یہ ہمارا نوکر ہے۔ جو ہمارے ہاتھ پیروں کی میل دور کرتا ہے۔ ہمارے کپڑے دھوتا ہے۔ ہماری غلاظتوں کو دھوتا ہے۔ مگر جب کوئی لڑکا نالائق نکلتے۔ تو بعض اوقات باپ اپنے نالائق بیٹے کو لوکروں سے پھرانے لگا ہے۔ میرے بھائیو! اللہ اب ہم نالائقوں کو ہمارے ہی لوکروں سے پھرانے لگا ہے۔ یہ پانی گلاس میں آئے۔ تو ہم اسے پی لیں۔ مگر اب اللہ کا اسے یہ حکم ہے کہ اسے پانی تو ان نالائقوں کو پی جا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہو رہا ہے۔

اللہ کی فوج | آج اس مادی دور میں لوگوں کو اپنی دنیاوی طاقت و قوت پر بڑا ناز ہے۔ اور ہر حکومت اس بات پر فخر

کرتی ہے۔ کہ میرے پاس اتنی فوج ہے۔ اتنے ٹینک ہیں۔ اتنے بم ہیں۔ مگر یاد رکھیے۔ اس حکم الحاکمین کا اپنی فوج کے متعلق ارشاد ہے۔ مَا يَقْلَهُ جُودٌ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ۔ یعنی اللہ کے شکر کی تعداد اللہ ہی جانے۔ اسکا اتنا شکر اور اتنی فوج ہے کہ انسانی شمار میں آ ہی نہیں سکتی۔

پھر اور مکھیاں | آج کل نئی دنیا کو اس امر پر بڑا ناز ہے کہ ہم ہر ملک

کی آبادی کو جانتے ہیں۔ کہ اس ملک میں آدمی کتنے ہیں۔ اور ان میں سے مرد کتنے اور عورتیں کتنی ہیں۔ پھر کس کس مذہب کے اور کس کس تعداد میں ہیں۔ حتیٰ کہ امریکہ کے بعض شہروں میں گھوڑوں اور کتوں کا شمار بھی ہوتا ہے۔ مگر میں یہ کہتا ہوں۔ اگر اتنا ہی اپنے اس کارنامے پر ناز ہے۔ تو اسی طرح کبھی کسی ایک ملک کی مکھیاں بھی گن کر دکھاؤ۔ پھر بھی شمار کر کے بتاؤ۔ چلو سارے ملک کی نہ سہی کسی ایک شہر کی۔ شہر کی بھی نہ سہی صرف اپنے گھر ہی میں بتاؤ۔ کہ کتنی مکھیاں ہیں۔ اور کتنے پھر ہیں؛ یہ جب ٹڈی دل آ جاتا ہے۔ اس وقت بھی گن کر بتایا ہوتا۔ تو یہ مگر کیا کتنی تعداد میں آئی ہیں؟

مگر یہ کب ممکن ہے۔ یہ خدا کی فوج ہے۔ اسے اللہ ہی جانے کہ انکی تعداد کیا ہے۔ دیکھئے یہاں سارا علم رکھا رکھایا رہ گیا۔ سب فلسفے بیکار ہو گئے۔ اور اللہ کی کمزور مخلوق مکھی اور پھر نے انسانوں کو شکست دے دی۔

عاجز انسان | میرے بزرگو! اللہ نے انسان کو اختیار بھی دیتے ہیں۔ مگر ان اختیارات کے ساتھ ساتھ اس کا کمزور ٹوڑنے کے لئے

اسے اپنی کمزور ترین مخلوق کے سامنے عاجز بھی بنا دیا۔ دیکھئے ایک مغرور انسان مثلاً ایک پتوں لئے ہوئے جا رہا ہے۔ اس کے دائیں بائیں اس کے محافظ کچھ لوگ بڑی بڑی لاکھیاں بھی لئے ہوئے چل رہے ہیں۔ اب اس مغرور کے غرور کو اللہ نے خاک میں اس طرح ملایا۔ کہ اسکے ناک پر ایک مکھی آکر بیٹھتی ہے۔ وہ ہاتھ سے اسے اڑاتا ہے۔ وہ پھر آ بیٹھتی ہے یہ پھر اسے اڑاتا ہے۔ وہ پھر آ بیٹھتی ہے۔ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ مغرور انسان عاجز آ جاتا ہے۔ اور مکھی کو شکست نہیں دے سکتا اب اگر غصہ میں آکر وہ اپنے پتوں سے ناک پر بیٹھی ہوئی مکھی پر فائر کزتا ہے۔ تو مکھی تو اڑ جائے گی۔ مگر اس کی اپنی ہی ناک کی خیر نہیں اِدھر مکھی اڑی، اُدھر ناک اڑی اس کے محافظ اگر اپنی لاکھیوں سے مکھی پر دھاوا بول دیتے ہیں۔ تو مکھی کا تو کچھ نہ بگڑے گا۔ وہ آدمی ہی نہ بچے گا۔ گویا خدا نے اس قدر اختیار دیکر پھر اسے یوں متنبہ فرمایا۔ کہ دیکھ! غرور میں نہ آجانا۔ باوجود اتنے اختیارات کے تو اس قدر عاجز ہے۔ کہ ایک مکھی کے سامنے بھی بے بس ہے۔

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم | میرے بھائیو! معلوم ہوا۔ کہ مکھی اس لئے بھی پیدا فرمائی گئی ہے۔ کہ یہ مغرور انسان کا

غرور توڑے۔ اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں چونکہ غرور نہ تھا اس لئے حضور کے جسم اطہر پر مکھی بیٹھتی ہی نہ تھی۔

ہاں تو میرا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی فوج لا تعداد ہے اسے اللہ ہی جانے تو میرے بھائیو! یہ پانی اس لا تعداد فوج میں سے صرف ایک سپاہی بھیج دیا۔

اللہ کا ایک سپاہی

خدا نے اپنی ساری فوج میں سے صرف ایک سپاہی بھیج دیا۔ اور بھیجا بھی اس طرح کہ نہ تو اسے کوئی بم دیا نہ کوئی تلوار۔ بس تہتے سپاہی کو بھیج دیا۔ اور یہ سپاہی اس طرح آیا۔ کہ ہندوستان کی جملہ فوجیں حیران و پریشان رہ گئیں۔ یہ اللہ کا سپاہی جس طرف بھی گیا۔ فوجیں کی فوجیں بیکار ہو کر رہ گئیں۔ اور اس کا کچھ بگاڑ نہ سکیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّالَهُ مِنْ دَاخِعٍ — اللہ کے عذاب کو کوئی نہیں روک سکتا۔

ہندوستان کے سپاہی آجائیں تو بفضل اللہ پاکستان کا مردِ مجاہد ان کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ دشمن کا ہوائی جہاز آجائے تو پاکستان کی طیارہ شکن توپ اُسے گرا سکتی ہے۔ دشمن کا ٹینک آجائے تو برباد کیا جاسکتا ہے۔ مگر اللہ کا عذاب آجائے تو پھر کچھ نہیں ہو سکتا۔ سب سپاہی توپیں اور بم وغیرہ بیکار ہو کر رہ جاتے ہیں۔ فرمائیے۔ یہ پانی آیا ہے۔ تو اسکا ہم نے کیا بگاڑ لیا ہے۔ پانی کو لاشیاں مار کر دیکھیے۔ اسکا کیا بگڑتا ہے۔ بم پھینکیے، توپیں چلائیے۔ اپنا ہی نقصان ہے۔ اسکا کیا جانا ہے؟ یہ صرف اللہ کا ایک سپاہی ہے۔ جسکا مقابلہ ناممکن ہے۔ اور انسان باوجود اس قدر صنعتی ترقی اور مادی عروج کے پانی کے سامنے بے بس ہے

دلوار اور کیل

پانی کے سامنے تو کیا۔ دراصل یہ اللہ کا عذاب ہے۔ اور اللہ سے مقابلہ ناممکن ہے۔ عربی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ دلوار نے کیل سے کہا۔ **إِنَّ تَشَقُّقِي**؟ اے کیل! مجھے کیوں چھارتے ہو؟۔ تو کیل نے جواب دیا۔

سَلُّ مَنَّا يَدُ قَتِيٍّ — اس سے پوچھو جو میرے سر کو ہتھوڑے سے کوٹ

رہا ہے۔ یعنی میرا کیا ہے۔ میں تو بے بس ہوں۔ اسی طرح اس پانی کا کیا ہے۔ یہ تو وہی ہے۔ جو ہمارا نوکر ہے۔ رجوع ہمیں اس ہستی کی طرف کرنا چاہیے۔ جس کے قبضہ میں یہ پانی ہے۔ وہی اللہ دریاؤں کو

بصورت عذاب ہم پر مسلط کر رہا ہے۔ اور یہ سب کچھ اسی لئے ہے کہ ہم اس خالق و مالک کو فراموش کر چکے ہیں۔

اب یہی دیکھیے کہ اس قدر تباہی و بربادی کے بعد بھی ہم **غفلت** نہیں سمجھتے۔ وہی شرارتیں، وہی لہو و لعب، وہی حرکتیں اور

وہی غفلتیں ہیں۔ بجائے اس کے کہ ہم اپنی نافرمانیوں کو دیکھیں۔ کہہ یہ رہے ہیں کہ چونکہ جنگلوں کی کمی ہو گئی ہے۔ اور پانی کے جذب کرنے کو پتے باقی نہیں رہے۔ اس لئے سیلاب آنے لگے ہیں۔ لہذا ہماری حکومت کو جنگلوں کی طرف توجہ کرنا چاہیے۔ اور اسی طرح ہمارے فینشن ایبل افراد آئندہ کیلئے سیلاب کو روکنے کے مادی منصوبے تیار کر رہے ہیں۔ مگر

إِنَّا عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّا لَآءِ مِنْ دَافِعٍ۔ اللہ کے عذاب کو کوئی منصوبہ نہیں روک سکتا۔

ابن نوح علیہ السلام نے بھی سیلاب سے بچنے کا یہ منصوبہ تیار کیا تھا۔ کہ سَادَى اِلَى جَبَلٍ يَعْصِمُنِي مِنَ الْمَآءِ۔ یعنی میں پانی سے بچنے کے لئے جوہی پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا۔ تو حضرت نوح علیہ السلام نے جواب میں فرمایا تھا۔ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَجِمَ۔ یعنی اس دن اللہ کے عذاب سے کوئی منصوبہ نہ بچا سکے گا؛ ہاں جس پر اللہ رحم فرمائے۔

خوف میرے بھائیو! یہ مادی منصوبے بھی تیار کرو۔ مگر اصلی منصوبہ یہ ہے۔ کہ اللہ کو راضی کیا جائے۔ اور اس کے آگے جھکا جائے۔ اپنا رحم فرمائے تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ آؤ ہم کوشش کریں کہ خدا کے قہر و غضب کی آگ کو بجھا دیں اور اسکے رحم و کرم کو جوش میں لائیں۔

میرے بھائیو! خدا کے قہر و غضب کی آگ بڑی زبردست **ندامت** کے **انسو** ہے۔ یہ دنیا کی آگ جہنم کی آگ سے پناہ مانگتی ہے۔

اور جہنم کی آگ باویہ کی آگ سے پناہ مانگتی ہے۔ گویا خدا کے غضب کی آگ بڑی ہی زبردست آگ ہے۔ مگر آپ یہ سن کر حیران ہونگے۔ کہ جن قدر یہ زبردست ہے۔ اسی قدر اسکا بچھانا آسان بھی ہے۔ یہ

آگ سات سمندروں کے پانیوں سے نہیں بجھ سکتی۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ۵

إِنَّ دَمْعَةَ الْعَاصِي تَطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ - (نزہۃ المجالس)

گنہگار کے ندامت کے آنسو غضب الہی کی آگ کو بجھا دیتے ہیں۔
تو اسے میرے بھائیو! خدا کے عذابوں سے بچنے کے لئے اپنے گناہوں سے
بصدقِ دل توبہ کرنی چاہیے۔ اور اشکِ ندامت بہا کر اس کے غضب کی آگ
کو بجھا کر اس کی رحمت کو جوش میں لانا چاہیے۔ یہی وہ مفید کارگر منصوبہ
ہے۔ جس پر عمل پیرا ہو کر ہم عذابِ الہی سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

میرے بھائیو! یاد حق سے غفلت اور اپنی بد اعمالیوں
ایک نجومی کی حکایت کے سبب آج اس پانی کے عذاب کے علاوہ اور

دیگر قسم کے عذاب بھی ہم پر نازل ہو رہے ہیں۔ اور اسی صورتِ حالات سے
فائدہ اٹھا کر آجکل کے نجومی اور پیشگوئیاں کرنے والے خطی افراد آئندہ سے
متعلق مختلف قسم کی بھیانک اور ڈراؤنی پیشگوئیاں سنا کر دیتے ہیں اور
ضعیف الاعتقاد لوگ ان پر یقین کر کے پریشان ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ
اس قسم کی بیشتر پیشگوئیاں غلط ثابت ہوتی ہیں۔ چنانچہ اسی باب کی
ایک بہترین حکایت ہے۔ کہ ایک نجومی نے ایک بادشاہ کا ہاتھ دیکھ کر
اسے یہ کہہ کر ڈرایا۔ کہ آپ کی عمر صرف آٹھ دن باقی رہ گئی ہے۔ اور آپ آٹھ
دن کے بعد مر جائیں گے۔ بادشاہ یہ پیشگوئی سن کر کانپ اٹھا۔ اور بے حد
متاثر ہوا۔ حتیٰ کہ اسی وقت مرنے کے قریب ہو گیا۔ وزیر نے جو صورتِ دہی
تو نجومی سے کہنے لگا۔ کہ تم ذرا اپنا ہاتھ تو دیکھو۔ اور اپنی عمر کا تو حساب
لگاؤ۔ کہ تمہاری عمر کتنی باقی ہے؟ نجومی نے اپنا ہاتھ دیکھا اور بتایا۔ کہ
میں ابھی چالیس سال اور زندہ رہوں گا۔ وزیر نے یہ بات سن کر اسی
وقت تلوار نکالی۔ اور وہیں اس کا سر قلم کر دیا۔ اور پھر بادشاہ سے کہا۔
دیکھا آپ نے اس کی پیشگوئی کا حشر؟ کہ چالیس سال زندہ رہنے والا
ابھی ابھی آپ کے سامنے مر گیا۔ تو آپ کے متعلق بھی اسکی پیشگوئی

اسی قسم کی ہے۔ یعنی جس طرح اپنے متعلق اس کی پیشگوئی غلط نکلی ہے۔ اسی طرح آپ کے متعلق بھی اس کی پیشگوئی غلط ہی ہے۔ وزیر یا تدبیر کی حکمت کارگر ہوگئی، اور بادشاہ کا خوف و ہراس دور ہوگیا۔ اور اسکی حالت سنبھل گئی۔

میرے بزرگوار! اس میں شک نہیں کہ موجودہ دور اپنی غفلت اور بد اعمالیوں کی پاداش میں مختلف قسم کے عذابوں میں مبتلا ہے اور یہ نجومی اسی بات سے فائدہ اٹھا کر طرح طرح کی پیچیدہ پیشگوئیاں شائع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب کچھ ہمارے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہے۔ اور اگر ہمارا رنگ کروار یہی رہا۔ تو آئندہ بھی ممکن ہے کہ عذاب الہی بدستور نازل ہوتے رہیں۔ مگر بجائے اسکے کہ ہم کسی عذاب کی پیشگوئی کریں۔ اخباروں والے اُسے چھاپ دیں۔ اور ہم اس کا چرچا کرتے پھریں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم آئندہ کے لئے اپنی بد اعمالیوں سے سچے دل سے توبہ کریں۔ اور شرم و ندامت کے آنسوؤں سے اللہ کے غضب کی آگ بجھائیں۔ بھائیو! اگر ہم اس طریقے کو اپنا لیں۔ اور اپنے یقین و ایمان کی صحت کے بعد اپنے عمل و کردار کی درستگی کا عزم کر لیں۔ تو پھر دیکھئے۔ کہ ان عذابوں سے نجات ملتی ہے یا نہیں۔ اور جو جو عذاب آنے والے ہیں۔ وہ بھی ٹلتے ہیں یا نہیں خوب یاد رکھیئے۔ یہ دنیا کی آگ ستر ہزار بار جہنم کی آگ سے پناہ مانگتی ہے۔ اور جہنم کی آگ ستر ہزار مرتبہ طبقہ ہاویہ کی آگ سے پناہ مانگتی ہے۔ الامان و الحفیظ! تو غور فرمائیئے۔ کہ اللہ کے غضب کی آگ کس قدر تیز ہے۔ مگر ناکھوں درود و سلام رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ جنہوں نے اتنی بڑی تیز آگ کو بجھانے کا ایک سہل نسخہ ارشاد فرما دیا۔

فرمایا۔ — **إِنَّ دَمْعَةَ الْعَامِي تَطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ۔** گھنگار کے ندامت کے آنسو غضب الہی کی آگ کو بجھانے کا نسخہ ہے۔

دیکھا آپ نے اتنی بڑی زبردست آگ جو سارے سمندروں کے پانیوں

سے بھی نہ بچ سکے۔ گنہگار کے آنسوؤں سے بچ جاتی ہے۔ تو بھائیو! ان عذابوں سے بچنے کے لئے اللہ کی یاد اختیار کرو۔ اور غفلت و ناثرمانی کو چھوڑ دو!

قوم یونس علیہ السلام کا واقعہ قرآن پاک میں حضرت یونس علیہ السلام کی

قوم کا واقعہ مذکور ہے۔ کہ جب انکی بد اعمالیوں کے سبب ان پر عذاب اُتے لگا۔ اور انہوں نے دیکھا کہ آسمان پر سیاہ بادل اور ہیبناکٹ دھواں چھا گیا ہے۔ اور سارا شہر اس ہولناک دھوئیں میں گھر گیا ہے۔ تو وہ لوگ اپنی بیوی بچوں اور جانوروں سمیت جنگل میں نکل گئے۔ اور نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ بارگاہِ الہی میں جھک گئے۔ اور شرم و ندامت کے آنسوؤں سے توبہ و سلام کا اظہار کیا تو خدا فرماتا ہے۔

لَبَّأۡ اٰمَنُوۡا فَكَشَفْنَا عَنْهُمۡۤ عَذَابَ الْخِزۡیِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَ مَتَّعْنَاھُمُ

الْحٰیٰۃَیۡنِ - (پطع ۱۵) جب ایمان لے آئے تو ہم نے ان سے

رسوائی کا عذاب دنیا کی زندگی سے ہٹا دیا۔ اور ایک وقت تک

انہیں برتنے دیا۔

حضرات! اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا۔ کہ انسان جب اپنی غفالت کا اقرار کر کے سچے دل سے تائب ہو جاسکے۔ تو اللہ تعالیٰ بھی اس پر اُتے والے عذاب کو ہٹا لیتا ہے۔ اور اُسے معاف فرما دیتا ہے۔ میرے بھائیو! اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ گنہگار سچے دل سے توبہ تو کرے۔ پھر دیکھے۔ خدا تعالیٰ کی رحمت کس طرح اُسے اپنی آغوش میں لیتی ہے۔

چنگی کی حکایت چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ کے ایک گویے کی حکایت لکھتے ہیں۔

اور فرماتے ہیں۔ آپ کے زمانہ میں ایک گویا تھا۔ جو بڑی سرلی آواز رکھتا تھا۔ جب وہ چنگ و رباب بجاتا اور گاتا تھا۔ تو سننے والوں پر ایک کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ اس گویے کا بڑا چرچا اور شہرہ تھا۔ ہر پیر و جوان اس کا شائق تھا۔ اور اس کے پیچھے پیچھے پھرتا تھا۔ مولانا فرماتے ہیں۔ کہ جب یہ

گو یا بوڑھا ہو گیا۔ تو اس کی آواز بھی باقی نہ رہی۔ اور وہ سر پلا پن بھی جاتا رہا۔ جب وہ جوان رہا۔ اس کی آواز و سر پلا پن بھی قائم رہا۔ مگر جب بڑھاپا آگیا۔ تو وہ بات نہ رہی۔ مولانا رومی کے فارسی اشعار کا اردو منظوم ترجمہ سینے سے فرماتے ہیں۔

کہنہ سالی میں نوا سازی گئی
دانت ٹوٹے اور خوش آوازی گئی
ناز اس کے جو اٹھاتے تھے کبھی
اب نہ دیتے بھول کر اک نان بھی

اس عالم میں جب وہ گو یا بھوکا مرنے لگا۔ اور اس کا کوئی پرسانِ حال نہ رہا۔ تو اس کا وصیان رب کی طرف گیا۔ اور سچے دل سے اپنے رازق حقیقی کی طرف متوجہ ہوا۔ اور رو کر عرض کرنے لگا۔

رویا اور کہنے لگا یوں اے خدا
مدتوں تک تجھ سے میں بھاگا پھرا
سر کے بالوں میں سفیدی آگئی
چہرے پر میرے سیاہی چھا گئی
کھوٹے عصیاں میں گئے ستر برس
اب نہیں باقی گناہوں کی ہوس
عیب میں کرتا رہا بے باک خوب
تو رہا ستار۔ ستار العیوب
نفس نے ہر آن جرات دی مجھے
اتنے دن تو نے بھی مہلت دی مجھے
لطف میں کوئی کمی تو نے نہ کی
رزق کی تکلیف اک دن بھی نہ دی

مولانا فرماتے ہیں۔ کہ اس گو یے نے روتے ہوئے سچے دل سے اللہ کی طرف رجوع کر لیا۔ اور پھر دنیا سے کنارہ کش ہو کر جنت البقیع (مدینہ منورہ) کا

قبرستان، کی طرف چل دیا۔ اور وہاں پہنچ کر بھی بہت رویا۔ اور روتے روتے پھر ایک قبر کے ساتھ تکبہ لگا کر سو گیا۔ ادھر تو یہ سویا اور ادھر سے

حضرت فاروقؓ سے مصروفِ کار
نہند آئی زور کر کے ایک بار
دل کو اپنے کام میں ڈالا بہت
ہر طرح سے نہند کو ٹالا بہت
ہو گئے مصروفِ کار آخر عسرا!
کچھ نہ تین من کی رہی اُن کو خبر!
خواب میں اُن کو کسی نے پہ کہا
ہے بقیعِ پاک میں اک "با خدا"
سات سو دینار جا کے اس کو دے
اس کی دل جوئی بھی کر ہر طور سے!

مسلمانو! دیکھو اللہ کی رحمت کا جوش۔ کہاں وہ ایک گنہگار گویا،
اور کہاں اللہ کے برگزیدہ اور مقبول بندے، حضرت فاروقِ عظیم رضی اللہ
عنه۔ اس گویئے کے لئے حضرت فاروق کا حکم ہو رہا ہے۔ کہ اٹھ اور
اُسے سات سو دینار دے کر آ۔ اور پھر یہ کہ وہ گنہگار گویا اب وہ گنہگار
نہیں رہا۔ بلکہ اُسے "با خدا" کا خطاب مل رہا ہے۔ سبحان اللہ! ایک ہی
بار سچے دل سے توبہ کرنے سے رحمت حق نے اُسے کہاں سے کہاں
پہنچا دیا۔ چنانچہ حضرت فاروقِ عظیم رضی اللہ عنه نے یہ خواب دیکھا۔
تو آپ اٹھے اور سے

وہ اسی دم لے کے ہمیانی گئے
اور قبرستان میں پھرتے رہے
پیر چینگ کی ایک تھا سویا ہوا
اور وہاں اس کے سوا کوئی نہ تھا
دل میں وہ شیرِ خدا کہنے لگا

پیر چنگی اور پھر ہو با خدا؟
 حضرت فاروق اعظم جنت بقیع میں اس گویے کے سوا کسی دوسرے
 کو نہ پا کر بڑے حیران ہوئے۔ اور دل میں سوچنے لگے کہ گویا با خدا کیسے ہو
 سکتا ہے۔ پھر سوچا کہ اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ اور خدا بڑا
 بے نیاز ہے۔ کیا عجب کہ اللہ نے اسے ہی اپنا مقبول بنا لیا ہو۔
 یہ سوچ کر سے

بے گناہی اس کے سامنے با صد ادب
 اور تعظیماً نہ کھولے اپنے لب
 ناگہاں اک چھینک اُن کو آ گئی
 اُنکے جس سے پیر چنگی کی کھلی
 دیکھ کر فکروں کو بیٹھا ہوا
 خوف سے وہ پیر چنگی کانپ اٹھا

اس گویے نے جب اپنے سر ہانے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ
 کو بیٹھا ہوا پایا۔ تو خوف سے کانپ اٹھا۔ اور سوچنے لگا کہ میرے گانے
 اور رباب و چنگ کے باعث، فاروق اعظم شاید مجھے سزا دینے آئے ہیں
 مسلمانو! ذرا اس نظارے کو دیکھنا۔ فاروق اعظم وہ فاروق اعظم جسکی
 ہیبت کے ڈنکے قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں نہج رہے ہیں۔ آج وہی
 فاروق اعظم بڑے ادب کے ساتھ ایک گویے کے حضور بیٹھے ہیں۔ گویا
 ڈر رہا ہے۔ کہ فاروق اعظم شاید مجھے سزا دینے آئے ہیں۔ مگر وہاں
 تو بات ہی کچھ اور تھی۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظم نے اس سے فرمایا
 بڑے میاں! مجھ سے ڈرو مت! سے

مژدہ تیرے دوست کا لایا ہوں میں
 صرف خدمت کے لئے آیا ہوں میں

اللہ اکبر! فاروق اعظم اور اس پیر چنگی کی خدمت! دیکھا آپ نے!
 رحمت حق نے کیا کرشمہ دکھایا۔ حضرت فاروق نے پھر کہا سے

حق تعالیٰ تجھ کو کہتا ہے سلام
یہ صلہ بھیجا ہے تم کو اور پیام
لے جلد میں یہ رقم اور خرچ کر
ہو چکے گی جب تو دے گا پھر عمر
کر توکل ہم پہ اور گا ذوق سے
ہم نہیں گے چنگ لے بندے کے

سبحان اللہ! سبحان اللہ! خدا فرماتا ہے۔ اے گویئے تو ہم پر
توکل رکھ۔ اور گا۔ تیرا گانا اور یہ چنگ و بایب ہم نہیں سگے۔ دیکھا
آپ نے خدا کی رحمت نے کس طرح اس کو ڈھانپ لیا۔ اور وہ کس
طرح اس کی ڈھارس بندھا رہا ہے۔ اللہ کے اس رحمت کلمے پیام
کا نتیجہ یہ نکلا ہے

یہ بشارت پر چنگی نے سنی
گر کے سجدے میں خدا سے عرض کی
یا الہی! شکر تیرا زینہ
کر نہیں سکتا یہ عاصی شرمسار
شک نہیں بندہ نوازی میں تری
بندگی میں گو ہوئی بھ سے کمی
عمر کھوئی چنگ بازی میں تمام
قبول کے گاہے لیا نہ تیرا نام
زندگی کی اب نہیں بھ کو ہوسس
آرزو ہے میرے دل کی اب یس
قید دنیا سے مجھے آزاد کر!
روح کو رحمت سے اپنی شاد کر!
ہو گئی اس کی دعا شیر بدف
گوہر جاں نے کیا غسانی بدف

جان دی سجد میں حق کو یاد کر
خاتمہ اس کا ہوا ایمکان پر
بھائیو! اس حکایت کو لکھ کر مولانا رومی نے جو نتیجہ بیان فرمایا

ہے۔ وہ یہ ہے۔

گر رہے گا روز و شب تو اشکبار
رحم فرمائے گا تجھ پر کر دگار
کام واں آتی نہیں ہے کوئی شے
بجز و زاری کی فقط واں پوچھ ہے

تو میرے بزرگو! دوستو اور عزیزو! توبہ کرو اور اللہ کی طرف سچے
دل سے رجوع کرو۔ پھر دیکھو اللہ تعالیٰ کس طرح اپنی رحمت کا مینہ برساتا
ہے۔ اور کس طرح فضل و کرم فرماتا ہے۔ میں آپ سے کہہ رہا تھا کہ
خدا کی عبادت اور اس کی یاد یہ بڑی اہم اور ضروری چیز ہے۔ اور آج
جس قدر ہم پر عذاب آ رہے ہیں۔ یہ سب اسی یادِ حق کو چھوڑ دینے
کے نتائج ہیں۔ اللہ کی یاد سے بڑے بڑے عذاب ٹل جاتے ہیں۔ اور
آدمی اللہ کی حفاظت و رحمت میں آ جاتا ہے۔ یہ جو ہر سال ہم
پر پانی کا سیلاب آ جاتا ہے۔ اور ہزاروں جانیں اور لاکھوں کا مال
تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ اسے دیکھو اور حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کا
طوفانِ عظیم اور اس میں ایک خدا یاد بڑھیا کا قصہ سنو!

حضرت نوح علیہ السلام کے وقت ایک خدا یاد
طوفانِ نوح اور ایک بڑھیا

جب بحکم الہی کشتی بنانا شروع کی۔ تو اس بڑھیا نے حضرت نوح علیہ
السلام سے پوچھا کہ آپ یہ اتنی بڑی کشتی کیوں بنا رہے ہیں؟ فرمایا کہ
ایک بہت بڑا طوفان اور سیلاب آنے والا ہے۔ اس طوفان میں بجز
ان مومنین کے جو میری اس کشتی پر سوار ہوں گے اور کوئی نہ بچ سکے گا
بڑھیا نے عرض کی۔ حضور! جب طوفان آئے۔ تو مجھے بھی خبر کیجئے گا۔

اور اپنے ساتھ کشتی پر چڑھا لیجئے گا۔ فرمایا۔ اچھا! اس کے بعد جب سیلاب عظیم آیا۔ تو دنیا بھر میں پانی ہی پانی ہو گیا۔ بڑے بڑے پہاڑ پانی میں ڈوب گئے۔ اور سارے کافر اس طوفان عظیم میں غرق ہو گئے۔

اس طوفان عظیم میں حضرت نوح علیہ السلام کی ہی ایک کشتی تھی۔ جو محفوظ تھی۔ اور جو مومن اس پر سوار تھے۔ صرف وہی بچ سکے۔ اور کوئی نہ بچ سکا۔ یہ طوفان جب تھا۔ تو اس وقت حضرت نوح علیہ السلام کو وہ بڑھیا یاد آئی۔ اور آپ نے بڑے افسوس کے ساتھ فرمایا۔ کہ اس بڑھیا کو تو کشتی پر چڑھانا یاد ہی نہ رہا۔ پھر آپ اس سمت کو تشریف لے گئے جس طرف اس بڑھیا کی جھونپڑی تھی۔ وہاں جا کر دیکھا۔ تو اس بڑھیا کی جھونپڑی ویسی کی ویسی بستور بکھری تھی۔ آپ بڑے حیران ہوئے۔ کہ اتنے بڑے تباہ کن طوفان میں اس جھونپڑی کو تو پانی نے چھوٹا تک نہیں ہے۔ اندر تشریف لے گئے۔ تو دیکھا۔ بڑھیا بیٹھی ہے۔ بڑھیا نے حضرت نوح علیہ السلام کو دیکھا۔ تو بولی کیوں حضور! کیا طوفان آنے کا وقت آ گیا ہے؟ اور آپ مجھے کشتی پر سوار کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں؟ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا! بڑی بی! یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ طوفان تو آ بھی چکا۔ اور دنیا بھر کو غرق کر کے چلا بھی گیا۔ بڑھیا حیران رہ گئی۔ اور بولی! اے اللہ کے پیغمبر! مجھے تو پتہ بھی نہیں کہ طوفان کب آیا۔ اور کب گیا حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا۔ میں جان گیا۔ تو بغیر کشتی پر سوار ہونے کے بھی اللہ کی حفاظت میں رہی ہے۔ اور اللہ نے کشتی کے بغیر ہی تجھے بچا لیا ہے۔

(روح البیان صفحہ ۳۰۳)

دیکھا میرے بھائیو! جو اللہ کو نہیں بھولتا۔ خدا بھی اُسے نہیں بھولتا اور خوب یاد رکھو۔ کہ ہم اگر خدا کو فراموش کر دیں گے۔ تو پھر اللہ بھی ہمیں ممکن ہے کہ نظرِ رحمت سے گرا دے۔ چنانچہ قرآن پاک فرماتا ہے۔ کہ جو خدا کو بھول چکے ہیں۔ کل قیامت کے دن جب وہ عذابِ الہی میں گرفتار ہوں گے اور داویلا

کریں گے۔ تو جواب یہ ملے گا کہ۔
 الْيَوْمَ نُنَسِّأُكُمْ كَمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا۔ آج ہم بھی تمہیں
 یاد نہیں فرمائیں گے۔ جس طرح تم نے اس دن کے لئے مٹنے کو بھلا دیا
 تھا۔

لہذا اے مسلمانو! اللہ کی عبادت اور اس کی یاد سے کبھی منہ نہ موڑو۔
 اور ہر گھڑی اس کی یاد میں لگے رہو۔ شاعر لکھتا ہے
 خدا کی یاد سے ہرگز نہ رکھو دل کو کبھی خالی!
 وہاں پر بوم رہتا ہے جہاں کوئی نہ بستا ہوا
 تو آیا تھا تو روتا تھا تجھے سب دیکھ کر ہنستے تھے!
 اب ایسی کار کر بندے یہ روتے ہوں تو ہنستا ہو

یعنی جب تم پیدا ہوتے تھے تو سارے تیرے عزیز خوش تھے کہ ہمارے ہاں
 بچہ پیدا ہوا ہے۔ مگر اس وقت تم روتے ہوئے پیدا ہوتے تھے۔ تم رو رہے
 تھے۔ اور ارد گرد سب ہنس رہے تھے۔ اور اب اے بندے! ایسا کام
 کر! اور ایسے نیک اعمال اختیار کر کہ جب تو مرے تو یہ ہنسنے والے ارد گرد
 سب روتے ہوں۔ اور تو ہنستا ہوا جاوے۔ ایسا نہ ہو کہ تو آیا بھی روتا ہوا
 تھا۔ اور جاتے بھی روتا ہوا۔

عبادت الہی کا ثمرہ | حضرات! خدا کی بندگی اور اس کے احکام کی تعمیل سے
 اخروی فوائد کے علاوہ اس دنیا میں بھی بہت سے فیوض
 و برکات حاصل ہوتے ہیں۔ جو خدا کا ہو جائے۔ خدائی اس کی ہو جاتی ہے۔ یہ جو
 آج کل ہمیں پانی سیلاب کی شکل میں تنگ کر رہا ہے۔ اور کبھی آگ ہمارے
 لئے عذاب بن کر ہمارے مکانوں، دکانوں اور سامانوں کو جلا کر رکھ کر دیتی
 ہے۔ اور کبھی ہوا طوفان کی شکل میں آ کر ہمیں پریشان کر دیتی ہے۔ جب
 مسلمان اللہ کی عبادت میں منہمک رہتا تھا۔ اور اس کی یاد میں محو نظر
 آتا تھا۔ یہ پانی۔ آگ اور باد و خاک سب اس کی تابع تھیں۔ اور اس کا
 حکم ان چیزوں پر چلتا تھا۔

چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے ایک بت پرست
بادشاہ کی حکایت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔
ایک بت پرست بادشاہ نے ایک بہت
بڑی خندق کھدوائی۔ اور اس میں آگ جلائی

ایک بت پرست بادشاہ
ایک مسلمان عورت

اور خود معہ وزیروں کے خندق کے کنارے بیٹھ گیا۔ اور سامنے ایک بت
رکھ لیا۔ اور شہر میں اعلان کر دیا۔ کہ سب حاضر ہو کر اس بت کو سجدہ
کریں۔ جو سجدہ نہ کرے گا۔ اسے اس خندق کی آگ میں ڈال دیا جائیگا۔
چنانچہ اس مردود کے اس حکم سے کئی بزدل اس بت کو سجدہ کر گئے۔
لیکن ایک مسلمان عورت کو جس کی گود میں ایک شیرخوار بچہ بھی تھا۔
جب سامنے لایا گیا تو وہ

گفت اے زن پیش این بت سجدہ کن

ورنہ در آتش بسوزی بے سخن

بادشاہ نے کہا۔ اے عورت اس بت کو سجدہ کر۔ ورنہ آگ میں

جلنا پڑے گا۔

بود آن زن پاک دین و مومنہ

سجدہ آن بت نکرد آن موقنمہ

وہ عورت مومن اور پاک دین تھی۔ اس نے اس بت کو سجدہ

نہ کیا۔

طفل زو بستید در آتش نگذید

زن بترسید و دل از ایمان بکند

کافروں نے اس سے اس کا بچہ چھین کر آگ میں پھینک دیا۔ عورت

بچاری بچے کا یہ حشر دیکھ کر ڈر گئی۔ اور بت کو مجبوراً سجدہ کر لینے پر

آمادہ ہو گئی۔

خواست تا او سجدہ آرد پیش بت

بانگ زد آن طفل را کہ آمت

وہ عورت سجدہ کرنے لگی یہی تھی۔ کہ خندق سے اس کے بچے کی

آواز آئی۔ "اے ماں! میں مرا نہیں سے

اندر آ مار کہ من اینجا خوشم ، گرچه در صورت میان آتشم
 لے ماں! تو بھی خندق میں آ! اور دیکھ میں یہاں کس قدر خوش ہوں
 اگرچہ بظاہر میں آگ میں ہوں سے

قدرتِ آن سگ بیدی اندر آ : تاہم یعنی قدرتِ فضلِ خدا
 ماں! اس بت پرست کافر کتے کی تو نے قدرت دیکھ لی۔ اب ذرا
 اس میں آکر فضلِ خدا کی قدرت دیکھ لے۔

اندر آ = دیکھاں را ہم بخواں : کاندرا آتش شاہ بہاد دست خواں
 لے ماں تو بھی آ۔ اور دوسروں کو بھی یہاں آنے کی دعوت دے
 اور کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آگ میں سب کے لئے اپنی رحمت کا
 دسترخوان بچھا رکھا ہے۔

یہ سنتے ہی ماں نے خندق میں چھلانگ لگا دی۔ اور پھر وہ بھی بچے
 کی ہنر بان ہو کر کہنے لگی۔ لوگو! اللہ آ جاؤ۔ اور بت کو ہرگز مت پوجو۔
 یہ آواز سن کر سب لوگ خندق میں کود گئے۔ اور پھر ایک شعلہ اس
 خندق سے ایسا برآمد ہوا۔ جس سے وہ سب کافر جل گئے۔ اور مسلمان
 سب بچ گئے۔

دیکھا میرے بھائیو! یہ آگ بجائے جلانے کے مسلمانوں کے لئے بارخ۔

بہاد بن گئی۔ اسی طرح حضرت امیرالمومنین فاروق اعظم
 رضی اللہ عنہ کا بھی یہ واقعہ ہے۔ کہ آپ کے عہد میں

پانی پر حکومت

جب مصر فتح ہوا۔ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس کے گورنر
 مقرر ہوئے۔ تو ایک بار دریائے نیل خشک ہو گیا۔ حضرت عمرو بن العاص
 نے لوگوں سے پوچھا۔ تو پتہ چلا۔ کہ یہ دریا ہر سال اسی طرح خشک ہو جاتا
 ہے۔ اور جب تک ایک کنواری خوبصورت لڑکی کو بھینٹ نہ چڑھایا جائے
 جاری نہیں ہوتا۔ حضرت عمرو بن العاص کو سال بساں ایک قتل ناحق کی
 جاپلانہ رسم پڑی معلوم ہوئی۔ اور فرمایا۔ صبر کرو۔ دیکھو خدا کو کہا منظور

ہے۔ آپ نے اسی وقت بارگاہِ خلافت میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے نام ایک خط لکھا۔ جس میں دریا خشک ہو جانے اور ہر سال ایک کنواری لڑکی کے قتل ناحق کا مفصل واقعہ لکیر دیا۔ ان کا یہ خط جب فاروق اعظم کے پاس پہنچا۔ اور آپ نے کیفیت معلوم کی۔ تو اسی وقت ایک خط گورنر مصر حضرت عمرو بن العاص کے نام، اور دوسرا دریائے نیل کے نام تحریر فرمایا۔ مسلمانوں! سنا آپ نے کہ ایک خط تو گورنر کی طرف، اور ایک خط دریا کی طرف۔ کیوں صاحب کبھی ایسی حکومت بھی دیکھی سنی۔ کہ پانی کے نام احکام جاری کئے جا رہے ہیں۔ دیکھئے! جو خط آپ نے دریا کے نام لکھا۔ اس کا مضمون یہ ہے۔

مِنْ غَيْبِ اللَّهِ عُمَرَ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِلَى نَيْلٍ مِصْرَ۔ أَمَّا بَعْدُ إِنَّ كُنْتَ تَجْرِي مِنْ قِبَلِكَ فَلَا تَجْرُ وَ إِنْ كَانَ اللَّهُ يُجْرِيكَ فَاسْأَلِ اللَّهَ الْوَاحِدَ الْقَهَّارَ أَنْ يُجْرِيكَ۔

ذاریخ الخلفاء ص ۹) یہ خط اللہ کے بندے عمر امیر المؤمنین کی طرف سے دریائے نیل کے نام ہے۔ لے دریا! اگر تو خود مختار ہے۔ اپنی مرضی سے بہتا ہے۔ اور اپنی مرضی سے رک جاتا ہے۔ تو ہمیں تیری کچھ پروا اور ضرورت نہیں ہے۔ تو متنا جاری ہو۔ اور اگر تمہیں اللہ جاری کرتا ہے تو ہم اللہ ہی سے سوال کرتے ہیں۔ کہ وہ تمہیں جاری کر دے۔“

پھر حضرت فاروق اعظم نے گورنر مصر کے نام یہ حکم لکھا کہ جو عورت کی بھینٹ کے یہ میرا خط دریا کے اندر خشک ریت میں ڈال دینا۔ امیر المؤمنین کا یہ انوکھا ارشاد سن کر سارے مصر میں دھوم مچ گئی۔ لاکھوں آدمی یہ منظر دیکھنے کے لئے دریا پر جمع ہو گئے۔ مجمع کثیر کے ساتھ گورنر مصر بھی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ خط لے کر دریا پر پہنچے۔ اور پھر دریا کے اندر جا کر فاروق اعظم کا حکم نامہ

دربا کو پہنچا کرواں سے باہر چلے آئے۔ چند لمحوں کے بعد دریاٹے نیل نمود نمود اس زور سے جاری ہوا۔ کہ کبھی بھینٹ لے کر بھی ایسا جاری نہ ہوا تھا۔ اور ہر سال سے اس سال چھ گز پانی زیادہ اونچا آیا۔ پھر اس دن سے ایسا جاری ہوا۔ کہ آج تک بند ہونے کا نام نہ لیا۔

دیکھا آپ نے کہ اللہ کے آگے جھک جانے والے فاروق کے حکم کے آگے پانی بھی جھک گیا۔ وہاں پانی آیا۔ تو ایک لڑکی کی جان بچانے کی خاطر، اور اب جو پانی آتا ہے۔ تو سینکڑوں جانیں لے جانے کی خاطر۔ آخر یہ اتنا بڑا فرق کیوں ہے؟ اسی لئے کہ وہ لوگ خدا کے بھتے۔ اور ساری خدائی ان کی تھی۔ آج ہم خدا کے نہ رہے۔ نتیجہ یہ نکلا۔ کہ ہمارا کوئی نہ رہا۔ اور ہم کہیں کے نہ رہے۔

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ میں نے جنگل میں ایک آدمی کو دیکھا۔ جو شیر پر سوار تھا۔ میں حیران رہ گیا۔ کہ یہ شخص شیر

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ

اور ایک شیر سوار

پر کس طرح سوار ہوا۔ اور شیر اس کا مطیع و فرمانبردار کیسے ہو گیا؟ فرماتے ہیں اس آدمی نے میری طرف دیکھا۔ اور کہا ہے

تو ہم گردن از حکم داور پیچ

کہ پیچ نہ گردن ز حکم تو پیچ

یعنی اللہ کے حکم سے تو منہ نہ موڑ۔ تو تیرے حکم سے کوئی چیز بھی منہ نہ موڑے گی۔ بھائیو! یہ ہے اللہ کے ہو جانے کی برکتیں۔ تم خدا کا کہا مانو۔ خدائی تمہارا کہا مانے گی۔ اور اگر تم نے خدا کا کہا نہ مانا۔ تو پھر اگر تمہاری بیوی تمہارا کہا نہ مانے۔ تمہاری اولاد تمہارا کہا نہ مانے۔ تو گھبراتے کیوں ہو۔ آخر تم بھی تو ہو۔ جو اپنے مالک کا کہا نہیں مانتے اگر تم نافرمان ہو کر رہنا چاہتے ہو۔ تو اپنی بیوی بچوں کو بھی نافرمان بن کر رہنے دو۔ اور اگر ان کی نافرمانی تمہیں بری لگتی ہے تو تمہاری نافرمانی کیوں بری نہ ہوگی۔ یہ جو آج کل اولاد کی نافرمانی عام ہے

چھوٹے اپنے بڑوں کی پرواہ نہیں کرتے۔ بڑوں کے احکام کی چھوٹوں کی نظر میں وقعت نظر نہیں آتی۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ آج کل اللہ کی نافرمانی عام ہے۔ ایک بزرگ گھوڑے پر سوار ہونے لگے تو وہ گھوڑا شوخی کرنے لگا۔ فرمانے لگے۔ ہم سے آج ضرور کوئی گناہ ہوا ہے۔ اسی وجہ سے یہ گھوڑا ہماری نافرمانی کرتا ہے۔ بھائیو! تم خدا کے ہو جاؤ۔ تو خدا ساری خدائی کے دلوں میں تمہارا رعب پیدا کر دے گا۔ مولانا رومی فرماتے ہیں سے

ہر کہ تزیید از حق و تقویٰ گزید

تزیید از دوسے جن وانس و ہر کہ دید

میرے بزرگو! عبادتِ الہی کے ثمرات بے شمار ہیں۔

لیکن بظاہر اگر میں کوئی ثمرہ نظر نہ بھی آئے۔ تو اس بات سے یہ وہم بھی نہ لانا چاہیے۔ کہ عبادت کا کیا فائدہ؟ اس لئے کہ عبادت تو ہمیں محض اللہ کی خاطر کرنی ہے۔ نہ کہ دوسرے کسی ثمرہ کی لالچ سے۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ اللہ کی عبادت کرنا بجائے خود ایک بہت بڑا فائدہ ہے۔ عبادت کا توفیق مل جانا ہی ایک بہت بڑی نعمتِ الہی ہے۔ چنانچہ ایک نیک خاتون کا واقعہ مذکور ہے۔

کہ وہ تہجد کے وقت نماز پڑھ کر حسبِ ذیل

لفظوں میں دعا مانگ رہی تھی۔

اے مولا! تجھے اس محبت کا واسطہ

جو تجھے مجھ سے ہے۔ مجھ پر اپنی رحمتوں

ایک تہجد گزار ہوئی

اسے

اس کا شوہر

کا نزول فرما۔

اس کا شوہر پاس ہی سو رہا تھا۔ اس نے یہ الفاظ سن کر کہا۔ بڑا فخر ہے تجھے اپنے آپ پر۔ کہنا تو یوں چاہیے۔ کہ تجھے اس محبت کا واسطہ جو تجھے مجھ سے ہے۔ مگر تو کہہ یوں رہی ہے۔ کہ تجھے اس محبت کا واسطہ جو تجھے مجھ سے ہے۔ بھلا تجھے یہ کیسے معلوم ہو گیا۔ کہ خدا کو تجھ سے محبت ہے؟

بیوی نے اپنے شوہر کی یہ بات سن کر اسے جواب یہ دیا۔ کہ اگر خدا کو مجھ سے محبت نہ ہوتی۔ تو وہ اس رحمت کے وقت مجھے جگا کر اپنی عبادت کے لئے کھڑا ہونے کی کبھی توفیق نہ دیتا۔ آپ کو جو اس نے سلائے رکھا۔ اور مجھے جگا کر اپنی عبادت کے لئے کھڑا کر دیا ہے۔ یہی دلیل ہے اس بات کی کہ اُسے مجھ سے محبت ہے۔ تو میرے بھائیو! خدا کی عبادت کی توفیق مل جانا یہ خود ہی ایک بہت بڑا انعام الہی ہے لہذا عبادت الہی میں خوب دل لگاؤ۔ اور شیطان کے مختلف وسوسوں کا شکار مت بنو۔ ہمارا کام اللہ کی عبادت کرنا ہے۔ اور اس عبادت کو قبول فرما لینا اللہ کا فضل و کرم ہے۔ عبادت سے ثمرات کا قصد کبھی نہ کرنا چاہیے۔ اس لئے کہ پھر تو یہ ایک قسم کی مزدوری ہو گئی ہاں یہ بھی اللہ کا ایک فضل و کرم ہے۔ کہ اپنی عبادت قبول بھی فرمائے۔ اور اس کے دیگر ثمرات بھی عطا فرمائے۔ ہمارا کام تو محض اس کی رضا جوئی کے لئے اس کی عبادت کرنا ہے۔ اور خوب یاد رکھئے۔ بالفرض ہمیں پتہ بھی چل جائے۔ کہ ہماری عبادت قبول نہیں ہوئی۔ تو بھی ہمارا کام اس کی عبادت ہی کرنا ہے۔ اس لئے کہ اس کی عبادت کو چھوڑ کر پھر اور دروازہ ہی کو نسا ہے۔ جس کے بھروسے پر ہم یوں کہہ سکیں۔ کہ چلو اگر اس دروازہ سے قبولیت نہیں ملی۔ تو دوسرے دروازہ پر سہی!

ایک عارف کی حکایت

چنانچہ ایک عارف کو غیب سے آواز آئی۔ کہ تمہاری عبادت قبول نہیں ہوئی۔ انہوں نے اس پر بھی عبادت کو نہ چھوڑا۔ بلکہ بدستور اسی طرح پر پھر بھی عبادت کرتے رہے۔ کسی نے ان سے کہا۔ کہ جب آپ کی عبادت قبول نہیں ہوئی۔ تو پھر اس کے کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ انہوں نے کیا اچھا جواب دیا۔ بھائی اگر

کوئی اور دروازہ ہوتا۔ تو اسی کو چھوڑ کر اس طرف چلے جاتے جب
دوسرا دروازہ ہی نہیں پھر اور کہاں جائیں۔ اور کیا چارہ کریں۔

سے

تو انی ازاں دل بسیر دا ختن
کہ دانی کہ بے او تو اں سا ختن

پس معاً غیب سے آواز آئی کہ جب ہمارے سوا تمہارا اور کوئی
نہیں ہے۔ تو خیر جیسی کچھ ہے۔ ویسی قبول ہے۔

قبول است گرچہ ہنر نیست
کہ جز ما پناہے وگر نیست

میرے بھائیو! آج وقت ہے۔ اللہ کی عبادت کر کے اپنی
عاقبت سنوار لو۔ اور کل قیامت کے دن اگر اللہ کے ہولناک

کادو
لطیفہ

عذاب دیکھ کر پھر یہ درخواست کی۔ کہ الہی ہمیں پھر دنیا میں بھیج تاکہ ہم
تیری عبادت کریں۔ تو پھر یہ درخواست منظور نہ ہوگی۔ اور یہ وقت ہفتہ نہ آئیگا
وقت کی قدر کرو اور جو کرنا ہے آج کر لو۔ ورنہ کل قیامت کے دن پھٹانے
سے کچھ نہ ہوگا۔ چنانچہ ایک لطیفہ ہے کہ ایک آدمی گھوڑا خریدنے کے
لئے منڈی گیا۔ راستے میں اسے ایک دوست ملا۔ اور اس نے پوچھا
کہ کہاں جا رہے ہو۔ تو وہ بولا۔ منڈی جا رہا ہوں۔ گھوڑا خریدوں گا۔
دوست نے کہا۔ میاں جیسا کوئی کام کرنے کا ارادہ ہو۔ تو مسافر
انشاء اللہ ضرور کہنا چاہیے۔ لہذا یوں کہو۔ کہ انشاء اللہ گھوڑا خریدوں گا۔
وہ بولا۔ واہ بھئی واہ! پرانے خیال کے آدمی نکلے۔ انشاء اللہ کہنے کی کیا
ضرورت۔ پیسے میرے پاس موجود ہیں۔ اور گھوڑا منڈی میں موجود ہے۔ منڈی
پہنچنے کی دیر ہے۔ بس گھوڑا خریدا ہی سمجھو۔ اس کے دوست نے کہا۔ بھئی
یہ تمہاری غلطی ہے۔ کچھ بھی تو۔ انشاء اللہ ضرور کہنا چاہیے۔ اس
نے کہا۔ تم کچھ بھی کہو۔ میں تو انشاء اللہ نہ کہوں گا۔

چنانچہ وہ منڈی پہنچ گیا۔ اور گھوڑا خریدنے سے پہلے کھانا

کھانے کو ایک ہوٹل میں داخل ہوا۔ ہوٹل میں کسی گره کٹ نے اسکی جیب تراش لی۔ اور ٹوہ نکال لیا۔ اسے کچھ پتہ نہ چلا۔ خستے کہ جب اس نے منڈی میں گھوڑے کا سودا کر کے جیب میں ڈالا۔ تو ٹوہ غائب پایا۔ اب اسے پتہ چلا کہ میں تو لٹا گیا۔ چنانچہ خالی ہاتھ واپس لوٹا۔

— اتفاقاً راتے میں پھر وہی دوست ملا۔ اور اس نے پوچھا۔ کیوں دوست! گھڑا نہیں لائے۔ تو وہ بولا۔ بھئی کیا بتاؤں؟ جب منڈی پہنچا۔ انشاء اللہ! تو بھوک لگ گئی انشاء اللہ! اور میں ہوٹل میں گیا انشاء اللہ! اور کھانا کھایا انشاء اللہ۔ تو اس عرصہ میں انشاء اللہ، کسی گره کٹ نے انشاء اللہ میری جیب کاٹ لی انشاء اللہ۔ گھوڑے کا سودا کیا انشاء اللہ۔ اور جیب میں ہاتھ ڈالا انشاء اللہ۔ تو جیب میں کچھ نہ تھا انشاء اللہ!

دوست نے کہا! میاں اب انشاء اللہ کہنے کا کیا فائدہ! اسی وقت جب میں نے کہا تھا۔ اگر ایک بار بھی انشاء اللہ کہہ دیتے۔ تو کام بن جاتا۔ اور اب چاہے ہزار مرتبہ کہو۔ بیکار رہتا ہوں۔

تو اے میرے بھائیو! یہ وقت ہے اللہ کی عبادت اور اس کی یاد کا۔ اس وقت کی عبادت کام آئے گی۔ اور کل اگر ہزار بار بھی اس کی بندگی کا اعلان و اقرار کرو گے۔ تو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ لہذا

سے

آج لے ان کی پناہ، آج مدد مانگ ان سے
کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ أَنَا وَاللَّهُمَّ الْعَالَمِينَ

گیارہواں وعظ

دنیا

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ - وَالصَّلَاةُ
وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ

امام معمر

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
وَمَا هِيَ إِلَّا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا الْهَوَىٰ

وَلَعِبٌ وَإِنَّ النَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ

الْحَيَاةُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝ (پس اس

” اور یہ دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل کود۔ اور بیشک آخرت
کا گھر ضرور ہی سچی زندگی ہے۔ کیا اچھا عقلا اگر جانتے!“

حضرات! آج میں دنیا کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اسی لئے
میں نے قرآن پاک کی وہ آیت پڑھی ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے
اس دنیا ہی کا ذکر فرمایا ہے۔ میرے بھائیو! دیکھ لو! خدا تعالیٰ

نے اس دنیا کو کھیل کوڑ فرمایا ہے۔ چونکہ کھیل اور تماشا وقتی طور پر خوش کن ہوتا ہے۔ اور تقوڑی دیر کے لئے اپنے شہائیوں کو خوش کر دیتا ہے۔ پھر خود بھی باقی نہیں رہتا۔ اور نہ وہ خوشی اور لذت باقی رہتی ہے۔ جو تقوڑی دیر کے لئے حاصل ہوئی تھی۔ اس لئے اللہ نے اس دنیا کو بھی ایک کھیل اور تماشا بیان فرمایا ہے۔ جو تقوڑے عرصہ کے لئے قائم ہے۔ پھر یہ خود بھی فنا ہو جائے گی اور وہ عارضی خوشیاں جو اس کے شہائیوں کو حاصل ہوئیں۔ وہ بھی فنا ہو جائیں گی۔ اس کے بعد پھر طالب دنیا بجز اس کے کہ کفیا فوس ملے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

میرے بزرگو! اس دنیا میں کئی قسم کے کھیل تماشے ہوتے ہیں۔ مثلاً ریچم، بندر کا تماشا، ٹانگ کا کھیل، سرس کے کرتب وغیرہ۔ یہ تماشے گھنٹہ دو گھنٹہ بھر کے لئے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد وہاں نہ تماشا کرنے والے نظر آتے ہیں اور نہ تماشا دیکھنے والے۔ اسی طرح یہ دنیا کا کھیل ہے۔ کہ ختم ہو جانے کے بعد نہ یہ کھیل رہے گا۔ اور نہ کھیل والے۔ اور یہ دنیا کا کھیل اگرچہ بظاہر سینکڑوں سال زندگی کا ہو۔ مگر مرنے کے بعد اور قیامت آچلنے پر یہ حقیقت کھلے گی۔ کہ یہ ہماری لمبی زندگی بھی دراصل کچھ نہ تھی۔ اصل زندگی تو یہ آخرت کی زندگی ہے۔ پیناچہ لمبی عمر پانے والے بحرین کل قیامت کے دن یوں کہیں گے۔ اور قسم کھا کر کہیں گے۔ کہ

مَا لَيْسُوا غَيْرَ سَاعَةٍ رِيَاءٍ ۙ نَرَسَهُمْ غَنِيًّا مَّا لَيْسَ لَهُمْ كَهْرِي ۙ

دیکھا آپ نے یہ اتنی طویل طویل عمریں کل یوں معلوم ہوں گی۔ جیسے ایک بل اور ایک گھڑی۔

میرے دستو! دنیا ایک کھیل اور فانی چیز ہے۔ اس میں جو کچھ ہے۔ سب کچھ ایک دن فنا ہوئے والا ہے۔ مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

آنچہ دیدی برقرار خود نہ ماند
آنچہ بینی ہم نمسند برقرار

میرے بھائیڑا! قرآن مجید نے فرمایا ہے۔ کہ دنیا کی زندگی
ایک کھیل اور تماشہ ہے۔ اور دیکھ لیجئے۔ بعض کھیل

اور تماشے ایسے ہوتے ہیں۔ کہ ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہوتی۔ صرف
ایک سایہ کی طرح کچھ آتی جاتی چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ جیسے بالیکوسپا
ہیں سولے لیمپ کی روشنی اور کانڈی تصویروں کے اور کچھ نہیں
ہوتا۔ مگر تماشاخیوں کو یہ نظر آتا ہے۔ کہ بڑی جنگ ہو رہی ہے۔ ہزاروں
کا خون ہو رہا ہے۔ کہیں شاہی دربار ہے۔ کہیں لاکھوں آدمیوں کا
اجم ہے۔ کہیں عینی اور کہیں شادی ہے۔ مگر باوجود ان سب باتوں
کے وہاں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ روشنی گل کر دی جائے تو کچھ بھی نہ
رہے۔ لیکن اسی غیراصل اور محض عکس و سایہ ہی کے مناظر پر
تماشاخی عاشق ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح دنیا کے مناظر
کی حقیقت ہے۔ اور یہی حال دنیا کے نادان عاشقوں کا ہے۔ اور

اسی طرف مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے اشارہ فرمایا ہے کہ

بھجو آں ابلہ کہ تائب آفتاب
دید ہر دیوار و حیران شد شباب
عاشق دیوار شد کایں باضیا است
بیخبر کایں عکس خورشید شما است

فرماتے ہیں۔ میں طرح ایک بے وقوف نے کسی دیوار پر سورج کی
روشنی بینی و تصویر دیکھی۔ تو اس نے سمجھا کہ یہ دیوار ہی روشن ہے اور
اس کو دل دسے بیٹھا۔ نادان نے یہ نہ سمجھا۔ کہ دیوار ہرگز ایسی نہیں
ہے تو سورج کا عکس ہے۔

بدن باصلیٰ نوشی پیوست آں ضیا
دید دیوار سے عکس ماثرہ بحیا

پھر جب وہ روشنی اپنے اصل سورج سے مل گئی۔ یعنی دھوپ جاتی رہی، تو دیوار ویسی کی ویسی رہ گئی۔ مولانا رومی کا مقصد یہ ہے۔ کہ جس طرح دیوار پر روشنی دیکھ کر نادان یہ جانتے ہیں کہ دیوار میں کچھ ہے۔ لیکن پھر کھوڑی دیر کے بعد دیوار کو بے نور اور سیاہ دیکھ کر حیران ہوتے ہیں۔ اسی طرح اہل دنیا، دنیا کو قیامت کے دن مثل سیاہ و بے نور دیوار کے دیکھ کر بڑے حیران ہوں گے، اور اپنی نادانی پر پھپھتائیں گے۔

دنیا اچھی ہے | میرے بزرگو! جو میں نے بیان کیا ہے۔ یہ تو ہے دنیا کی حقیقت۔ مگر یہ دنیا بیکار یا بنا تہ بڑی نہیں ہے۔ یہ بڑی اس وقت ہے۔ جب کہ انسان اپنے خالق کو بھول کر اسی میں محو ہو جائے۔ اور اس سے دل لگا بیٹھے۔ ایسے شخص کے لئے دنیا دنیا ہے۔ اور بڑی دنیا ہے۔ اور جب کہ انسان اپنے خالق و مالک کے دل لگائے رہے۔ اور اس کی ایک دین و عطا سمجھ کر دنیا کو استعمال کرے۔ اور اپنے اللہ کی مرضی کے مطابق اس کو خرچ کرے۔ تو پھر یہ دنیا، دنیا نہیں رہتی۔ بلکہ یہ دنیا بھی دین ہے۔ اور بڑی اچھی دنیا ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں یہ

چسیت دنیا از خدا غافل بدن

نے قماش و نقرہ و فرزند زن

دنیا کیا ہے؛ خدا سے غافل ہو جانے کا نام دنیا ہے۔ جس قدر خدا سے غافل کر دینے کے سامان ہیں۔ سب دنیا ہیں۔ یہ چاندی و سونا، پوی بیچے، انکا نام دنیا نہیں ہے۔ ہاں اگر ان کی وجہ سے خدا کو بھلا دیا جائے۔ تو پھر یہ سب کچھ دنیا ہے اور اگر خدا کو نہ بھلایا جائے۔ تو پھر چاہے چاندی و سونے کے انبار لگے ہوں۔ وہ ہرگز دنیا نہیں ہے۔ چنانچہ بزرگان دین میں سے ایسے ایسے بھی گزرے ہیں۔ جو بڑے بڑے مالدار اور امیر تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جو پہلی و ثانی تھے۔

ایک عظیم شان حکومت کے مالک تھے۔ اور اس قدر دنیوی مال و متاع رکھتے تھے کہ ایک مرتبہ مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ تو اپنے لشکر عظیم کے لئے ہر روز پانچ ہزار اونٹ، پانچ ہزار گائے، اور بیس ہزار بکریاں ذبح فرماتے تھے۔ دیکھئے حیوة الجوان ص ۳۵۵ جلد ۲

حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام اور اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی بڑے امیر تھے۔ اللہ نے آپ کو مال و اولاد سب کچھ عطا فرما رکھا تھا۔ مگر ان میں سے کوئی چیز یاد حق کی راہ میں حاصل نہ تھی۔ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وقت آنے پر اپنا سب کچھ راہ حق میں قربان فرما کر دکھا دیا۔ کہ دنیا ہوتے ہوئے بھی جو اللہ والے ہیں۔ اپنے خالق کو کبھی نہیں بھولتے۔ اور خالق و مالک کے ارشاد پر اور اس کی رضا کی خاطر دنیا کی ہر چیز قربان دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لقب "خلیل" کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ آپ کا یہ لقب اللہ نے اسی لئے رکھا کہ

لِأَنَّهُ سَلَّمَ نَفْسَهُ إِلَى النَّيْرَانِ وَ مَالَهُ إِلَى الضُّيْفَانِ دَوْلَانًا
إِلَى الْقُرْبَانِ وَ قَلْبَهُ إِلَى الرَّحْمَانِ۔

اس لئے کہ آپ نے اپنی جان کو، رضائے حق کی خاطر آگ میں ڈال دیا۔ اور مال کو راہ خدا میں مہالوں پر خرچ کر دیا۔ اور اپنے بیٹے کو خوشنودی حق کے لئے قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اور اپنا دل اللہ کی سپرد کر دیا۔

ایک مرتبہ چند فرشتے بشریت کے لباس میں سائل بن کر در اقدس پر حاضر ہوئے۔ اور سُبْحَانَ ذِي الْمَلِكِ وَ الْمَلَكُوتِ۔ سُبْحَانَ ذِي الْعِزَّةِ وَ الْعَظَمَةِ وَ الْهَيْبَةِ وَ الْقُدْرَةِ وَ الْكِبْرِيَاءِ وَ الْجَبْرُوتِ۔ الخ پڑھ کر اللہ کی راہ میں کچھ مانگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے محبوب حقیقی کا نام سن کر بے حد مسرور ہوئے۔ اور فرمایا۔ مجھے میرے محبوب حقیقی کا پیارا ذکر پھر سناؤ۔ فرشتوں نے جو بشریت کے لباس میں حضرت

ابراہیم علیہ السلام کی نعت کو دیکھنے آئے تھے۔ جواب دیا۔ اگر آپ ہمیں کچھ دیں۔ تو ہم پھر وہی پیارا نغمہ سنائیں گے۔ ورنہ نہیں۔ فرمایا میرا یہ کبرپوں کا عظیم رپورٹ موجود ہے۔ آدھا رپورٹ لے لو۔ اور مجھے میرے محبوب حقیقی کا نام پھر سناؤ۔ چنانچہ فرشتوں نے پھر وہی نغمہ چھڑا۔ آپ نے پھر فرمایا۔ ایک مرتبہ اور سناؤ۔ جواب ملا کہ باقی کا آدھا رپورٹ بھی لے دیجئے۔ تو سنائیں گے۔ ورنہ نہیں۔ فرمایا۔ اچھا جاؤ سارا ہی رپورٹ تمہارا۔ تم میرے پیارے کا نام پھر لو۔ اور اسی نغمہ سے پھر مجھے مسرور کرو۔ چنانچہ فرشتوں نے پھر وہی نغمہ چھڑا۔ اور حضرت خلیل کو مسرور کیا۔ حضرت نے پھر فرمایا۔ کہ ایک بار اور۔ جواب ملا کہ اب تو آپ کے پاس رپورٹ میں سے کچھ باقی نہیں رہا۔ اب آپ کیا دیں گے؟ فرمایا اس رپورٹ کی نگہبانی کے لئے مجھی کو ساتھ لے جانا۔ مگر محبوب کا نام ضرور سناؤ۔ فرشتوں نے یہ اشارہ دیکھا۔ تو جھٹ بول اٹھے۔ کہ حضور! مان لیا۔ واقعی آپ خلیل اللہ ہیں۔ ہمیں ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہم تو آپ کے اشارہ کا جلوہ دیکھنے آئے تھے۔

بزرگوار! دیکھا آپ نے۔ یہ دنیا ہے۔ مگر کیسی مبارک دنیا۔ جو اللہ کی راہ میں قربان ہو رہی ہے۔ تو ایسی دنیا برائے نام دنیا ہے۔ ایسی دنیا کو فنا بھی نہیں۔ یہ دنیا کل قیامت کو بھی کام آئے گی۔ یعنی جو کچھ یہاں اللہ کی راہ میں دے دیا۔ وہ اگرچہ بظاہر یہاں سے مٹ جائے گا۔ مگر وہ دراصل باقی رہے گا۔ اور کل قیامت میں کام آئے گا۔ اور ایک ہماری دنیا بھی ہے۔ جس پر ایک لطیف یاد آیا۔

کہا اور کون سا کہتے ہیں۔ کہ ایک آدمی نے ایک مولوی صاحب کے دس روپے کی جیب میں ایک روپیہ تھا۔ اس نے باہر نکل کر وہ روپیہ کسی فقیر کو شے دیا۔ اور خود گھر بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ کہ کوئی آئے۔ اور دس روپے

دے جائے۔ اب اسی انتظار میں جب کوئی آتا ہوا نظر نہ آیا۔ تو لگا مولوی صاحب کو برا بھلا کہنے۔ کہ خواہ مخواہ میرا روپیہ نقصان کرایا۔ اسی غم میں اسے پچیس بھی لگ گئی۔ حاجت ہوئی تو باہر جنگل گیا۔ وہاں اتفاقاً کسی کا گرا ہوا ہٹوا دیکھا۔ اسے اٹھایا اور کھول کر دیکھا۔ تو اس میں سے دس روپے نکلے۔ یہ دیکھ کر بڑا خوش ہوا اور دوسرے دن مولوی صاحب کے درس میں جا کر کہنے لگا۔ مولوی صاحب مسئلہ پورا سنایا کرو۔ مولوی صاحب نے کہا۔ مگر میں نے ادھا مسئلہ کونسا سنایا ہے۔ وہ بولا۔ وہ کل سنایا تھا نا کہ جو اللہ کی راہ میں ایک دے گا۔ دس پائے گا۔ اس کا اگلا حصہ بھی سنایا ہوتا۔ مولوی صاحب نے کہا تو اگلا حصہ کیا ہے؟ تم ہی بتا دو۔ وہ بولا اگلا حصہ یہ ہے کہ "اسے پچیس بھی لگ جاتی ہے" دیکھا آپ نے! ایک دنیا یہ بھی ہے۔ جس میں ایسا دل محو ہے۔ کہ ایک روپیہ جانے سے بھی پچیس لگ جاتی ہے۔ خوب یاد رکھو کہ دنیا ہو تو اس میں ایسا دل مشغول نہ ہو۔ کہ اللہ کے احکام پس پشت ڈال دیئے جائیں۔ اور اس کی مرضی کو فراموش کر کے دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ لیا جائے۔ اس قسم کی دنیا دنیا ہے۔ اور بری دنیا اور اسی دنیا ہی کو اللہ نے کھیل کود فرمایا ہے۔

مردار دنیا | اور ایسی ہی دنیا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مردار اور اس کے طالب کو کتا فرمایا ہے۔ اور محدثین نے اس ارشاد نبوی کی بڑی حکیمانہ تفسیر فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں۔ حضور نے طالب دنیا کو کتا فرمایا ہے۔ حالانکہ مردار کو کوا بھی کھاتا ہے۔ پھر حضور نے طالب دنیا کو کتا ہی کیوں فرمایا ہے؟ فرماتے ہیں کوا مردار کا صرف گوشت ہی کھاتا ہے۔ اور ہڈیاں چھوڑ جاتا ہے۔ مگر کتا مردار کو ہڈیوں سمیت رگڑ جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا کا عاشق بھی چونکہ دنیا کی ہڈی تک نہیں چھوڑتا۔ اس لئے طالب دنیا کو کتا فرمایا گیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے۔ کہ کوا

مردار پر دن کو بھپٹتا ہے۔ رات کو نہیں آتا۔ مگر کتنا دن بھی اور رات بھی مردار کے پاس سے نہیں ہٹتا۔ اسی طرح دنیا دار بھی دن رات مردار دنیا کو اپناٹے رکھتا ہے۔ تیسری بات یہ ہے۔ کہ کوآ مردار دیکھ کر شور مچاتا ہے اور اپنے بھائیوں کو بھی بلا لیتا ہے۔ اور اس مردار کو سب ملکر کھاتے ہیں۔ مگر کتنا جہاں پہنچا۔ دوسرے اپنے کسی بھائی کو بھی قریب نہیں آنے دیتا۔ اسی طرح دنیا وار بھی اکیلا ہی دنیا کا مالک بنا چاہتا ہے۔ کسی اپنے بھائی کو قریب نہیں پھٹکنے دیتا۔ چوتھی بات یہ ہے۔ کہ کوآ اپنے مردہ بھائی کو تے کا گوشت نہیں کھاتا۔ اور کتنا اپنے بھائی کتے کی لاش کو بھی رگڑ جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا دار بھی اپنے بھائی کا مال بھی کھا جانے میں دریغ نہیں کرتا۔ یہ وجہ ہے۔ جو حضور نے طالب دنیا کو کتنا فرمایا ہے میرے بھائیو! ایسی دنیا واقعی مردار ہے۔ اور قابل اجتناب ہے۔ آج جو غافل لوگ ناقابل اندیشی سے کام لے کر حصول دنیا میں منہمک ہیں، وہ ہوش کریں۔ اور سوچیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ یہ دنیا چند روزہ ہے۔ اور فانی ہے۔ اس کے لئے آج جو جتن کئے جاتے ہیں۔ ذرا غور تو کرو۔ کہ وہ کہاں تک جائز ہیں ہم یہ نہیں کہتے۔ کہ دنیا کے ذرائع و اسباب کو چھوڑ دیا جائے۔ اور مال و دولت کو پاس نہ آنے دیا جائے۔

بھائیو! کہنا تو یہ ہے۔ کہ دائرہ شریعت میں رہ کر جس قدر بھی دنیوی سامان پا سکتے ہو پاؤ۔ جس قدر بھی امیر بن سکتے ہو بنو۔ سب کچھ حاصل کرو۔ مگر خبردار! شریعت کے دائرہ سے قدم باہر نہ نکلنے پائے۔ جہاں شریعت سے قدم ہٹا۔ یہ دنیا ملعون و مردار ہوتی۔ آج رونا ہی اس بات کا ہے کہ لوگ دنیا کے حصول کی خاطر شریعت کو ملحوظ نہیں رکھتے۔ یہ بلیک رشوت، سود، غبن، اور پگڑی وغیرہ سب مردار اور ملعون ہے۔ اور یاد رکھو۔ کہ آج جو جو بھی ایسی حرکتیں کی جاتی ہیں۔ کل ان سب کا حساب دنیا پڑیگا۔ آج تم کہیں اندر چھپ کر کسی سے رشوت لے لو۔ لوگوں کی

نظروں میں دھول ڈال کر بن کر لو۔ خیانت کر لو۔ مگر کل قیامت کے دن یہ سب خفیہ حرکتیں اور پوشیدہ خیانتیں سامنے آ جائیں گی۔

اور نامہ اعمال تمہارے سامنے پیش کرایا جائے گا۔ جس میں ہر چھوٹی بڑی اظہار و باطن اور عیاں و نہاں حرکت لکھی ہوگی۔ اور یہ نامہ اعمال پیش کر کے کہا جائے گا :-

اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلِيكَ حَسِيبًا۔ (پہا ۲)

اپنا نامہ پڑھ۔ آج تو خود ہی اپنا حساب کرنے کو بہت ہے!

اور دوسری جگہ اللہ فرماتا ہے :-

وَوَضِعَ الْكِتَابَ فَتَرَىٰ الذُّجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ (پہا ۱۸)

اور نامہ اعمال رکھا جائے گا۔ تو تم مجرموں کو دیکھ لو گے۔ کہ

اس کے لکھے سے ڈرتے ہوں گے۔

ڈرتے اس لئے ہوں گے۔ کہ اپنا سب کا سب کارنامہ اس اعمال نامہ

میں درج ہوگا۔ حتیٰ کہ جو گناہ مخلوق سے چھپ چھپا کر کیا ہوگا۔ وہ بھی

اس میں لکھا ہوگا۔ چنانچہ جب مجرم اپنے نامہ اعمال کو دیکھے گا اور اس

میں ہر چھوٹی بڑی بات لکھی ہوئی پائے گا۔ تو کہے گا :-

يَا وَيْلَتَنَا مَا لِهَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِسُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً

إِلَّا أَحْصَاهَا وَحَدَّثَنَا مَا عَمَلُوا حَاضِرًا۔ (پہا ۱۸)

اے خرابی ہماری اس نوشتہ کو کیا ہوا۔ نہ اس نے کوئی چھوٹا

گناہ چھوڑا نہ بڑا۔ جسے گنیر نہ لیا ہو۔ اور اپنا سب کیا انہوں

نے سامنے پایا۔

نامہ اعمال پیش کر کے خدا تعالیٰ پیر فرمائے گا۔ کیوں اے بندے! اس نامہ

اعمال میں جو جو کچھ لکھا ہوا ہے۔ کیا تم نے یہ حرکتیں نہیں کیں؟ مجرم عرض

کرے گا۔ الہی! شاید میرا یہ نامہ اعمال نہ ہو۔ خدا فرمائے گا۔ نہیں یہ بات

نہیں۔ بلکہ یہ نامہ اعمال تیرا ہی ہے۔ میرے فرشتے جو میں نے تیرے اعمال

لکھنے کو تیرے ساتھ مقرر کر رکھے تھے۔ وہ غلطی نہیں کرتے۔ یہ نامہ اعمال

بالکل صحیح ہے۔ اور تیرا ہی ہے۔ مجرم عرض کرے گا۔ الہی اس پر کوئی گواہ بھی ہونا چاہیے۔ خدا فرمائے گا۔ اچھا لو گواہ بھی پیش کر دیا جاتا ہے چنانچہ وہ حصہ زمین جس پر مجرم نے گناہ کیا ہوگا۔ اس سے کہا جائے گا۔ اے زمین تو شہادت دے۔ کیا اس نے تجھ پر یہ حرکتیں کیں یا نہیں؟ چنانچہ زمین کا وہ حصہ بولے گا۔ اور کہے گا۔ الہی! جو کچھ اس نامہ اعمال میں لکھا ہے صحیح ہے۔ واقعی اس بندے نے مجھ پر یہ حرکتیں کیں ہیں۔ زمین کی اس گواہی کا ذکر اس آیت میں ہے۔

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْمِعُوا بَيْنَهُمْ

اس دن وہ (زمین) اپنی خبریں بتائے گی۔ اس لئے کہ تمہارے رب نے اُسے حکم بھیجا۔

اور اسی طرح حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے۔ کہ :-

مَا مِنْ يَوْمٍ مِنْ أَيَّامِ الدُّنْيَا إِلَّا يَقُولُ بِلِسَانِهِ يَا ابْنَ آدَمَ
أَنَا يَوْمٌ جَدِيدٌ وَأَنَا عَلَى مَا تَعْمَلُ فِيَّ شَهِيدٌ۔ یعنی دنیا
کے دنوں میں سے ہر ایک دن اپنی زبان میں یوں کہتا ہے
کہ اے آدم کے بیٹے میں ایک نیا دن ہوں۔ اور مجھ میں جو
جو کام بھی تو کرے گا۔ میں اُن کا گواہ بن جاؤں گا۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔ اے بندے! اگر تو
مزید گواہی چاہتا ہے۔ تو لے یہ تیرے اپنے اعضاء ہی اس بات کی
گواہی دیتے ہیں کہ تو نے بے شک یہ حرکتیں کیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ
مجرم کے منہ پر خاموشی کی مہر لگا کر اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ کو
حکم فرمائے گا۔ کہ تم بولو اور گواہی دو۔ کہ اس نے تمہارے ساتھ
یہ یہ کام کئے یا نہیں؟ چنانچہ قرآن میں آتا ہے۔

الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ
وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ۔ (پطع ۳)

آج ہم ان کے موہنوں پر مہر کر دیں گے۔ اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے۔ اور ان کے پاؤں ان کے کٹے کی گواہی دیں گے۔“

اس کے بعد مجرم حیران رہ جائے گا۔ اور جھنجھلا کر اپنے اعضاء سے مخاطب ہو کر کہے گا۔ کہ میں تمہارے ہی بچاؤ کے لئے تو اتنے جیلے کر رہا ہوں۔ مگر تم نے بھی میرے خلاف شہادت دے دی۔ چنانچہ دوسری جگہ قرآن پاک میں آتا ہے۔

شَهِتَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ أَبْصَارُهُمْ وَ جُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ - وَ قَالُوا لِيَجْلُدِ اللَّهُمَّ أُمَّةً شَهِدَتْ عَلَيْنَا قَالُوا أَنْطَقْنَا اللَّهَ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ (سُورَةُ بَقَرَةُ ع ۱۷۰)

ان کے کان ان کی آنکھیں اور ان کے چمڑے سب ان پر ان کے کٹے کی گواہی دیں گے۔ اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے۔ تم نے ہم پر کیوں گواہی دی۔ وہ کہیں گی۔ ہمیں اللہ نے بلوایا ہے۔ جس نے ہر چیز کو گویائی بخشی۔

اس کے بعد خداوند کریم فرمائے گا۔ کیوں اسے بندے! اب کیا خیال ہے۔ اور دیکھ ان گواہوں کے علاوہ تیری بد اعمالیوں پر۔ میں خود بھی گواہ ہوں۔ بتلا اب تو کیا کہنا ہے؟ بھائیو! سوچ لو۔ کہ اس وقت پھر مجرم کا کیا حال ہوگا؟

یہاں مادہ پرستوں کو جواب

یہاں مادہ پرست یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ صاحب! ہاتھ پاؤں اور چمڑے کا بولنا عقل میں نہیں آتا۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ ہاتھ پاؤں اور چمڑے بول سکیں۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ تم ذرا اپنے گراموفون ریکارڈ ہی کو دیکھ لو۔ وہ ریکارڈ کیا ہے؟ ایک مٹی اور مصالحہ ہی تو ہے۔ مگر جب تمہاری سائٹس کی سوتی اس پر لگتی ہے۔ تو وہ مٹی اور مصالحہ کا بے جان ٹکڑا بولنے لگتا ہے۔ گاتا

ہے۔ چلاتا ہے۔ اور طرح طرح کے شعر اور تقریریں سناتا ہے۔ تو بتاؤ۔ اس مٹی کے ٹکڑے میں یہ توتہ گویائی کیسے پیدا ہو گئی؟ اگر تمہاری سانس میں یہ طاقت ہے۔ کہ وہ ایک چھوٹی سی سوئی کے ذریعہ ایک مٹی کے بے جان ٹکڑے کو بلوا سکتی ہے۔ تو خداوند قادر و توانا میں کیا طاقت نہیں۔ کہ اپنی قدرت کی سوئی سے لہنگہ پیر اور چمڑے کو بلوا سکے؟ ہے اور یقیناً ہے۔ مگر افسوس کہ ایسے لوگ شانِ ایزدی سے بے حد غافل ہیں۔

انگوٹھے کی مثال | میرے بزرگو! ایک مثال اور سنو! — یہ جو مٹی آرڈر فارموں پر بجاتے دستخط کے

انگوٹھے کا نشان لگایا جاتا ہے۔ یہ کیا ہے! دراصل اس بات کی تصدیق کا نشان ہے۔ کہ مٹی آرڈر فارم پر درج شدہ رقم فلاں صاحب نے وصول کر لی۔ اب ذرا خیال فرمائیے۔ کہ ایک شخص نے رقم وصول کر لی۔ اور اپنا نشان انگوٹھا لگا دیا۔ مگر بعد میں وہ انکار کر گیا۔ کہ میں نے رقم نہیں لی۔ تو اب اس کو غلط ثابت کرنے کے لئے گواہی کس سے لی جائے گی۔ سب جانتے ہیں۔ کہ گواہی اس انگوٹھے سے لی جائے گی۔ یعنی اس کے انگوٹھے کا نشان اس امر کی شہادت دے گا کہ اس نے رقم وصول کر لی ہے۔ یہ جو انکار کر رہا ہے غلط کہہ رہا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس نے رقم وصول کر لی ہے۔ گویا وہ انگوٹھا بولے گا۔ اور اس انکار کنندہ کو جھوٹا ثابت کر دے گا۔ اور فیصلہ بھی انگوٹھے کی گواہی پر ہی کیا جائے گا۔ تو بھائیو! آج اگر تمہارا انگوٹھا کسی تنازعہ میں گواہی دے سکتا ہے۔ تو کل اللہ کے حکم سے یہ گواہی کیسے نہ دے سکے گا؟

مسلمانو! سب سے بڑی بات یہ ہے۔ کہ ہماری سب حرکتیں شاہد نبی | ہمارے آقا | مولیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ دیکھ لیجئے۔ خدا تعالیٰ نے حضور کو فرمایا ہے :-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا — (پتھ ۹) اسے پیارے

نبی! ہم نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا۔

اور شاہد کہتے ہیں حاضر کو۔ دیکھ لیجئے۔ نماز جنازہ میں پڑھا جاتا ہے۔

اللَّهُمَّ اغْنِرْ لِحَيَاتِنَا وَصَيَاتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبَتِنَا الْحَجَّ —

یعنی اے اللہ بخش دے ہمارے زندہ اور مردہ کو۔ اور

ہمارے حاضر اور غائب کو۔

اور شاہد دیکھنے والے کو بھی کہتے ہیں۔ دیکھ لیجئے یوں کہا جاتا ہے

میں نے فلاں چیز کا مشاہدہ کر لیا ہے۔ یعنی دیکھ لیا ہے۔ تو گویا ہمارے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر بھی ہیں اور ناظر بھی۔ اور ہمارے اعمال و حرکات

کو ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ پھر کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ ہم برے کاموں

کا ارتکاب کریں۔ اور حضور سے مطلق نہ شرمائیں۔

دن لہو میں کھونا تجھے شب صبح تک سونا تجھے

شرم نبی، خوف خدا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

ایک انگریز اور ایک بھکاری | مجھے یہاں دہلی کی جامع مسجد کا ایک واقعہ یاد

آگیا۔ یہ واقعہ میں نے ایک اردو رسالہ

میں پڑھا تھا۔ آج سے تقریباً سو سال پہلے ایک انگریز دہلی کی جامع مسجد

دیکھنے کے لئے آیا۔ جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ایک بھکاری بیٹھا تھا جس

نے انگریز سے براہ خدا کچھ مانگا۔ انگریز نے پتلون کی جیب میں لاکھ ڈالا۔

اور بٹوا نکالا۔ اور بٹوے میں سے ایک چوٹی نکال کر بھکاری کو دی۔

اور پھر جلدی سے مسجد کے اندر چلا گیا۔ بھکاری نے دیکھا۔ کہ انگریز نے

جلدی میں بٹوا جو جیب میں ڈالا۔ تو وہ بٹوا بجائے جیب کے نیچے گر

پڑا ہے۔ اور سیڑھیوں پر پڑا ہے۔ بھکاری اٹھا۔ اور بٹوا اٹھا کر انگریز

کو دینے کے لئے اس کے پیچھے دوڑا۔ مسجد کے اندر گیا۔ تو معلوم ہوا۔

کہ وہ انگریز مسجد کو دیکھ کر دوسرے دروازے سے نکل کر چلا گیا ہے

بھکاری نے بہتیری تلاش کی۔ مگر وہ انگریز نہ مل سکا۔ چہ مہینہ کے بعد

وہی بھکاری سیڑھیوں پر اپنی جگہ بیٹھا تھا۔ کہ وہی انگریز بازار میں جاتا ہوا اسے نظر آیا۔ بھکاری فوراً اٹھا۔ اور اس انگریز کے پاس پہنچ کر وہی بٹوا پیش کرتے ہوئے بولا۔ کہ صاحب! آج سے چھ ماہ قبل آپ جامع مسجد دیکھنے کو آئے تھے۔ اور مجھے بھیک دیتے ہوئے آپ نے یہ بٹوا نکالا تھا۔ اور پھر جلدی میں جو جیب میں ڈالا۔ تو یہ نیچے گر گیا تھا۔ میں نے آپ کی اسی دن بڑی تلاش کی تھی۔ مگر آپ نہ مل سکے تھے۔ آج اتفاقاً آپ نظر آ گئے۔ اور میں آپ کی امانت لے کر حاضر ہو گیا ہوں۔ انگریز حیران رہ گیا۔ اور بٹوہ جو کھول کر دیکھا تو ساری نقدی اس میں محفوظ تھی وہ اور بھی متعجب ہوا۔ اور پوچھا۔ تم چاہتے تو اسے رکھ بھی سکتے تھے مجھے تو علم ہی نہ تھا۔ کہ تم نے اسے اٹھایا ہے۔ پھر اس امانت و دیانت کی کیا وجہ ہے؟ بھکاری نے جواب دیا۔ بات یہ ہے صاحب! آپ عیسائی ہیں۔ اور میں مسلمان ہوں۔ آپ کے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اللہ کے پاس ہیں۔ اور میرے پیغمبر حضور علیہ السلام بھی اللہ کے پاس ہیں۔ مجھے بٹوہ اٹھاتے ہوئے اور کسی نے تو نہ دیکھا تھا۔ مگر اللہ نے ضرور دیکھا تھا۔ میں نے سوچا۔ کہ اگر میں نے یہ بٹوہ رکھ لیا۔ تو اللہ تعالیٰ میرے پیغمبر سے فرمائے گا۔ دیکھ لے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تیرے امتی نے عیسیٰ (علیہ السلام) کے ایک امتی کا بٹوہ رکھ لیا ہے۔ تو میرے پیغمبر کو اس شکایت سے رنج و ملال ہوگا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے انہیں ندامت ہوگی۔ بس اسی خیال سے میں یہ بٹوہ اسی روز سے سنبھالے ہوئے ہوں۔

دیکھتے حضرات! ایک زمانہ تو یہ تھا۔ کہ ہمارے بھکاری امانت دار تھے۔ اور آج وہ زمانہ ہے۔ کہ بڑے بڑے بھی خائن ہیں اگر آج کوئی ایسی چیز مل جائے۔ تو اسے مال غنیمت سمجھ کر ہڑپ کر جاتے ہیں۔ عربی زبان میں "بیت المال" کا معنی ہے۔ "مال کا گھر" مگر آج کل ہمارے "امینوں" نے اس کا معنی یہ کر رکھا ہے۔ "گھر کا مال" چنانچہ

اس چیز کو میں نے ایک بیانی میں لکھا ہے۔ کہ
 آپ کا افسوس کیا، اور شکایت کس لئے
 اپنی اپنی ہے سمجھ اور اپنا اپنا ہے خیال
 کیا ہوا گر مال بیتا المال میں پہنچا نہیں
 معنی "بیتا المال" کا لیڈر نے سمجھا "گھر کا مال"

پہر حال بھائیو! اس دنیا میں منہمک ہو کر خلاف شرع حرکات کا
 ارتکاب کر کے اس بات سے مطمئن نہ ہو جاؤ۔ کہ تمہیں ان حرکات کا
 جواب نہ دینا پڑے گا۔ اور تمہاری ایسی حرکات پر اگر تمہاری چالاکیوں
 سے یہاں گرفت نہیں ہو سکی۔ تو کل بھی گرفت نہ ہوگی۔ یاد رکھو کل
 کا دن حساب کا دن ہے۔ جو کام یہاں کرو گے۔ اچھا یا بُرا۔ کل اس
 کا انجام ضرور دیکھو گے۔ یہ دنیا مثل ایک کھیتی کے سمجھو۔ آج اس
 میں جو بھی بوڑھے۔ کل وہی کاٹو گے۔ چنانچہ ایک پنجابی شاعر
 لکھتا ہے

دنیا کھیتی آخر سیتی، خود حضرت فرما سے
 جیہا اس وچہ نیجے کوئی تہیا ہی پھل پاوے
 جے توں اس وچہ محنت کر کے بجیہ اچ دھاڑے
 بھلکے تیرے تائیں ہوسن بول تے کھاوارے
 بیج صدق دا بہتا پاش، چنگی کریں بیانی
 جو کچھ بجیہ چکا بجیہ بُرا نہ بجیہ بھائی

حضرات! یہ دنیا جسے رب نے صرف کیوں کر
 دنیا میں دل نہ لگاؤ

بیان فرمایا ہے۔ اس میں اپنا دل نہ لگاؤ۔ اس
 میں اس طرح دل لگا لینا۔ کہ خدا یاد ہی نہ رہے۔ بہت بُرا ہے۔ اور اس کا
 نتیجہ بُرا ہی ہولناک ہے۔ دنیا کو حاصل کرو اور اسے استعمال کرو۔ مگر
 خدا کو کسی حال میں کبھی نہ بھولو۔ دنیا بُری نہیں ہے۔ اسے بُرا بنا لیا
 جاتا ہے۔ اگر شریعت کے مطابق اسے حاصل کیا جائے۔ اور خرچ کیا

جلئے۔ تو دنیا اچھی دنیا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے۔ جیسے کشتی کے لئے پانی ضروری ہے۔ پانی نہ ہو تو کشتی کا تیرنا مشکل ہے۔ مگر یہ پانی کشتی سے باہر باہر رہے تو اسے تیراٹیکا۔ اور اگر یہی پانی کشتی کے اندر آجائے۔ تو اسے لے ڈوبے گا۔ اسی طرح دنیا انسان کے لئے بھی درکار ہے۔ اگر روپیہ پیسہ نہ ہو۔ تو حج کیسے کیا جائے۔ زکوٰۃ کیسے دی جائے۔ غریب و مساکین کی خدمت کیسے کی جائے۔ گویا یہ روپیہ پیسہ ان نیک کاموں کے پورا کرنیکا ایک ذریعہ ہے۔ مگر یہ روپیہ پیسہ اگر دل سے باہر باہر رہا تو انسان کو تیرا گیا۔ اور اگر مثل قارون کے اس کی محبت دل کے اندر سما گئی۔ تو سمجھو بڑا غرق ہوا۔

بھائیو! اس دنیائے فانی میں محو ہو کر عاقبت کو بھول جانا
عربی اشعار سب سے بڑی غفلت ہے۔ موت ہمارے پیچھے لگی ہوئی ہے

کس قدر انوس کا مقام ہے۔ کہ مرنے کا خیال تک بھی باقی نہ رہا۔ اور اس دنیائے فانی کو ہی سب کچھ سمجھ لیا گیا ہے۔ حضرت ابن جریر عسقلانی فرماتے ہیں۔

يَا مَنَّا بِدُنْيَاكَ اَسْتَعْل
 اَوْلَمْ يَزِلُّ فِي غَفْلَتِهِ
 اَلْمَوْتُ يَاتِي بَغْتَةً
 قَدْ غَدَا طَوْلُ الْاَمَلِ
 حَتَّى دَخِلَ مِنْهُ الْاَجَلُ
 وَالْقَابِرُ صِنْدُوقُ الْعَمَلِ

مطلب ان اشعار کا یہ ہے۔ کہ اسے دنیا میں مشغول و منہمک ہو جانے والے اور حرص و آز کی قید میں مغرور و غافل ہو جانے والے تیری غفلت کی بھی کوئی انتہا ہے۔ موت قریب ہے۔ اور تو غفلت میں پڑا ہے۔ یاد رکھ! موت اچانک آجانے والی ہے۔ اور قبر میں تجھے جانا پڑے گا۔ جس میں عمل ہی کام آئیں گے۔

عبرتناک اشعار ایک شاعر کہتا ہے۔ کہ مجھے ایک بار میری خواہش و حرص نے

اور عیش و عشرت کی دنیا بسا۔ یہ عاقبت کا خیال اور انجام کی فکر چھوڑ اور خوب مزے اڑا۔ واعظوں کے پند و نصائح کو پس پشت ڈال۔ اور ہر

قسم کا فکر و غم دل سے نکال۔ جامِ دے کو ہاتھ میں لے اور سرور و
کیف کی دنیا میں کھو جا۔ چنانچہ وہ شاعر لکھتا ہے

کل ہوس اس طرح سے ترغیب تھی تھی مجھے

کیا زمین طوس اور کیا مرزین روس ہے

گر طیسر ہو تو کیا عشرت سے کیجے زندگی

اس طرف آواز طبل اور صرمدائے کوس ہے

صبح سے تا شام چلتا ہوئے گلوں کا دور

شب ہوئی تو ماہر لوہوں سے کنار دوس ہے

شاعر کہتا ہے کہ میری حرص ہوس نے جب مجھے عیش و عشرت اور

ناعاقبت اندیشی و غفلت پر ابھارا۔ اور میں اس کیلئے تیار ہو گیا۔ تو وہ

ناگہاں عبرت بکاری اک تماشہ میں تجھے!

چل دکھاؤں تو تو قید آرز کا مجوس ہے

عبرت نے میرے کان پکڑ لئے اور مجھ سے کہا کہ عیش و عشرت کی

زندگی اختیار کرنے سے پہلے تو میرے ساتھ چل۔ میں تمہیں ایک تماشہ

دکھاؤں گی۔ وہ منظر و تماشہ دیکھ لینے کے بعد پھر تجھے اختیار ہے۔ جو

چلے کرنا۔ شاعر کہتا ہے میں نے کہا اچھا چل لے چل

لے گئی یکبارگی گیرِ غریباں کی طرف!

جس جگہ جانِ تمنا سو طرح مایوس ہے!

مقرب درتین دکھلا کر مجھے کہنے لگی!

یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ ایکائوس ہے

پوچھ تو ان سے کہ چاہ و حشمتِ دنیا ہے آج

کچھ بھی ان کے ساتھ غیر از حمت و افسوس ہے

شاعر کہتا ہے کہ میں نے یہ عبرت ناک نظارہ دیکھا اور بچہ متاثر

ہوا۔ اور اپنے عیش و عشرت اور غفلت کے ارادہ سے باز آ گیا۔

سہما لو! خوب یاد رکھو یہ دنیا فانی ہے اور ایک دن اس کا چھوڑ

کر مرنے ہے۔ اپنی عاقبت کی فکر کرو۔ اور دنیا کے عیش و آرام میں پڑ کر موت اور خدا کو مت بھولو۔ یہ عقلمند بہت بُری ہے۔ اور اس کا نتیجہ بُرا ہونا ہے۔

ممکن ہے۔ نئی تہذیب کے شیدائی اس موقع پر یہ کہنے

مغربی قومیں

لیگیں۔ کہ یہ مولوی بھی عجیب خیال کے لوگ ہیں۔ مغربی قوموں کو دیکھو۔ کس طرح عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور پھر ترقی و عروج بھی انہیں حاصل ہے۔ مگر یہ مولوی ہمیں اس دنیا کی عیش و عشرت سے روکتے ہیں۔ بھائیو! تمہیں عیش و آرام کی زندگی سے کون روکتا ہے۔ مولوی تو یہ کہتے ہیں۔ کہ شریعت کے دائرہ میں رہ کر جو جائز عیش ہے۔ وہ حاصل کرو۔ آرام کی زندگی بسر کرو۔ مگر دائرہ شریعت سے باہر مت نکلو۔ مولوی تمہیں شریعت کی پابندی کی تاکید کرتے ہیں۔ شریعت کا دامن چھوڑ کر جو بھی عیش و عشرت ہے وہ ناجائز ہے۔ اور موجب تباہی و بربادی ہے۔ یہ بلیک و رشوت، سود اور پگڑیاں، سب شریعت کے خلاف ہیں۔ ان چیزوں کو مغربی قومیں اگر اپناتی ہیں۔ تو اپناتی ہیں۔ مگر جو مسلمان ہے۔ اسے ان چیزوں سے اجتناب کرنا ہی پڑیگا۔ اور پھر ایک اور بات بھی ہے۔ کہ جس طرح سب کی شکلیں الگ الگ، اور عادات و اطوار الگ الگ ہیں۔ اسی طرح مزاج بھی سب کے الگ الگ ہیں۔ کافر کا مزاج اور ہے اور مسلمان کا مزاج اور ہے۔ ترقی و عروج پانے کے لئے ہم کافروں ہی کی طرف کیوں دیکھیں۔ کہ ان لوگوں نے ترقی کیسے پائی۔ اپنے بزرگوں کی طرف کیوں نہ دیکھیں۔ جنہوں نے شریعت کے دائرہ میں رہ کر ترقیاں حاصل کیں۔ یہ بلیک، رشوت، اور سود وغیرہ حرام چیزیں کافر کے لئے موجب ترقی ہوں تو ہوں۔ مگر مسلمان کے لئے یہ چیزیں ہرگز موجب ترقی نہیں ہو سکتیں۔ چنانچہ ایک لطیفہ سنئے۔ ایک حکیم جی کا کسی گاؤں میں گذر ہوا۔ تو دیکھا۔ ایک گنوار نے چنے کی موٹی موٹی روٹیاں سات آٹھ

لطیفہ

کہا میں۔ اور ان پر ایک بہت بڑا لٹی کا بھرا ہوا پیالہ ٹھانٹ پی لیا۔ حکیم صاحب نے کہا۔ اب تیری خیر نہیں لٹی کو درمیان میں پینا چاہیے تھا۔ یہ سن کر گنوار نے روٹی لانے والے کو آواز دی۔ کہ ارے چار روٹ اور لے آ۔ حکیم یوں کہتا ہے۔ کہ لسی کو بیچ میں کر لے۔ میں بیچ میں کر لوں۔ چنانچہ چار موٹی موٹی روٹیاں آگئیں۔ اور گنوار نے وہ بھی صاف کر دیں۔ اور حکیم صاحب سے کہا۔ بس اب تو لسی بیچ میں ہو گئی۔ حکیم جی یہ منظر دیکھ کر کہنے لگے۔ بھائی تو چاہے بیچ کر یا اوپر حکمت کا قاعدہ تیرے لئے نہیں ہے۔ جس کا معدہ ہی اس قسم کا ہو۔ اس کے لئے سب جائز ہے۔ مگر کوئی شہری ایسا نہیں کر سکتا، بعینہ کافر کا مزاج ہی اس قسم کا ہوتا ہے۔ کہ بلیک، رشوت، سود اور سور وغیرہ سب حرام چیزیں اسے راس آ جاتی ہیں۔ مگر مسلمان کا مزاج مزاج لطیف ہے۔ اس قسم کی حرام چیزیں اس کے لئے بجائے فائدے کے نقصان دہ ثابت ہوں گی۔ اور شریعت کے قاعدے کافر کے لئے نہیں۔ مسلمان کے لئے ہیں۔ پھر جو لوگ ان حرام چیزوں کے استعمال کرنے کے عادی ہیں۔ وہ سوچ لیں کہ وہ مزاج مسلمانوں کا رکھتے ہیں یا کافروں کا۔

ترقی کا ہیضہ | میرے بھائیو! مغربی قوموں نے جو بھلے نام ترقی حاصل کی ہے۔ یہ ترقی کیا ہے۔ دراصل ترقی کا ہیضہ ہے۔ عورت کو اس طرح آزاد کر دینا کہ جس کے ساتھ چاہے چلی جائے۔ کلب میں رات بھر ناچتی رہے۔ خاوند کی پروا تک نہ کرے کیا یہ ترقی ہے؟ نہیں۔ نہیں یہ تو انتہائی بے غیرتی ہے۔ یورپ کی اس قسم کی ترقی آج برائے نام مسلمان بھی حاصل کرنے چاہتے ہیں۔ مالا مال یہ ترقی تو ترقی کا ہیضہ ہے۔ مریض ہیضہ کی حرارت کم اور تبض سست پڑ جاتی ہے مریض ترقی کی بھی اسلامی حرارت کم اور دینی تبض سست پڑ جاتی ہے مریض ہیضہ کو اہمال لگ جاتے ہیں۔ اور سست آنے لگتا ہے۔ مریض

ترقی کو بھی الحاد کے اسہاں لگ جاتے ہیں۔ اور ازداد کی ترقی آنے لگتی ہے۔ مریض ہسینہ کی پیاس نہیں بھتی۔ مریض ترقی کی بھی پیاس نہیں بھتی۔ حتیٰ کہ رمضان شریف میں بھی پیتا ہے۔ اور غریبوں کا لہو بھی پیتا ہے۔ مریض ہسینہ پلنگ پر تڑپتا ہے۔ اور مریض ترقی کلب میں ناچتا ہے۔ مریض ہسینہ چھینتا چلاتا ہے۔ مریض ترقی قلمی گانے گاتا ہے۔ مریض ہسینہ ایک متعدی قسم کا مرض ہے۔ مرض ترقی بھی ایک متعدی مرض ہے۔ چنانچہ میاں کو یہ مرض لگ جائے۔

تو ہوی بچے بھی اس مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے

خصوصاً اس ترقی کی وبا سے

بھائیو! یہ دنیا بڑی بے وفا ہے۔ چنانچہ ایک حکایت ہے

بے وفاد دنیا

کہ ایک بڑا امیر آدمی جو نشہ دولت میں بڑا مغرور

تھا۔ اور خدا کو بھولا ہوا تھا۔ عید کے روز اپنی بیگم صاحبہ کیساتھ کھانا

کھانے بیٹھا۔ تو دروازے پر ایک سائل آگیا جس نے بڑی عاجزی

سے سوال کیا اور کہا۔ دو دن سے بھوکا ہوں۔ آج عید کا دن ہے۔

خدا را مجھے کھانا کھلاؤ۔ امیر آدمی اس سائل کی آواز سن کر بڑا غصے

میں آگیا۔ اور کہنے لگا۔ یہ سائل کجنت عید کے دن بھی بیچھا نہیں

چھوڑتے۔ پھر نوکر کو بلایا۔ اور اس سے کہا۔ کہ اس فقیر کو دھکے دے

کہ دروازے سے نکال دو۔ چنانچہ نوکر نے ایسا ہی کیا۔ اور فقیر کو

دھکے دے کر نکال دیا۔ اس امیر کی یہ مغرورانہ حرکت خدا کو پسند

نہ آئی۔ اور خدا کی غیرت جوش میں آئی۔ کچھ دنوں بعد اس امیر آدمی

کے کاروبار میں نقصان واقع ہونا شروع ہوا۔ اور اس کی تمام جائداد

اسی خسارے کے کام آنے لگی۔ آج یہ دکان ہفتے سے نکلی تو کل وہ

دکان قبضہ سے گئی۔ حتیٰ کہ کچھ دنوں کے بعد اس شخص کی ساری

جائداد نیلام و ترق ہو گئی۔ اور وہ پانی پانی کا محتاج ہو گیا۔ خدا کی

شان، چند روز پہلے جو بڑا امیر آدمی تھا۔ وہ آج مفلس و تلاش ہو گیا۔ اور اسے فلتے پر فلتے آنے لگے۔ ایک دن اس کی بیوی نے کہا کہ اب تو آپ اپنی روٹی بھی مہتیا نہیں کر سکتے۔ پھر مجھے کیوں ساتھ ساتھ لٹکائے پھر رہے ہو۔ مجھے طلاق دے دیجئے۔ تاکہ میں کسی دوسرے سے نکاح کر کے اپنی زندگی تو آرام سے گزاروں۔ چنانچہ اس شخص نے اپنی بیوی کو بھی طلاق دے دی۔ اور وہ بالکل تنہا رہ گیا۔ اس بیوی نے عدت گزار کر کسی دوسرے امیر آدمی سے نکاح کر لیا۔ ایک سال کا عرصہ گزر گیا۔ اور پھر عید کا دن آیا۔ اور یہ عورت اپنے دوسرے شوہر کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھی۔ خدا کی شان یہی عورت پچھلے سال کی عید کے دن پہلے خاوند کے ساتھ کھانا کھا رہی تھی۔ اور آج اس عید کے دن دوسرے خاوند کے ساتھ بیٹھی کھانا کھاتی نظر آئی۔

(تفاقہ دیکھئے۔ کہ ان کے دروازے پر بھی ایک فقیر آ گیا۔ اور اس نے بڑی عاجزی سے کہا۔ کہ میں چار روز سے بھوکا ہوں۔ خدا راجھے کھانا دیجئے۔ اس دوسرے شوہر نے اپنی بیوی سے کہا۔ کہ پہلے اس فقیر کو کھانا بھجواؤ۔ ہم پھر کھا لیں گے۔ چنانچہ بیوی اٹھی۔ اور اتفاقاً اسکی نظر دروازے پر کھڑے فقیر پر پڑ گئی۔ اور اسے دیکھتے ہی چیخ مار کر گر گئی۔ اور بیہوش ہو گئی۔ شوہر دوڑا اور منہ پر پانی کے چھینٹے دے کر اسے ہوش میں لایا۔ اور اس سے پوچھا۔ کہ تم بیہوش کیوں ہو گئی اور یہ کیا قصہ ہے؟ بیوی نے روتے ہوئے جواب دیا۔ یہ جو باہر فقیر کھڑا ہے۔ یہ پچھلے سال میرا شوہر تھا۔ اور میں اس کی بیوی۔ گذشتہ سال کی عید کے دن ہم دونوں کھانا کھا رہے تھے۔ کہ ہمارے دروازے پر ایک فقیر آ گیا۔ اس نے نشہ دولت میں آکر اُسے دھکے دے کر نکلا دیا۔ آج یہ اپنے اس غرور کی سزا بھگت رہا ہے۔ کہ خود در بدر کی بھیک مانگ رہا ہے۔ شوہر بولا۔ اچھا یہ بات ہے۔ تو لوٹ کی شان بے نیازی کا ایک اور بھی نظارہ کر لو۔ مجھے پہچانو۔ میں کون ہوں؟ دیکھو میں وہی فقیر ہوں۔ جسے تمہارے

خاوند نے دھکے دے کر نکلوا دیا تھا۔ خدانے تمہارے خاوند کی جگہ مجھے بٹھا دیا۔ اور میری جگہ تمہارے اس پہلے خاوند کو بٹھا دیا ہے۔

دوستو! دیکھا آپ نے اس دنیا کی ناپائیداری اور بے وفائی کو۔ علیحضرت

فاضل بریلوی نے کیا خوب لکھا ہے۔

شہد دکھائے زہر پلائے قاتل ڈاٹن شوہر گشن

کس مردار پہ تو لچایا، دنیا دیکھی بھالی ہے

حضرات! دنیا میں انہماک اور مال و دولت میں

محویت سے خدا کا پانا بہت مشکل ہے۔ چنانچہ مولانا

رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں سلطان ابراہیم

سلطان ابراہیم
ابن ادہم کی حکایت

ابن ادہم کی حکایت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔

بر سر تختے شنید آں نیک نام

طفلقے و ہائے ہوئے شب زبام

یعنی تخت پر لیٹے ہوئے سلطان ابراہیم نے کوٹے پر رات کے

وقت کھٹ پٹ اور شور و غل سنا۔

گامہائے تند بر بام سرا!

گفت با خود این چنین زہرہ کرا

گھر کے کوٹے پر بہت زور سے قدم سنے تو اپنے دل سے کہنے لگے

کہ اتنی مجال کس کی ہے۔ مطلب یہ کہ ایک مرتبہ رات کو حضرت

ابراہیم ابن ادہم شاہی مسند پر سو رہے تھے تو انہوں نے چھت پر کسی

کے پاؤں کی آواز سنی۔ کہ خوب زور سے کھٹ پٹ کرتا پھپٹا پر پھر

رہا ہے۔ تو انہوں نے اپنے دل میں کہا۔ کہ اسے یہ کون ہے؟ اور

کس کی بہت ہے کہ میں بادشاہ وقت ہوں۔ اور پھر یہ رات کو اس طرح

چھت پر بے دھڑکے پھر رہا ہے۔

بانگ زد بر روزنِ قصر او کہ کیست

ویں نباشد آدمی مانا پر کیست

انہوں نے محل کی کھڑکی میں سے آواز دی کہ کون ہے، یہ آدمی تو ہے نہیں۔ شاید جن ہے۔ ۵

سرفرو کر دند قوے بو العجب

ماہمی گردیم شب بہر طلب

ایک عجیب قوم یعنی فرشتوں نے سر ٹھکایا۔ اور کہا کہ ہم رات کو تلاش میں پھر رہے ہیں۔ حضرت سلطان ابراہیم نے دریافت کیا۔ ۵

ہیں چہ سے جو نیند گفتند اشتران!

گفت اشتر بام بر کہ جست لای

کیا ڈھونڈ رہے ہو؟ تو وہ بولے کہ اونٹ ڈھونڈ رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ ارے اونٹ کو کوٹھے پر کس نے ڈھونڈا ہے۔ مطلب

یہ کہ اونٹ کو کوئی کوٹھے پر بھی ڈھونڈتا ہے۔ وہ یہاں کیسے مل سکتا

ہے۔ بالکل بے جوڑ سی بات ہے۔ ۵

پس بگفتندش کہ تو بر تخت و جاہ

چو ہنسی جوئی ملاقات الہ!

انہوں نے جواب دیا کہ تم جاہ و دنیا کے تختہ پر خدا کی ملاقات کی

کس طرح تلاش کرتے ہو؟ مطلب یہ کہ اگر ہمارا اس جگہ اونٹ تلاش

کرنا بے جوڑ ہے۔ تو اسی طرح تمہارا تخت و تاج اور مال و دولت میں

رہ کر خدا کی تلاش کرنا بھی ایسا ہی بے جوڑ ہے۔ یہاں کوئی صاحب

یہ شبہ نہ کریں۔ کہ خدا کو پالنے کے لئے تخت و تاج اور امارت و

دولت کا نہ ہونا ضروری ہے۔ نہیں یہ بات نہیں۔ میں کہہ چکا۔ کہ

دنیا وہ بری ہے۔ جس میں محو ہو کر خدا کو بھلا دیا جائے۔ اور اگر دنیا میں

رہ کر خدا کی یاد بھی بدستور قائم رہے۔ تو وہ دنیا بری نہیں۔ حضرت

سلطان ابراہیم کے واقعہ سے یہ بتانا مقصود ہے۔ کہ تخت و تاج میں

انہماک اور مال و دولت میں محویت یہ وصال حق میں محل ہے چنانچہ

اس کے بعد حضرت سلطان ابراہیم ادہم علیہ الرحمۃ کے دل پر کچھ ایسا

اثر ہوا۔ کہ آپ نے تخت و تاج کو چھوڑ کر کیسوتی کے ساتھ طلبِ حق شروع کر دی۔ اور پھر آپ اپنے مقصد میں اس حد تک کامیاب ہوئے کہ ایک خدائی پر آپ کی روحانی حکومت قائم ہو گئی۔ اور بحر و بر میں آپکا روحانی سکد چلنے لگا۔ چنانچہ آپ ایک دن دریا کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔ اور اپنی پرانی گڈڑی درست کر رہے تھے۔ اتفاقاً اس طرف سے آپ کا جو کبھی وزیر رہ چکا تھا۔ آنکلا۔ آپ کو اس حالت میں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور عرض کیا ہے

ترک کردہ ملک ہفت اقلیم را

میزند بر دلق سوزن چوں گدا

آپ ہفت اقلیم کی سلطنت کو ترک کر کے اب گڈڑی کو
فقروں کی طرح سی رہے ہیں۔

شیخ سوزن زود در دریا ننگد

خواست سوزن را باواز بلند

حضرت ابراہیم ابن ادہم نے یہ بات سن کر اپنی سوئی دریا میں پھینک دی۔ اور پھر آواز دی۔ میری سوئی لاؤ۔
وہ وزیر یہ بات دیکھ کر دل میں کہنے لگا۔ کہ لو یہ نئی بات اور سنو! بھلا سوئی دریا میں گری ہوئی کبھی واپس بھی ملی ہے؟ لیکن اس نے دیکھا کیا؟ مولانا فرماتے ہیں کہ

صد ہزاراں ماہی اللہے

سوزن زرد بر لب ہر ماہیے

سر بر آوردند از دریائے حق

کہ بگراے شیخ سوزنہائے حق

ہزاروں مچھلیاں آپ کی آواز سنتے ہی اپنے مونہوں میں سونے کی
سوںیاں لے کر آئیں۔ اور باہر گردن نکال کر کہا۔ حضرت سوئی لیجئے!
وہ وزیر یہ عجیب نظارہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ پھر حضرت ابراہیم

نے اس وزیر کو دیکھا اور کہا ہے

رو بدو کرد و بگفتش اے وزیر!

ملک حق بہ یا چین ملک حقیر!

آپ نے اس وزیر کو دیکھ کر فرمایا۔ اب بتاؤ کہ یہ روحانی و حقانی

بادشاہت اچھی ہے یا وہ فانی بادشاہت؟

دیکھا آپ نے؟ حضرت ابراہیم ابن ادہم نے خدا کی طلب میں اس

دنوی حکومت کو ترک فرمایا۔ تو خدا نے ان پر کس قدر انعام فرمایا۔

کہ اب دریا کی پھلیوں پر بھی حکم چلنے لگا۔

الغرض

میرے بھائیو! دنیا میں انہماک اور ناواقفیت اندیشی کو ترک کرو

اور اللہ کی یاد میں اپنے دن رات گزارو۔ اس دنیا میں رہو۔ لیکن

اپنے خالق کو نہ بھولو۔ یہ دنیا فانی ہے۔ فانی چیز سے دل لگایا۔ تو

نہ یہ چیز رہے گی۔ نہ تم رہو گے۔ رب باقی سے دل لگایا۔ تو اس کی

یاد کے صدقہ میں تم بھی حیات ابدی حاصل کر لو گے۔ اللہ تعالیٰ آپ

کو بھی اور مجھے بھی اپنی یاد کی توفیق عطا فرمائے۔ اور اس دنیا کی

ایسی محبت سے جس سے خدا فراموشی پیدا ہو، بچائے۔

امین

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَدْرِكَهُ لَوْلَا إِذْنُ رَبِّنَا

بارتھوان وعظ

بیکمیل اسلام

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ

امابعد

تَعَاوَدَ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ

تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُوا إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ^(پہا ۲۴)

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ جیسا اس سے
ڈرنے کا حق ہے۔ اور ہرگز نہ مرنا۔ مگر مسلمان“

حضرات! اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خطاب فرما
کر، دو باتوں کا حکم دیا ہے۔ ایک تو اس بات کا کہ خدا کا خوف اور
ڈر پیدا کیا جائے۔ دوسرے اس بات کا کہ مسلمان زندہ رہے تو مسلمان
بن کر اور مرے بھی تو مسلمان ہی رہ کر۔ گویا آیت مذکورہ میں، تقوے
اور اسلام ان دو چیزوں کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

بھائیو! مسلمان کا ایمان ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق مالک موجود ہے۔ جس نے سارے عالم کو پیدا فرمایا ہے۔ وہ بڑی طاقت کا مالک ہے۔ انسان کو اس نے چند روزہ عمر عطا فرما کر اس دنیا میں بھیجا ہے اور اسکی ہدایت کے لئے اپنے آخری رسول حضور سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے۔ جو خدا کی آخری کتاب قرآن پاک ساتھ لائے ہیں۔ اللہ نے اس آخری رسول و آخری کتاب کے ذریعہ انسان کو ہدایت فرمائی ہے۔ کہ وہ خدا کی مرضی کے مطابق اپنی چند روزہ زندگی گزار دے۔ تاکہ خدا اس پر راضی ہو۔ اور اس کی مرضی کے خلاف ایک قدم بھی نہ اٹھائے تاکہ وہ ناراض نہ ہو۔ اور اس حقیقت کا اعلان فرما دیا ہے۔ کہ اس چند روزہ عمر کے بعد موت آنے والی ہے۔ اور مرنے کے بعد اپنے خالق کے حضور پیش ہو کر اپنی عمر کے ایک ایک دن کا حساب دینا پڑے گا بھائیو! جب یہ حقیقت ہے اور مسلمان کا اس حقیقت پر ایمان ہے تو اس پر لازم ہے۔ کہ وہ اپنی اس مختصر سی عمر میں کوئی ایسا کام نہ کرے۔ جو خدا کی مرضی کے خلاف ہو۔ اور کل قیامت کے دن جسکی وجہ سے ندامت اٹھانی پڑے۔ اور سزا بھگتنی پڑے۔ اللہ کے حضور پیش ہونے کے خیال سے ہر وقت اللہ سے ڈرتا رہے۔ اور کوئی لمحہ ایسا نہ گزارے۔ جس میں خدا کا خوف شامل حال نہ ہو۔ خدا تعالیٰ نے آیت مذکورہ میں پہلے اسی بات کا ارشاد فرمایا ہے۔ اور فرمایا ہے۔ کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ جیسا ڈرنے کا حق ہے۔

کمال تقویٰ جیسا ڈرنے کا حق ہے۔ اس جملہ سے کمال تقویٰ کا درس دیا ہے یعنی برائے نام ڈرنا نہ ہو۔ بلکہ پورا پورا اور کامل طور پر ڈرنا پایا جائے۔ جیسے کسی کمرہ صاف کرنے والے سے کہا جائے۔ دیکھو میاں! کمرہ ایسا صاف کرنا جیسا صاف کرنے کا حق ہے۔ یعنی کمرہ میں کوئی تنکا تک باقی نہ رہ جائے۔ یا جیسے کوئی جنٹلمین نائی سے یوں کہے۔ دیکھو میاں! ڈارھی یوں مونڈنا جیسے وارڈھی مونڈنے کا حق ہے۔ یعنی چہرے پر ایک

بال بھی نظر نہ آئے۔ چنانچہ وارٹھی منڈلنے والے جنٹلمینوں کے رخ دیکھ لیجئے
کیا کوئی ایک بال بھی نظر آتا ہے؟ وارٹھی کا یا موچھے کا؟ بالکل نہیں۔
بالکل صاف اور فارغ البال ہے

الہی نیچریت ہے کہ کوئی بالخوارہ ہے!!
سرمو بھی نہ رکھا جس نے وارٹھی کا پتہ باقی!
مردیوں پر جو پیرا دست شفقیت پر نیچر نے
نہ رکھا دونوں گالوں پر پتا بھی بال کا باقی

پھر لطفت یہ کہ منہ پر ”اک بال“ بھی نہیں اور مانگتے اقبال ہیں۔

میں نے ایک رباعی میں لکھا ہے یہ

اقبال نہیں ملتا جو تجھے کچھ ضد نہیں تجھ سے قدرت کو
اقبال کے قابل ہی لیکن اب تیرے رہے اعمال نہیں
ہر بال سے ہو اسلام عیاں پھر کیوں نہ ملے اقبال تجھے
اقبال کی رٹ ہے منہ سے بہت چہرے پر مگر اک بال نہیں

الغرض کسی بات کو کما حقہ کرنے کا یہ معنی ہے۔ کہ اسے کامل طور پر
کیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتا ہے۔ کہ ڈرو اللہ سے جیسا ڈرتے کا حق
ہے۔ یعنی کامل طور پر ڈرو۔

میرے بزرگو! خدائے برتر و توانا سے خوف و خشیت ایک
علماء کرام | بہت بڑی اہم چیز ہے۔ اور یہ چیز علم والوں میں پائی جاتی

ہے۔ چنانچہ خدا خود ارشاد فرماتا ہے کہ:-

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ — (پہلے ۱۶)

اللہ سے اسکے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

دیکھ لیجئے۔ خدا خود اس بات کا اعلان فرما رہا ہے۔ کہ علماء کرام خدا سے
ڈرنے والے ہیں۔ مگر افسوس کہ آج طبقہ جہلا علماء کرام پر پھبتیاں کستا ہے
اور علماء کرام کو برا بھلا کہتا ہے۔ حالانکہ خدا سے ڈرنے والے ہی لوگ
ہیں۔ اور خشیت الہی اپنی کا حصہ ہے اور یہی لوگ ہیں۔ جو دوسروں کو

اللہ سے ڈرنے کا درس دیتے ہیں۔ مگر ظالم اور بے خوف لوگ جب اللہ ہی سے نہیں ڈرتے پھر کیوں نہ علماء کرام کو برا بھلا کہیں۔

میرے بزرگو! یہ جو آجکل بلیک۔ رشوت۔ سود۔ غبن۔ بدمعاشی۔ عیاشی۔ بد اخلاقی و فحاشی اور عریانی عام ہے۔ یہ سب خدا سے نہ ڈرنے کے نتائج بد ہیں۔ اور آپ تجربہ کر لیجئے۔ کہ ان سب امور کا ارتکاب وہی کرتے ہیں۔ جو عالم نہیں ہیں۔ "مولوی" خدا کے فضل سے کبھی فحاشی و عیاشی میں نہ پڑا ہے نہ پٹے گا۔ کیا کبھی آپ نے کسی مولوی کو بھی اپنی بیوی کو ننگے منہ پھراتے، اپنے دوستوں سے ملاقات کراتے، اور کلب میں پختے دکھا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ تو شایان شان مسٹر ہی ہے۔ جس کے متعلق میں نے ایک نظم میں لکھا ہے۔

ادھر وائف رہی شب بھر کلب میں؛ ادھر صاحب رہے گھر میں اکیلے

وہی لڑکی مہذب آج کل ہے؛ جو دیکھے کھیل اور پولو بھی کھیلے

لطفیہ | میں جس زمانہ میں راولپنڈی آرسلنل میں خطیب تھا۔ ایک شب مری روڈ پر تقریر کر رہا تھا۔ کہ ایک رقعہ ملا۔ جس میں لکھا تھا کہ اس محلہ میں ایک نوجوان کنواری لڑکی ہے۔ جو آرسلنل میں ملازم ہے اور ہر روز بن کٹن کر بے حجاب آرسلنل میں جاتی ہے۔ اس کے متعلق بھی کچھ کہیں۔ میں نے یہ رقعہ پڑھ کر کہا۔ کہ اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ اس لڑکی کا نکاح کر دیا جائے۔ مگر کسی مولوی کے ساتھ کیا جائے۔ کسی آزاد خیال مسٹر سے نہیں۔ اس لئے کہ مولوی تو اس کا کفیل بن کر اسے ملازمت سے ہٹا لے گا۔ اور اسے بے حجاب نکلنے نہ دیگا۔ اور اگر کسی مسٹر سے کیا۔ تو بات ویسی کی ویسی ہی رہے گی۔ اس لئے کہ مسٹر اپنی آزاد خیالی اور بے حجاب وائف پر فخر ہی کرے گا۔ اور اسے بے حجاب نکلنے اور تنخواہ لاتے دیکھ کر خوش ہی ہوگا۔ تو اس کا واحد علاج یہی ہے۔ کہ اسے کسی مولوی کی بیوی بنا دیا جائے

میرے دوستو! علماء کرام کا دل میں وقار پیدا کرو۔ اور اس مادر پدر

آزادی سے بچو۔ اور خوب یاد رکھو۔ کہ علماء کرام کے دشمن اپنی عربانی و فحاشی کی راہ میں "مولوی" کو ایک روڑا سمجھتے ہوئے اسے مٹا دینے کے درپے ہیں۔ مگر انشاء اللہ یہ لوگ اس ناپاک مقصد میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ علماء کرام کے دلوں میں خدا کا خوف ہے۔ اور خدا کی رحمت ان کے شامل حال ہے۔ اہل حق کو مٹانے والے خود ہی مٹ جائیں گے سہ

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

حضرات! اپنے بزرگوں کو دیکھئے۔ ان کے دلوں میں کس قدر

خوفِ خدا تھا۔ اور وہ کس طرح ہر وقت اپنے اللہ سے

ڈرتے رہتے تھے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔

إِنَّ لَدَيْنَا أُنْكُلًا وَحَاطِيمًا وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا

ہمارے پاس بیڑیاں ہیں۔ اور آگ ہے اور کھانا ہے گلے میں

اٹکنے والا۔ اور عذاب ہے دکھ دینے والا۔

حضرت عمران رضی اللہ عنہم یہ آیت سن رہے تھے۔ خدا کا خوف طاری

ہوا اور غش کھا کر گر گئے۔ اور انتقال فرما گئے۔ (اخلاق الصالحین)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سورۃ اذا الشمس کورتت

کو پڑھنا شروع کیا جب وَاِذَا الصُّحُفُ نَشْرَتْ - پڑھی۔ تو غش کھا کر

گر پڑے۔ اور بہت دیر تک زمین پر لیٹے رہے۔ (اخلاق الصالحین)

زرارہ بن اوفی نے فجر کی نماز پڑھی اور فَاِذَا نُفِرَ فِي الصُّبْحِ - پڑھتے

ہوئے بیہوش ہو کر گر پڑے۔ اور وصال پا گئے۔ بعض سلف جب آگ دیکھتے

یا چراغ جلاتے تو جہنم کو یاد کر کے صبح تک روتے رہتے۔ (اخلاق الصالحین)

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو ہنستے ہوئے دیکھا۔ تو

اس سے پوچھا کہ اے جوان! کیا تو پلِ مرابط سے گزر چکا ہے؟ اس نے

کہا۔ نہیں۔ پھر فرمایا۔ کیا تجھے علم ہے کہ تمہارا ٹھکانا جہنم ہے یا جنت؟ اس

نے کہا نہیں۔ فرمایا۔ پھر یہ ہنستا کیسا، اس کے بعد پھر وہ شخص کہی نہ ہنسا۔ سترے سقظی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں اپنی ناک ہر روز کئی مرتبہ اس خوف سے دیکھتا ہوں۔ کہ میرا منہ سیاہ نہ ہو گیا ہو۔

حضرت یزید رقاشی رحمتہ اللہ علیہ حضرت عمرو بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ تو حضرت عمرو بن عبدالعزیز نے فرمایا، مجھے کوئی نصیحت کیجئے۔ فرمایا۔ اسے امیر المؤمنین! تو وہ پہلا خلیفہ نہیں سب سے۔ جو مرے نکلا۔ یعنی تجھ سے پہلے بھی کئی خلفاء انتقال کر گئے۔ اور تو بھی انتقال کر جائیگا۔ حضرت عمرو بن العزیز نے رونا شروع کر دیا۔ اور کہا۔ کچھ اور فرمائیے فرمایا کہ تیرے اور آدم علیہ السلام کے درمیان تیرے آباؤ میں سے کوئی بھی زندہ نہیں رہا، عمرو بن عبدالعزیز اور بھی زیادہ روئے۔ اور کہا۔ کچھ اور بھی فرمائیے۔ فرمایا ہنت اور دوزخ کے درمیان کوئی اور مقام نہیں۔ یعنی یا جنت یا دوزخ۔ اس پر حضرت عمرو بن عبدالعزیز اس قدر روئے کہ کشت کھا کر گر پڑے۔ (اخلاق الصالحین)

اللہ اکبر! یہ حق ہے ہمارے اسلاف نظام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کیا ہے! ان پاک لوگوں کے خوف و خشیت کو دیکھو۔ اور پھر سوچو کہ کیا تمہیں بھی کبھی ایسا عذاب سن کر رونا آیا ہے۔ کبھی خوفِ خدا سے کشت کیا ہے۔ کبھی کلامِ سحر بدن کے روئے کھڑکے ہوئے ہیں، اگر نہیں۔ تو کیا یو! اپنی تفاوتِ قلبی کو علاج کرو۔ اور اللہ کے کسی مقبول بندے کی غذائی اختیار کرو۔

سلطان الاعضاء | میرے نزدیک، دستوں اور عزیزوں کے خوف خدا کی بافرمانی عام ہے۔ اور سب ترسناک انسان سلطنت پاؤں آنکھوں اور کانوں سے خدا کی نافرمانی کر رہا ہے۔ اس کی بافرمانی وجہ یہی ہے۔ کہ دل میں خدا کا خوف نہیں۔ یہ دل تمام اعضاء کا بارشاد ہے۔ اور لطف پاؤں آنکھ کان وغیرہ سب اعضاء اس کے گویا لشکر اور سپاہی ہیں۔ سب اعضاء اس کی مرضی دیکھ کر اپنا اپنا کام کرتے ہیں

اور اسی کی مرغوب چیز کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ دیکھ لیجئے۔ مثلاً شاہ
 دل اگر سب کھانا چاہے۔ تو فوراً سب کے سب لشکری اپنے بادشاہ
 کی خواہش کی تکمیل کے لئے آمادہ کار ہو جاتے ہیں۔ پاؤں بازار کو دوڑتے
 ہیں۔ آنکھ سب کو دیکھتی ہے۔ زبان اس کا سودا کرتی ہے۔ ہاتھ اس
 کو پکڑ کر منہ میں ڈال دیتے ہیں۔ دانت اسے چبا کر سپردِ حلق کر
 دیتے ہیں۔ اور حلق اسے نکل کر اپنے بادشاہ کی مرضی پوری کر دیتا
 ہے۔ اور اگر ایسی چیز جو چاہے لذیذ بھی ہو۔ دل پسند نہ کرے۔ اور
 کھانا نہ چاہے۔ تو آنکھ اسے دیکھتی بھی نہیں۔ ہاتھ اس کی طرف بڑھنے
 سے انکار کر دیتے ہیں۔ منہ بند ہو جاتا ہے۔ گویا سب لشکری اس
 سے ہٹ جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ سلطان دل اگر کسی شے سے ڈرنے لگے
 تو اس کے سب لشکری بھی اس شے سے ڈرنے لگتے ہیں۔ اور اگر یہ جرات
 سے کام لے تو ساری فوج بھی دلیر ہو جاتی ہے۔ مثلاً دل اگر سانپ کو
 دیکھ کر ڈرنے لگے۔ تو پاؤں سانپ کی طرف اٹھنے سے انکار کر دیں
 گے۔ آنکھ اسے دیکھنے سے بیزار ہو جائے گی۔ ہاتھ میں ہمت نہ رہے گی
 کہ کوئی پتھر اسے دے مارے۔ اور اگر دل بے خوف ہو تو پھر دیکھے۔ آنکھ
 سانپ کو دیکھتی رہے گی۔ پاؤں فوراً اس کی طرف دوڑیں گے۔ اور ہاتھ
 کسی پتھر سے اس کا سر کچل دیں گے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم
 نے اسی حقیقت کا اظہار اس ارشاد میں فرمایا ہے۔ کہ آدمی کے بدن
 میں ایک گوشت کا ٹکڑا ایسا ہے۔ کہ اگر وہ سنور جائے تو سارا بدن
 سنور جاتا ہے۔ اور اگر وہ بگڑ جائے۔ تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے۔ اور
 وہ دل ہے۔

اور مولانا رومی نے اس حقیقت کا اظہار ان شعروں میں
ارشادِ رومی کیا ہے: فرماتے ہیں سے

شہ چوں حوشے داں حشم چوں لولہا
 آب از لولہ دود در کولہا!

یعنی یہ شاہِ دل ایک حوض ہے۔ اور اس کا لشکرِ اعضاء اسکی ٹونٹیاں ہیں۔ اور حوض کا پانی انہیں ٹونٹیوں سے گڑبھوں میں گرتا ہے۔
چونکہ آبِ جملہ از حوضے است پاک
ہر جگے آئے وہد عوشی ذوقناک
حوض کا پانی اگر صاف و پاک ہے۔ تو ہر ٹونٹی سے بھی پانی صاف
اور پاک ہی بہے گا۔

وہ در آن حوض آبِ شور است و پلید

ہر جگے لولہ ہماں آرد پلسید!

اور اگر حوض کا ناپاک پانی ہے۔ تو ہر ٹونٹی ناپاک پانی ہی دیگی :-

مولانا کے ان اشعار کی یہ تشریح بھی ہو سکتی ہے۔ کہ ملک کا حاکم ایک حوض ہے۔ اور

اس کے ارکانِ دولت ٹونٹیوں کی مانند ہیں۔ اس حوض یعنی حاکمِ ملک کے اخلاق کا پانی پہلے ان ٹونٹیوں یعنی ارکانِ دولت کو پیران ٹونٹیوں سے رعایا کو ملتا ہے۔ لہذا حاکم اگر حسنِ اخلاق کا مالک، شرعِ مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا پابند اور اسلام کا گرویدہ و غلام ہے۔ تو لاریب اس کے ارکان سے بھی رعایا اسی حسنِ اخلاق اور اسلامی سیرت و کردار ہی کی صاف و شفاف دعائیں بہتی پائے گی۔ اور اگر اسکا حوض دہری یورپی کے گندے پانی کے ٹل سے بھرا ہوا ہوگا۔ تو یقیناً تمام اقدانت کی ہر ٹونٹی سے بھی وہی ناپاک قطرے بہیں گے۔ یہی باعث ہے۔ کہ مہدِ اسلامی کے زریں دور کے خلفائے نظام کی مقدس سوانحِ حیات کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے۔ کہ ان ائمہ والوں کے دورِ حکومت میں ملک کا ہر کارندہ خدا ترن اور رعایا پرور تھا۔ وہ لوگ کسی قسم کے جور و ستم، جبر و ظلم سے واقف تک نہ تھے۔ اسلامی کردار و گفتار کے حامل، اور اسلام پر پورے پورے حامل تھے۔ اور یہی حال رعایا کا بھی تھا۔ وہ دین و دنیا میں خوشحال اور دینی و دنیوی دولت سے مالا مال تھے

یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ خود ان کا امیر ایمان اسلام کا علمبردار ہونا تھا۔ مگر اس پرفتن دور میں "وزیرے نہیں شہریارے چناں" کے مصداق اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر تک معاملہ ہی برعکس ہے۔ موجودہ یورپین تہذیب نے دنیا کے غنہائے حکومت کچھ ایسے گندے اور ناپاک پانی سے بھر دیئے ہیں کہ ہر چھوٹی بڑی ٹوٹی سے گندے اور ناپاک پانی ہی بہتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ اللہ ما شاء اللہ!

حضرات! میں یہ کہہ رہا تھا کہ دل تمام اعضاء کا بادشاہ ہے۔ اور اعضاء سب اس کے لشکری ہیں

دل میں خدا کا خوف

اور بادشاہ جس چیز سے ڈرے، لشکری بھی اس سے ڈرتے ہیں۔ لہذا دل میں اگر خدا کا خوف پیدا ہو جائے، تو سارے اعضاء بھی اللہ سے ڈرنے لگیں گے۔ اور یہ ہاتھ پاؤں وغیرہ کبھی کوئی خلاف شرع حرکت کرنے پر آمادہ نہ ہوں گے۔ اور اگر دل خدا کے خوف سے خالی ہوگا، تو سارے اعضاء بھی خلاف شرع حرکت کرنے سے نہیں ڈریں گے۔ اور پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ جس کے دل میں خدا کا خوف ہوگا، خدا تعالیٰ ساری خدائی کے دل میں اسکا خوف پیدا فرما دے گا۔ یعنی جو اللہ سے ڈرتا ہے، ساری خدائی اس سے ڈرتی ہے۔ چنانچہ حیوۃ البیوان میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ لکھا ہے کہ آپ شہر میں سے گزر رہے تھے۔ تو آپ نے بازار میں ایک ہجوم دیکھا۔ وہ دریافت فرمائی تو پتہ چلا کہ ایک شیر جنگل سے آکر راستے میں بیٹھ گیا ہے۔ اٹھتا نہیں ہے اور لوگ ڈر کے مارے آگے نہیں جاتے۔ حضرت عبداللہ بن عمر آگے بڑھے۔ اور شیر کے پاس پہنچ کر اس کے کان پکڑ لئے۔ اور فرمایا: "اللہ اور جنگل میں چلا جا۔ تجھ سے وہ ڈرے جو خدا سے نہ ڈرے۔ بس اتنا کہنا تھا کہ شیر اٹھا اور واپس جنگل میں چلا گیا۔ بزرگو! ایک تو وہ مسلمان تھے اور ایک ہم بھی ہیں۔ جو چھبے سے بے ڈر جاتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ دل میں خدا کا خوف نہیں ہے۔ اس کا خوف نہلا تو ہزاروں خوف سما گئے۔"

دونا ہے تو ایک اللہ سے ڈر مرنے ہے تو اس کی راہ میں

رکھ اس کی رضا پر اپنی نظر پھر ساری یہ دنیا تیری ہے

افسوس آج اللہ کے بے خوفی کا نام لوگوں نے آزادی رکھ لیا
آزادی ہے یعنی خدا کے احکام سے بے خوف ہو کر جو جی میں آئے۔

آزادی سے کرو۔ یہ آزادی ہے۔ حالانکہ یہ آزادی سرتاپا بربادی ہے۔ آزاد
وہ لوگ تھے۔ جو گرفتار خوف حق اور اسپرٹیم آخرت تھے۔ ان پاک

لوگوں کے قلوب میں صرف اللہ کا خوف تھا۔ اور دنیا اور اس کے
ماحول سے وہ بیکمر بے نیاز تھے۔ انہیں لوگوں کے لئے اللہ نے لَا خَوْفٌ

عَلَيْهِمْ وَلَا يَحْزَنُونَ فرمایا ہے۔ آج ذرا غور تو فرمائیے۔ کونسا دل ہے
جو مطمئن ہے۔ ہر دل میں خوف ہے کہ خدا جانے کل کیا ہوگا؟ جنگ

کا خوف، قحط کا خوف، سیلاب کا خوف۔ بیماریوں کا خوف۔ نقصان و
انلاف۔ جان کا خوف۔ مگر جو اللہ والے ہیں۔ جن کے دل میں خدا

کا خوف ہے۔ وہ ہر حال میں مطمئن ہیں۔
نہیں ملتا، گوہر بادشاہوں کے خزانوں میں

دیکھئے آج ہیں مال دنیا حاصل نہ ہو۔ تو
عظم اور اگر مل جائے تو اس کے پچھلے پچھلے
کا خوف، کسی پہلو اطمینان نہیں، مگر اللہ

حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہما
اور آئینہ چینی

دلوں کا یہ عالم ہے۔ کہ دنیا نہ آئے تو غم نہیں۔ اور اگر چلی جاسکتی۔
تو کوئی فکر نہیں۔ چنانچہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو ایک مرید

نے ہزاروں روپے کی قیمت کا ایک چینی آئینہ بھیجا۔ حضرت نے اسے قبول
فرما کر ایک خادم سے فرمایا۔ اسے رک دو۔ خادم کے ہاتھ سے اتفاقاً وہ

آئینہ چھوٹ گیا۔ اور لوٹ گیا۔ اور وہ ڈرنے ڈرنے حضرت غوث اعظم
رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا۔

از قضا آئینہ چینی شکستہ !
یعنی حضور وہ چینی آئینہ تقدیراً میرے ہاتھ سے چھوٹ کر لوٹ

گیا ہے۔ حضرت غوث اعظم نے جواب دیا ہے

خوب شد اسباب خود بینی شکست!

یعنی بہت اچھا ہوا۔ خود بینی کا ذریعہ ٹوٹ گیا۔ یعنی میں خدا ہیں ہوں۔ اور یہ آئینہ انسان کو اپنا آپ دکھاتا ہے۔ بڑا اچھا ہوا کہ اپنے آپ کو دیکھنے کا ایک سبب جاتا رہا۔ دیکھا آپ نے؟ اتنے بڑے قیمتی آئینے کے نہ آنے کی خوشی اور نہ جانے کا غم۔ ہم چونکہ ایک روپیہ بھی آجائے تو خوش ہوتے ہیں۔ اس لئے اگر وہ گم ہو جائے۔ تو خوشی کا رد عمل یہ ہوتا ہے۔ کہ ہارٹ فیل ہو جاتا ہے۔ تو میرے دوستو! آزادی کے حامل تو وہ لوگ تھے۔ یہ ہماری آزادی ایک برائے نام آزادی ہے۔ ورنہ ہزاروں مصائب و آلام کے ہم اسیر ہیں۔ اور یہ مصائب و آلام ہمارے اعمال بد کا نتیجہ ہیں۔ اور اعمال بد خدا کا خوف نہ ہونے کے باعث ہیں۔

حضرات اعلیٰ کرام آزادی کے مخالف نہیں ہیں۔ مگر
مولوی آزادی کے
مخالف نہیں

ایسی آزادی کو جس میں اللہ و رسول کے احکام سے
آزادی مل جائے۔ یقیناً وہ بڑا سمجھتے ہیں۔ آزادی
یا ترقی پانے کے لئے مسلمان کے لئے بہر حال سب سے پہلے اسیر شرع
ہونا ضروری ہے۔ اور اگر دین و مذہب ہی نہ رہا۔ تو پھر کفار کی برائے
نام آزادی و ترقی اور مسلمان کی آزادی و ترقی میں فرق کیا رہا۔
یہ دنیاوی عہدے کس کام کے۔ جبکہ دینی کوئی علامت نہیں پائی
جاتی۔ لیکر الہ آبادی نے کیا خوب لکھا ہے یہ

نہ نماز ہے، نہ روزہ، نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے

پھر اسکی کیا خوشی کوئی ڈپٹی ہے کوئی حج ہے

مسلمانو! اس دور آزادی میں لوگ عاقبت کے خوف سے
عاقبت کا خوف

بھی آزاد ہو چکے ہیں۔ ایک زمانہ وہ تھا۔ کہ ہمارے
اسلاف دل میں عاقبت کا خوف رکھتے تھے۔

سلیمان علیہ السلام اور ہدھد | چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ہدھد

کا قصہ قرآن پاک میں مذکور ہے۔ کہ جب ایک مرتبہ اپنی بھری کچھری میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو غیر حاضر پایا تو بڑے جلال میں آکر آپ نے فرمایا۔

مَا لِي لَا أَسَى الْهَدْدُ هَذَا أَمْرًا كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ - لَا أُعَذِّبُهُ عَذَابًا
شَدِيدًا أَوْلَا ذُجْنَةً أَوْلِيَاءِ تِيغِي بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۝ (پا ح ۱۷)

کیا ہوا کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھتا۔ یا واقعی وہ حاضر نہیں۔ ضرور میں اسے سخت عذاب کروں گا۔ یا ذبح کر دوں گا۔ یا کوئی روشن شد میرے پاس لائے۔

یہ فرما کر پھر عقاب کو حکم دیا۔ کہ وہ اڑ کر دیکھے کہ ہدہد کہاں ہے۔ چنانچہ عقاب اڑا۔ اور بہت اوپر پہنچ کر ساری دنیا کو اس طرح دیکھنے لگا۔ جس طرح آدمی اپنے ہاتھ کے پیلے کو دیکھتا ہے۔ حضرات! یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا۔ بلکہ کتابوں میں اسی طرح لکھا ہے۔ چنانچہ حضرت علامہ دمیری علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب حیوۃ الجوان کی دوسری جلد کے صفحہ ۳۰۵ پر صاف یوں لکھا ہے کہ :-

فَارْتَفَعَ فِي الْهَوَاءِ فَنَظَرَ إِلَى الدُّنْيَا كَمَا الْقَصْعَةَ فِي يَدِ الرَّجُلِ -

یعنی عقاب ہوا میں اتنا بلند ہوا۔ کہ ساری دنیا کو اس طرح دیکھنے لگا۔ جس طرح آدمی اپنے ہاتھ کے پیلے کو دیکھتا ہے۔

میرے بھائیو! یہ ایک جانور کی نظر ہے۔ پھر جو شخص انبیاء و اولیاء کرام کی وسعت نظر کا انکار کرے۔ اور خود سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ رکھے۔ کہ حضور کو (معاذ اللہ) دیوار کے پیچھے کسی بھی خبر نہ ہوتی ہوتی عقی۔ تو ایسے گمراہ کی گمراہی اور کم نڈائی کا آپ خود ہی اندازہ کر لیجئے۔ ہمارا تو ایمان ہے۔ کہ یہ دنیا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہے۔ اور آپ ساری دنیا کو یوں ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ جیسے اپنے کف دست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر | کو۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

خود فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا میرے لئے اٹھائی اور میرے سامنے کر دی۔

فَاِنَّا اَنْظَرُ اِلَيْهَا وَ اِلَى مَا هُوَ كَاثِرٌ فِيهَا اِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كَمَا نَمَّا
اَنْظَرُ اِلَى كَهَيِّ هَذَا ۛ۔ (مواہب لدنیہ) پس میں ساری دنیا کو اور

اس میں قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے۔ ان سب امور کو اس طرح دیکھ رہا ہوں۔ جس طرح اپنی اس ہتھیلی کو ۛ

علامہ زرقانی علیہ الرحمۃ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

اِنَّهُ نَظَرَ حَقِيْقَةً دَفَعَ بِهٖ اِحْتِمَالَ اِنَّهُ اَرِيهٖ بِالنَّظْرِ الْعِلْمَ (شرح الموابہ)

ص ۳۳۲ ج ۱) یعنی حضور نے واقعی، اور حقیقی طور پر ساری دنیا کو دیکھا

اور یہ خیال و احتمال کہ دیکھنے سے مراد صرف علم ہے۔ مردود ہے۔

و مردود ہے۔

اس حدیث سے صاف صاف یہ بات ثابت ہو گئی۔ کہ ساری دنیا اور

اس میں جو کچھ ہونے والا ہے۔ ہمارے حضور کے سامنے ہے۔ اور حضور

واقعی اور حقیقی طور پر سب دنیا و مافیہا کو دیکھ رہے ہیں۔

میرے بھائیو! یہ تو حضور کی بات ہے۔ حضور کے سرفہ
اولیاء کی نظر میں اولیاء کرام کی نظریں اتنی وسعت ہے۔ کہ یہ

ساری دنیا ان کے سامنے مثل اس دسترخوان کے ہے۔ جو سامنے

بچھا ہوا ہے۔ اور جس کی ہر شے نظروں کے سامنے ہو۔ چنانچہ حضرت

جانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :-

» حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ ہی فرزند کہ حضرت

عزیزان علیہ الرحمۃ و الرضوان می گفتے اند کہ زمین در نظر این

طائفہ چون سفرہ ایست و ما می گویم چون روسے ناخن است

بیچ چیز از نظر ایشان غائب نیست « و تفحات الانس ص ۲۴۹

یعنی حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عزیزان علیہ

الرحمۃ نے فرمایا۔ کہ یہ زمین اولیاء کرام کی نظریں میں مثل دسترخوان

کی ہے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ مثل ناخن کی ہے۔ کہ کوئی چیز بھی ان کی نظر سے غائب نہیں۔“

پا پزید علیہ الرحمۃ کی نظر | میرے بزرگو! یہ زمانہ جو برائے نام روشنی کا زمانہ ہے۔ دراصل تاریکی و ظلمت کا زمانہ ہے۔ اہلبیار و اولیاء

کرام کی وسعتِ نظر ایک مسلم حقیقت ہے۔ مگر افسوس کہ اس نئی روشنی کے دور میں اس مسلم حقیقت کا انکار کیا جا رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں اولیاء کرام کی وسعتِ نظر کا یہ عالم ہے کہ ساری دنیا ان کے سامنے ہے۔ اور نہ صرف یہی دنیا بلکہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ

لوح محفوظ است پیش اولیاء : ازچہ محفوظ است محفوظ از خطا
یعنی لوح محفوظ جس میں ہر چیز کا ذکر موجود ہے۔ ان اولیاء کرام کے ہر وقت سامنے رہتی ہے۔ تو فرمائیے۔ جن کی نظروں کے سامنے لوح محفوظ رہے، ان سے کیا چیز غائب رہ سکتی ہے۔ ان اولیاء کرام کی شان اور ان کی وسعتِ نظر دیکھنے کے لئے حضرت بایزید علیہ الرحمۃ کا قصہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ یہ واقعہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مشنوی شریف میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت بایزید علیہ الرحمۃ نے اپنے مریدوں میں حضرت ابوالحسن خرقانی کی ولادت سے پہلے ہی کئی سال ان کی ولادت کی خبر دے دی تھی۔ اور فرمایا تھا۔ کہ مجھے سرزمین خاقان سے ابوالحسن کی خوشبو آ رہی ہے۔ اور پھر نہ صرف یہ کہ حضرت ابوالحسن خرقانی کی پیدائش ہی کی قبل از وقت خبر دے دی۔ بلکہ ان کی شکل و صورت اور رنگ اور نام کی بھی اطلاع دے دی۔ چنانچہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ

گفت زیں سو بوئے یارے می رسد

کاندریں وہ شہر یارے سے رسد

یعنی بایزید نے فرمایا۔ کہ مجھے اس دخرقان کی طرف سے یار کی خوشبو آ

رہی ہے۔ اس قصہ سے ایک شہر یار پیدا ہونے والا ہے کہ

بعد چند سال سے زائد شہرے! : سے زندہ بر آسماں باخرگے

اور اتنے سالوں کے بعد وہ پیدا ہوگا۔ گویا میعاد بتا کر سنہ ولادت کی بھی خبر دے دی۔

چیسٹ نامش گفت نامش ابو الحسنؑ: حلیہ اش واگفت زا برو تا ذقن نام پوچھا گیا۔ تو فرمایا۔ اس کا نام ابو الحسن ہوگا۔ اور پھر ان کا سارا حلیہ بھی مکمل طور پر بیان فرما دیا۔

قد او و رنگ او و شکل او! یک بیک واگفت از گیسوئے او ان کا قد، ان کا رنگ اور شکل اور گیسو ایک ایک بات صاف صاف بیان فرما دی۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ مریدوں نے حضرت بایزیدؒ کی یہ باتیں لکھ لیں۔ اور وہ سنہ اور تاریخ بھی لکھ لی۔ چنانچہ فرمایا۔

برنوشتند آن زماں تاریخ را: از کباب آراستند آن سیخ را

یعنی مریدوں نے سنہ اور تاریخ سب کچھ لکھ لیا۔

چوں رسید آن وقت و آن تاریخ راست

زاں زمین آن شاہ پیدا گشت و خاست

جب وہ زمانہ اور تاریخ آئی تو بالکل اسی خبر کے مطابق اس سرزمین سے ابو الحسن پیدا ہوئے۔ اس واقعہ کے نقل کرنے کے بعد مولانا رومی فرماتے ہیں۔

لوح محفوظ است پیش او لیساء

از چہ محفوظ است محفوظ است از خطاء

یعنی وہ لوح محفوظ جو ہر خطا سے محفوظ ہے۔ اور جس میں ساری آئندہ کی اور غیب کی باتیں لکھی ہیں۔ وہ ہر وقت ان اولیاء کرام کے سامنے رہتی ہے۔ پھر ان سے کوئی چیز چھپی کیسے رہے؟

حضرات! پوچھو ان شرک و بدعت کے تقسیم کرنے والوں سے کہ اب

کیا کہتے ہو۔ مولانا رومی کے حق میں؟ جنہوں نے یہ غیب حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے غلاموں کے لئے بھی ثابت فرما دیا۔ اور حضرت بایزیدؒ کا واقعہ

لکھ کر یہ ظاہر کر دیا۔ کہ حضور تو حضور ہیں۔ آپ کے صدقہ میں آپ کے غلاموں

کی یہ نشان ہے۔ کہ آنے والی باتوں کو وہ حرف بھرت اور موبہ جانتے ہیں۔

ذرا غور تو فرمائیے۔ کہ حضرت ابو الحسن ابھی شکم مادر میں بھی نہیں آئے۔ اور حضرت بایزید ان کی پیدائش کی خبر دے رہے ہیں۔ اور نہ صرف ان کی پیدائش کی خبر بلکہ ان کے شہر کی ان کے علیہ و نام کی بھی خبر دے رہے ہیں۔ بھائیو! جس ذات بابرکات کے غلاموں کا یہ علم ہے۔ اس ذات بابرکات علیہ افضل التحیات کے اپنے علم کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ جس کے غلاموں کے سامنے لوح محفوظ رہتی ہو۔ اس کی اپنی نظر سے کوئی چیز غائب کیسے رہ سکتی ہے؟ اسی لئے اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے۔

دل فرش پر ہے تری نظر، سرعش پر ہے تری گزیر!

ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پر عیاں نہیں

بھائیو! یہ اولیاء کرام کے جملہ علوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے علم پاک کی شاخیں ہیں۔ اور بقول شاعر "اسی دریا سے یہ نہریں ہوں جاری ساری"۔ یہ سب علوم اسی دریائے علم کی نہریں ہیں۔ پھر آپ خود ہی فیصلہ کر لیں۔ کہ جو گستاخ حضور ہی کے علم پاک کے منکر ہیں۔ اور علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم نہیں کرتے۔ کس قدر جاہل اور دشمنان حق ہیں اور حقیقت سے بے خبر ہیں۔

ایک روایت یاد آئی۔ جو خصائص کبریٰ کے

جلد ۱ پر اور دلائل الخیرات کے جلد ۱

جلد ۲ پر موجود ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ

مکمل آدمی کے دل کی باتیں

جان جانتے ہیں

سلم نے جنگ بدر کے قیدیوں سے تاوان طلب فرمایا۔ تو ان قیدیوں میں

حضور علیہ السلام کے چچا حضرت عباس بھی تھے۔ حضور علیہ السلام نے لہجہ پتیا

سے بھی تاوان طلب کیا۔ تو چچا نے جواب دیا۔ لَقَدْ تَرَكْتَنِي فَيُؤْتِرُ قَوْمِي

یعنی آپ نے مجھے کہ میں اس حال میں چھوڑا تھا۔ کہ میں ساری قوم سے

غریب تھا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ چچا! اور وہ جو تم اپنی بیوی ام فضل

کو علیحدگی میں سونے کی ڈلیاں دے کر آئے ہو۔

وہ سب دولت ہے ام فضل کی تحویل میں اب تک

یہ جرم ادا کر دو، چمپاؤ گے بھلا کب تک
جناب حضرت عباس پر عشر ہوا طساری
کہ پیغمبر تو رکھتا ہے دلوں کی بھی خبر داری
خیال آیا مسلمان نیک و بد پہچان جاتے ہیں
مجھ کے آدمی کے دل کی باتیں جان جاتے ہیں
پکار اٹھا بحال وجد میں ایمان لے آیا
بجا ہے راست ہے جو کچھ رسول اللہ نے فرمایا

یہ دیکھئے! حضرت عباس نے آتے وقت علیحدگی اور پوشیدگی میں جو سونے
کی ڈلیاں اپنی ہوی کو دیں۔ وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عیاں ہو
گئیں۔ تو فرمائیے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوار کے پیچھے کی چیز سے
بے خبر بنانے والے کس قدر خود ہی بے خبر اور گمراہ ہیں۔ —

یا رسول اللہ

تو وانا سے ماکان اور مایکوں ہے مگر بے خبر، بے خبر دیکھتے ہیں

ہدیہ کا قصہ | ہاں میں کہہ یہ رہا تھا۔ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدیہ کو
غائب پاکر جب عقاب کو پتہ لانے کے لئے بھیجا۔ اور عقاب
اوپر اڑا۔ تو اس نے ہدیہ کو مین کی طرف سے آتے ہوئے دیکھا۔ عقاب فوراً
اس کے پاس پہنچا۔ اور کہا تیری ماں تجھے روئے۔ اپنی فکر کر لو۔ اللہ کے نبی
سلیمان علیہ السلام نے تمہارے لئے قسم کھالی ہے کہ میں ہدیہ کو سخت سزا دوں گا۔
ہدیہ نے ڈرتے ہوئے کہا۔ اور اللہ کے نبی نے اس قسم میں کسی بات کا
استثنا بھی فرمایا ہے۔ یا نہیں؟ عقاب نے کہا۔ ہاں فرمایا ہے کہ یا کوئی روشن
سند میرے پاس لائے۔ ہدیہ نے کہا تو پھر میں نجات پا گیا۔ میں ان کے لئے ایک
بہت بڑی خبر لایا ہوں۔ پھر عقاب اور ہدیہ دونوں بارگاہ سلیمانی میں حاضر ہوئے
حضرت سلیمان نے جلال میں آکر فرمایا۔ ہدیہ کو حاضر کرو۔

ہدیہ بچارہ اپنی دم نیچے کئے ہوئے زمین پر ملتا ہوا اور کانپتا ہوا حضرت کے
قریب آیا۔ تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو سر سے پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹا

اس وقت ہدیہ نے کہا :-

أَذْكُرُّ وَقُوفَكَ بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ — حضور! اللہ کے سامنے
اپنی حاضری کو بھی یاد کر لیجئے۔

ہدیہ کا اتنا کہنا تھا۔ کہ اللہ کے پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ
بات سن کر ایک دم ہدیہ کو چھوڑ دیا۔ اور رونے لگے۔ اور پھر فرمایا۔ اے ہدیہ!
جا میں نے تجھے معاف کر دیا۔ اس کے بعد پھر اس سے غیر حاضری کی وجہ
پوچھی۔ اور ہدیہ نے ملکہ بلقیس کا سارا قصہ بیان کیا۔

میرے بھائیو! اس قصہ سے مجھے بتانا یہ ہے۔ کہ دیکھتے ایک پیغمبر کا
دل اللہ کے خوف سے کس قدر معمور ہے۔ باوجود معصوم ہونے کے وہ خدا کا خوف
رکھتے ہیں۔ مگر افسوس کہ ہم سزا پانگہنگار ہونے کے باوجود اللہ کے خوف سے
عاری ہیں۔ میرے بھائیو! اللہ سے ڈرو اور اس طرح ڈرو۔ جس طرح ڈرنے
کا حق ہے۔ آیت مذکورہ میں اللہ نے یہی درس دیا ہے۔ اور پھر اس کے بعد
فرمایا ہے کہ :-

تَكْمِيلُ اسْلَام تم مرو تو مسلمان ہی رہ کر مرو۔ یعنی زندہ رہو
تو مسلمان بن کر، اور مرو بھی تو مسلمان ہی

رہ کر مرو۔ میرے بزرگو! ہمارا اسلام اس قسم کا نہ ہونا چاہیے۔ کہ سٹیج پر آئیں
تو خادم اسلام اور کوٹھیوں میں جائیں تو اتحاد و زندیقہ کی مکمل تصویر بن جائیں
جیسے کہ آجکل کے "جنڈلمینوں" کا اسلام ہے۔ نام کے مسلم اور کام کے
غیر مسلم۔ یاد رکھو۔ کامل مسلمان وہ ہے۔ جس کی ہر ہر ادا اسلام میں
رنگی ہوئی ہو۔ جس کی چال ڈھال، اور سیرت و صورت، مکمل مسلمانوں کی
سی ہو۔ نہ ایسی کہ جسے دیکھ کر بقول اقبالی یہودی بھی شرمائیں۔ وہ کہتا ہے نا!
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود

یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

دوستو! یہ شعر کسی مولوی کا نہیں۔ بلکہ یہ اقبال کا شعر ہے۔ اور وہ آجکل
کی مسلمانی کا رونا رو رہا ہے۔ اور بتا رہا ہے۔ کہ آج کل کی مسلمانی کیا ہے۔

صورت میں عیسائی اور سیرت میں ہندو —

بھائیو! یہاں جنٹلمینوں نے ایک مشرع یاد کر رکھا ہے وہ ہرچہ خواہی پوش کہتے ہیں۔ ”در عمل کوش ہرچہ خواہی پوش“

یعنی لباس کا کیا ہے۔ کسی طرح کا بھی پہن لو۔ کوئی بھی وضع ہو۔ اس سے کیا ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ”ہرچہ خواہی پوش“ ایسا عام ہے۔ تو ذرا مہربانی کر کے زمانے کپڑے بھی پہن کر دکھلائیے۔ اور بیگم صاحبہ کو اپنے مردانے کپڑے بھی پہنا دیجئے۔ اور کبھی زنانہ وضع اختیار کر کے خود کانٹے بھی پہن کر نکلتے اور بیوی صاحبہ کو پگڑی بندھا کر دکھائیے۔ اگر آپ ایسا کر لیں تو ہم بھی وضع کی نسبت فتویٰ دینا چھوڑ دیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے اسلام کو کچھ ایسا ماڈرن قسم کا اسلام بنا لیا ہے۔ کہ عیسائیت اور اس میں کچھ فرق ہی باقی نہیں رہ گیا۔

چنانچہ اس باب میں اکبر الہ آبادی نے ایک مزیدار نظم برق کلیسا کے نام سے لکھی ہے، وہ لکھتا ہے۔

رات اس مس سے کلیسا میں ہوا میں جو دو چار
ہائے وہ حسن و شوخی وہ نزاکت وہ ابھار
یعنی رات کو گر جا میں محبوبہ سے جو سامنا ہو گیا۔ تو اس کے حسن و شوخی کا عالم میرے لئے وجہ اضطراب بن گیا۔ اکبر نے اس پہلے شعر ہی میں آج کل کے ”ماڈرن مسلمانوں“ پر چوٹ کی ہے۔ گویا یہ ماڈرن مسلمان مسجدوں میں تو نہیں آتے اور گرجے میں جاتے ہیں۔

اکبر پیر اس شوخ مس کے ناز و انداز کا نقشہ کھینچتا ہے۔

دلکشی ناز میں ایسی کہ ستارے تک جائیں!

سرکشی چال میں ایسی کہ گورنر جھک جائیں

اس قدر ناز و انداز کے پرکالے کو دیکھ کر اکبر کا کیا حال ہوا؟ سنئے

پس گیا لوٹ گیا دل میں سکت ہی نہ رہی

سرتختے تمکین کے جس گنت ہیں وہ گنت ہی نہ رہی

اکبر کہتا ہے۔ کہ اس عالم میں میں نے دل کو پہنتا سنبھالا۔ مگر سہ
 ضبط کے عزم کا اس وقت اثر کچھ نہ ہوا
 یا حفیظ کا کیا ورد مگر کچھ نہ ہوا
 اس کے بعد اکبر صاحب کہتے ہیں۔ کہ دل سے مجبور ہو کر میں نے اس
 مس سے کہہ ہی دیا کہ سہ

تو اگر عہد وفا باندھ لے میری ہو جائے
 ساری دنیا سے مے قاب کو سیری ہو جائے
 اسکے جواب میں اس مس نے جواب جو دیا وہ بھی سنئے۔ وہ بولی سہ
 غیر ممکن ہے مجھے انس مسلمانوں سے
 بوٹے خوں آتی ہے اس قوم کے انسانوں سے
 یعنی اے اکبر! تو مسلمان ہے۔ اور یہ قوم تو بڑی مجاہد اور دین کی خاطر خون
 بہا دینے والی قوم ہے۔ میں ایسی قوم کے کسی فرد سے انس رکھوں؟ یہ ممکن
 نہیں۔ پھر کہتی ہے۔ سہ

نن ترانی کی یہ لیتے ہیں نمازی بن کر
 حملے سرحد پہ کیا کرتے ہیں غازی بن کر
 یعنی یہ مسلمان تو نمازی بھی ہیں اور غازی بھی۔ لہذا میں تم سے
 انس پیدا نہیں کر سکتی۔ اکبر نے اس مس کی زبان سے مسلمانوں کے اوصاف
 گنوا کر پھر عجیب رنگ میں آج کل کی ماڈرن مسلمانی کا تذکرہ کیا ہے اور
 اس مس کو جواب دیا۔ کہ سہ

مجھ سے کچھ وجہ شکایت نہیں اے جان نہیں
 نام ہی نام ہے ورنہ میں مسلمان نہیں
 یعنی اے مس! کیوں گبراتی ہے۔ وہ مسلمان اگلے زمانے والے اب
 کہاں؟ یہ جو اوصاف تو نے بیان کئے ہیں۔ یہ تو پہلے مسلمانوں کے تھے
 اور اب جو ہم لوگ ہیں۔ یہ تو محض نام ہی کے مسلمان ہیں۔ لہذا سہ
 مرے اسلام کو اک قِسمت ماضی سمجھو

ہنس کے بولی وہ کہ پھر مجھ کو بھی راضی سمجھو

یعنی جب اکبر نے کہا کہ میرے اسلام کو اک قصہ ماضی سمجھو۔ تو میں نے جواب دیا۔ کہ اگر یہ بات ہے تو پھر مجھ کو بھی راضی سمجھو۔

دوستو! کچھ سمجھے آپ؟ اکبر نے عجیب رنگ میں آجکل کے ماڈرن اسلام

کا پول کھولا ہے۔ منشا اس کی یہ ہے کہ یہ "جنتلمین اسلام" عیسائیت سے

مٹا جاتا ہے۔ اور آجکل کے برائے نام مسلمان "دو اسلام" جیسی کتابیں لکھ

پڑھ کر اصلی اسلام سے دور رہ کر کسی دوسرے ہی اسلام کے دلدادہ ہیں

یاد رکھو۔ اس قسم کا برائے نام اسلام اسلام نہیں۔ اسلام وہی ایک

پرانٹا اسلام ہے۔ جسے صحابہ و تابعین اور بڑے بڑے اولیاء اور جمہور

نے اپنایا۔ یہ دو اسلام والا نیا اسلام اس نئی روشنی کا ایک کرشمہ ہے

جو مسلمانوں کو اسلام سے دور کر رہا ہے۔ میرے بھائیو! خدا کا ارشاد ہے

کہ تم مسلمان ہو۔ مسلمان ہی جیو۔ اور مرو بھی تو مسلمان ہی مرو۔ چونکہ

اس دور میں بڑے بڑے فتنے پیدا ہو رہے ہیں۔ اور یہ دین و مذہب

کے لئے بڑا ہی خطرناک دور ہے۔ ذرا سی لغزش سے آدمی گمراہ ہو سکتا

ہے۔ اور مرتے دم ایمان سے خالی جا سکتا ہے۔ اس لئے لَا تَمُوتُوا شُرَکَآءَ

إِلَٰهٍ وَ اٰنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ — خدا کے ارشاد کو ہر وقت پیش نظر رکھنا چاہئے

اور اسی فکر میں رہنا چاہئے۔ کہ مرتے ہوئے ہم ایمان لے کر مریں۔

میرے بھائیو! انجام کی بہتری ہی میں سب

بھلائی مضرب ہے۔ اگر مرتے دم ایمان لے

کر مرے تو سمجھتے بیڑا پار ہے۔ ورنہ سمجھ لیجئے کہ عمر بھر کی پونجی ضائع ہو

گئی۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس محلہ کے چند بچے حاضر ہوئے

اور کہنے لگے۔ حضور کل عید ہے۔ ہمیں کوئی عید کا قطعہ لکھ دیجئے۔ آپ

نے حسب ذیل رباعی لکھ کر دے دی ہے

خلق گوید کہ فردا روز عید است : خوشی در روح ہر مومن پدید است

دراں روزے کہ باایمان بمیرم : مراد رنگ خوداں روز عید است

یعنی لوگ کہتے ہیں کہ کل عید ہے۔ اور ہر مسلمان خوش ہے۔ مگر جس دن میں ایمان کے ساتھ مروں گا۔ میرے لئے تو وہ دن عید کا ہوگا۔

سبحان اللہ! اتنے بڑے غوث اور مقبول حق۔ مگر ہمیں اپنے انجام کی فکر کرنے کے لئے کس عجیب پیرائے میں دس دے گئے۔ گویا ہمیں سبق دے گئے۔ کہ مسلمانوں! مرو تو مومن و مسلمان ہی رہ کر مرو۔ سب سے بڑی خوشی کی بات یہی ہے۔ کہ ایمان سلامت رہے۔ دوستو! اسی واسطے آدمی جب نزع کے عالم میں ہو تو حکم یہ ہے۔ کہ اس کے پاس بیٹھ کر کلمہ شریف پڑھو۔ مگر اسے یوں نہ کہو۔ کہ کلمہ پڑھ۔ اس لئے کہ وہ نزع کے عالم میں ہے۔ اور تکلیف میں ہے۔ اگر اسے کہا گیا کہ کلمہ پڑھ تو ممکن ہے۔ کہ وہ کہدے۔ کہ نہیں پڑھتا۔ تو اس طرح وہ بے ایمان ہو جائے گا۔ ہاں اس کے پاس بیٹھ کر کلمہ پڑھتے رہو۔ تاکہ وہ بھی سن کر پڑھنے لگے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ اگر جیو تو مسلمان ہی رہو۔ اور مرتے دم تک مسلمان رہو۔ اور مرو بھی تو مسلمان ہی رہ کر اسلام کو ادھورا نہ چھوڑ دینا۔ بلکہ تکمیل اسلام یہ ہے کہ اسلام ہی پر خاتمہ ہو۔ آج کل لوگوں میں لہو و لعب کا بڑا شوق ہے۔

لہو و لعب سینا و قیبر کا شوق۔ جوئے و سٹے کا شوق۔ گھوڑ دوڑ و بٹیر بازی کا شوق۔ میخواری و عیاری کا شوق۔ کیا کیا عیاشیاں اور ناعاقبت اندیشیاں نہیں ہیں؟ بھائیو! ایسا نہ ہو کہ کھیل دیکھتے ہوئے دم نکل جائے۔ جوا و سیٹھ کی بازی لگاتے ہوئے ہاٹ فیل ہو جائے۔ شراب پیتے ہوئے موت آجائے۔ توبہ کرو۔ اور ایسی زندگی اختیار کرو کہ اللہ اللہ کرتے ہوئے موت آئے۔ درود شریف پڑھتے ہوئے دم نکلے۔ ذکر حق کرتے ہوئے جان نکلے۔ ایسی موت آئے۔ تو خدا بھی خوش، اور خدائی بھی آفرین و تحسین کے پھول برسائے گی۔ دیکھ لو۔ جن اللہ والوں کی خدا کی یاد میں عمر تمام ہوئی ہو۔ آج تک کس طرح ان کے مزار بھی مرجع خلائق ہیں۔ مگر جو بد معاشی اور عیاشی میں مرتے ہیں۔ خدا بھی ناخوش، اور خدائی بھی انہیں اچھے الفاظ سے یاد نہیں کرتی۔

موت کو یاد رکھو | میرے بھائیو! مرنا تو سب نے ہے ہی۔ موت سے کس کو یاد رکھنے

کا حکم ہے۔ دیکھئے قرآن پاک میں ہے کہ جب تم گھوڑے یا کسی دوسری سواری پر سوار ہونے لگو۔ تو یہ آیت پڑھو۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا

اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔ (پیش) پاکی ہے اُسے جس نے اس

سواری کو ہمارے بس میں کر دیا۔ اور یہ ہمارے ہونے کی نہ تھی۔

اور بیشک ہمیں اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے۔

اس آیت کریمہ کا پہلا حصہ تو سواری کے مناسب نظر آ رہا ہے۔ مگر آگے

جو فرمایا گیا ہے۔ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔ اور بیشک ہمیں اپنے رب کی

طرف پلٹنا ہے۔ اس کو بظاہر پہلے مضمون سے کوئی مناسبت نہیں معلوم

ہوتی۔ مگر بزرگانِ دین نے اس کو سمجھا کہ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ خدا کے

ہندو! اس جانور پر سوار ہونے سے دوسری سواری کو بھی یاد رکھو اور سمجھ

لو کہ تم کو کسی تختہ یا چارپائی پر بھی سوار ہونا ہے۔ جس میں تم کو رکھ کر چار

آدی لے جائینگے۔ اصل سواری وہی ہے کہ جس پر سوار کر کے تم کو خدا کے

ہاں پہنچا دیں گے۔ تو اسے بھائیو! جب جانور پر سواری کرتے وقت بھی

موت کو یاد کرنے کا حکم ہے۔ تو کسی میت کو دیکھ کر یا قبرستان میں پہنچ کر

موت کو یاد کرنے کا حکم کیوں نہ ہوگا۔ مگر افسوس! آج ہم پر اس قدر غفلت

طاری ہے کہ قبرستان میں بیٹھے ہیں۔ اور مقدمے کی باتیں ہو رہی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہم موت سے ڈرتے بھی بہت ہیں۔ چونکہ اسی دنیا کو ہم

نے اپنا گھر سمجھ رکھا ہے۔ اس لئے یہاں سے جدا ہونے کا رنج و غم ہوتا ہے۔

ورنہ جب آدی سفر میں ہوتا ہے۔ تو جتنا گھر سے قریب ہوتا جاتا ہے۔ خوشی

بڑھتی جاتی ہے۔ اور یہاں یہ حالت ہے کہ جوں جوں مرنے کے دن قریب

آتے ہیں۔ روح فنا ہوتی ہے۔ اور یہ حالت دنیا داروں ہی کی ہے۔ کیونکہ

وہ دنیا ہی کو اپنا گھر سمجھتے ہیں۔ بخلاف اللہ والوں کے کہ انہیں نہ اپنے

مرنے کی پرواہ، نہ اولاد کے مرنے کی پرواہ ہوتی ہے۔ وہ موت کو بمصداق الموت
حَسْبُكَ يُوْصِلُ الْمُجِيبَ إِلَى الْجَنَّةِ ایک ایسا پل سمجھتے ہیں جو اس
کنارے سے اس کنارے پر لے جا کر دوست سے ملا دیتا ہے۔

حضرت خلیل علیہ السلام اور ملک الموت
چنانچہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ
(علیہ السلام) کے پاس جب ملک

الموتنا حاضر ہوا۔ تو حضرت خلیل نے اسے فرمایا۔ جان قبض کرنے سے پہلے میری
طرف سے خدا کو جا کر کہو کہ دوست کیا اپنے دوست کی جان بھی لیتا ہے؟
ملک الموت نے خدا کے حضور یہ پیغام خلیل عرض کیا۔ تو خدا نے فرمایا۔ تم جا کر
میری طرف سے یہ جواب دو کہ دوست، دوست کو بلائے تو کیا دوست آنے
سے انکار بھی کرتا ہے؟ ملک الموت نے یہ بات حضرت خلیل سے کہی۔ تو
آپ کو بڑا لطف حاصل ہوا۔ اور خوشی سے فرمایا کہ چلو پھر چلتے ہیں۔
اور جان قبض کرنے کی اجازت دے دی۔

دیکھا آپ نے! یہ اللہ والے موت کو ایک ذریعہ وصال سمجھتے ہیں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کہ جب میں اپنے استاد

حدیث شیخ المحدثین حضرت مولانا سید دیدار علی

شاہ صاحب الوری قدس سرہ سے دورہ حدیث

پڑھ رہا تھا۔ اور بخاری شریف میں جب یہ حدیث

شیخ المحدثین مولانا سید

دیدار علی شاہ صاحب
رحمۃ اللہ علیہ

آئی کہ قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ سوال بھی ہوتا ہے کہ
"ان کے متعلق کیا کہتے ہو؟" اس موقع پر پہنچے۔ تو شیخ المحدثین حضرت مولانا
علیہ الرحمۃ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور فرمایا کہ یہ حدیث پڑھنا
ہوں۔ تو ابھی مر جانے پر دل چاہتا ہے۔ تاکہ حضور کا دیدار ہو۔ اسی باب
میں اعلیٰ حضرت کا یہ شعر بھی ہے سے

جان تو جاتے ہی جائے گی، قیامت یہ ہے

کہ یہاں مرنے پہ کٹھرا ہے نظارہ تیسرا

حضرت مولانا آسی علیہ الرحمۃ کا بھی ایک شعر سن لیجئے۔ وہ فرماتے ہیں سے

آج بھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی!

جس کے جویاں تھے ہے اس گل کی لٹا کی رات

اور میرے بھی اشعار سن لیجئے :-

وہ تنہائی، تاریکی، تنگی لوح کی! یہ سکرے دل کی حالت بُری تھی

مگر اس خبر نے مجھے ہی تسلی! کہ واں مصطفیٰ کا بھی دیدار ہوگا

اللُّنْبِيَا سِجِّينَ الْمُؤْمِنِينَ | یہ جو حدیث میں آتا ہے۔ اَللُّنْبِيَا سِجِّينَ الْمُؤْمِنِينَ

دنیا مومن کے لئے جیلخانہ ہے۔ اس سے مراد

یہ ہے کہ جیلخانہ میں اگرچہ کیسا ہی عیش ہو۔ اور سب سامانِ راحت موجود

ہوں۔ مگر وہاں جی نہیں لگتا۔ تو مسلمان کی شان یہ ہے کہ دنیا میں اس کا

جی نہ لگے۔ اگرچہ بظاہر اس میں کیسا ہی عیش و آرام ہو۔ کیونکہ جی لگنے کی جگہ

گھر ہے۔ اور وہ گھر نہیں ہے۔ پھر جب جی نہ لگے گا۔ تو کیوں سوچے گا۔

کہ یوں ہو۔ اور یوں نہ ہو۔ یہ ہو اور وہ نہ ہو۔ بلکہ اب سوچے گا۔ کہ دنیا

تو پردیس ہے۔ یہاں جس طرح سے بھی دن گزر جائیں۔ اور دنیا کی فکر کی

بجائے اب یہ ہوگا۔ کہ انجام اچھا ہو۔ اور آخرت بن جائے۔ اور آخرت بننے

کے لئے یہی نسخہ ہے۔ کہ لَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ۔ یعنی مرو تو

مسلمان رہ کر مرو۔ میں یہی کہہ رہا تھا۔ کہ مرنا تو سب ہی نے ہے تو بھائیو

پھر کیوں نہ ہم ایسی موت مریں۔ جو خدا کے حکم کے مطابق ہو۔ یعنی مسلمانی کی

موت۔ بھائیو! ہم ہیں جو جو غیر اسلامی حرکتیں ہیں۔ ان کو ترک کر دو۔ اور

آج سے کامل مسلمان بن کر جینے اور مسلمان ہی رہ کر مرنے کا عہد کر لو۔

خوب یاد رکھو کہ مرنا ضرور ہے۔ اور اگر غیر اسلامی موت واقع ہو گئی۔ تو

عاقبت برباد ہو گئی۔ آج وقت ہے کہ ہم موت سے پہلے پہلے کال مسلمان

بن جائیں۔ اور اسلام پر ہی مرنے کا عہد کر لیں۔ ورنہ پھر وقت ہاتھ نہ آئیگی

کہتے ہیں ایک شخص سو رہا تھا۔ اور سوتے میں اس نے خواب دیکھا

لطیفہ | کہ اسے ایک بھینس مل گئی ہے۔ وہ بھینس کو لے کر خوشی خوشی

گھر آ رہا تھا۔ کہ راستے میں بھینس کا ایک خریدار بھی مل گیا۔ خریدار نے

پوچھا۔ کیوں بھئی! اس بھینس کا کیا لوگے! وہ شخص بولا۔ پانچسو روپے خریدار نے کہا۔ نہیں صاحب دو سو لے لو۔ اس نے کہا۔ نہیں صاحب۔ پانچسو سے ایک پیسہ بھی کم نہیں۔ خریدار نے پھر کہا۔ دو سو بہت ہیں۔ دو سو لے لو۔ اب اس شخص نے زور سے کہا۔ نہیں پانچ سو ہی لوں گا۔ زور سے جو "نہیں" کہا تو آنکھ کھل گئی۔ کیا دیکھتا ہے۔ کہ نہ بھینس ہے نہ پانچسو۔ اور نہ دو سو۔ بڑا پچھتایا اور پھر آنکھیں بند کر کے بولا۔ اچھا لا دو سو ہی دے جا۔ مگر اب دو سو بھی کہاں۔ اس وقت سودا کر لیتا۔ تو تھوڑے وقت کے لئے کچھ تو مل جاتا۔ میرے بھائیو! مطلب میرا یہ ہے۔ یہ وقت ہے کچھ کر لو۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔ اب مولانا رومی کی بیان کردہ ایک حکایت بھی سن لیجئے۔

تثنوی شریف کی ایک حکایت

وہ فرماتے ہیں۔ ایک دریا کے قریب ہی تھوڑے فاصلہ پر ایک چھوٹا سا گڑھا

تھا۔ جس میں تین پھلیاں رہتی تھیں۔ اتفاقاً وہاں ایک ماہی گیر آیا اور اس نے جب اس گڑھے میں تین پھلیاں دیکھیں تو کہنے لگا۔ کل جاں لاؤں گا اور تینوں پھلیوں کو پکڑ لوں گا۔ مولانا رومی فرماتے ہیں۔ ان تینوں پھلیوں میں ایک تو بڑی دانا تھی۔ اور دوسری نیم عاقل تھی۔ اور تیسری بڑی جتن تھی۔ مگر اپنے آپ کو دانا سمجھتی تھی۔ مولانا رومی کے اشعار کا اردو منظوم ترجمہ سنئے۔ فرماتے ہیں۔

تم نے ماہی گیر کا کہنا سنا!
 کر کے محنت کرتے پڑتے جلد تر
 ورنہ یہ جانو کہ بس اتنی جہل
 وہ جو ماہی گیر اور تو نے کہا
 جزو ہے ایمان کا حب الوطن
 جان کو بھی ہو اگر میرے خطر
 تجھ کو بھی معلوم ہے قول نبی!

مشورہ دونوں سے عاقل نے کیا
 ہے مری رائے کہ ہم سب رات بھر
 یاں سے دریا کی طرف جاؤں نکل
 نیم عاقل نے کہا سب کچھ سنا
 پر مے پیائے بنی کا ہے سخن
 میں نہ جاؤں گی وطن کو چھوڑ کر
 یہ کہا عاقل نے اور سن کر ہشی

ہے غلط فہمی یہ تیری لے بہن
— مولانا فرماتے ہیں۔ کہ اس کے بعد وہ احمدی پھلی بولی اور کہا۔ سے
عارضی پانی کو تو سمجھی وطن
یہ کہا احمدی نے میں ایسی نہیں
لے پکڑ صیاد جو مجھ کو کہیں
اتنے پانی میں نہ میں آؤں گی ہاتھ

— عاقل پھلی نے جب ان دونوں پھلیوں کا جواب سنا تو سے
چل پڑی دریا کی جانب یہ کہا
کیسے لایا انسان الا ما سحی
جو کوئی کرتا ہے خود اپنی مدد
اس کی کرتا ہے خدا خود بھی مدد

— اس کے بعد دوسرے دن ماہی گیر آیا۔ تو سے
نیم عاقل نے بھی یہ تدبیر کی
دم لیا گھونٹ اور مردہ بن گئی
جان کر صیاد نے اس کو مٹوا
پھینکا دریا کی طرف واں اٹھا
اس جگہ سے جنت کر کے ایک بار
پہنچی دریا میں ہنسی بے اختیار

اور جو احمدی پھلی تھی اس کا کیا حشر ہوا سے
تیسری احمدی پھلی جب جہاں میں
خوب روٹی یاد کر کے پھرا نہیں
اپنی خود رانی پہ پھپھتا تی بہت
اپنی نادانی سے شرماتی بہت

شدید چہرہ

مولانا رومی اس حکایت کو لکھ کر نتیجہ یہ بیان فرماتے ہیں سے
ہے مراد عاقل سے یاں وہ متقی
جو جیا بے عیب ساری زندگی
نیم عاقل سے غرض ہے وہ جوان
عمر اول جس نے کھوٹی رائیگاں
ہوش میں وہ آگیا پر وقت پر
عاقبت کو کچھ نہ پہنچایا ضرر !!

ہے مراد احمدی سے یاں وہ بیخیا

غرق عصیاں جو بڑھاپے تک ہا

میرے دوستو! اس حکایت سے سبق حاصل کرو۔ اول تو اس دانا
مچھلی کی طرح عاقبت کی فکر کرو۔ موت کا شکاری آنے والا ہے اپنی زندگی
اسلامی سانچے میں ڈھال لو۔ اور اگر آج تک، غفلت طاری رہی ہے۔ تو
دوسری مچھلی ہی کی طرح آخری حصہ عمر کا درست کر لو۔ تاکہ انجام بخیر ہو۔

ورنہ یاد رکھو۔ تیسری احمق بچھلی کا سا حشر ناگزیر ہے اور عذاب کے فرشتے پکڑ
 کر لے جائیں گے۔ پھر اس احمق بچھلی کی طرح بچھٹانا اور شرانا پڑے گا۔
 اب آخر میں یہ دعا ہے کہ

یا خدا جسم میں جب تک کہ مری جان رہے
 تجھ پہ صدقے ترے محبوب کے قربان ہے
 کچھ ہے یا نہ ہے پر یہ دعا ہے کہ امیر
 نزع کے وقت سلامت مرا ایسماں رہے
 امین۔ یَا رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

وَاٰخِرُ حَقِّ قَوْلِنَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

وَاعْظُ

مَلَا حِصَّةً حَصْرًا مَعْنَى تَبِيحًا

اس دوسرے حصہ میں بھی بارہ وعظ درج ہیں۔ اس پہلے حصہ میں بارہ وعظ ختم ہوئے۔ اور دوسرا حصہ تیرھویں وعظ سے شروع ہو کر چوبیسویں وعظ پر ختم ہوتا ہے۔

دوسرے حصہ کے بارہ وعظوں کی فہرست

ملاحظہ فرمائیے

چودھواں وعظ	محفل میلاد	تیرھواں وعظ	احسان عظیم
پندرھواں وعظ	اطاعتِ رسول	دسواں وعظ	سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح اور سی کا بیان،
دسویں وعظ	ذکر الہی	سولہواں وعظ	شاہد بنی
گیفٹ تکفرون	اٹھارہواں وعظ	دسکے اللہ علیہ وسلم	
اولیاء کرام	بیسواں وعظ	توبہ کا وعظ	انیسواں وعظ
عید کا وعظ	بائیسواں وعظ	شہرِ رمضان کا وعظ	اکیسواں وعظ
شہادت کا وعظ	چوبیسواں وعظ	قرآنی کا وعظ	تیسواں وعظ

یہ بارہ وعظ بھی پہلے حصہ کے وعظوں کی طرح دلچسپ مفید اور مدلل ہیں۔ اعلیٰ کتابت و طباعت سفید کاغذ سائز بی مضبوط جلد۔ قیمت آٹھ روپے علاوہ محصول ڈاک کے۔

مطبوعہ کتب خانہ "ماہِ طیبہ" کوئٹہ اور ان ضلع سبکدوٹ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مکتب خانہ جامعہ اسلامیہ کراچی

۱۰

بارہ و مخطوطات کا نام

فروع

مکتب خانہ جامعہ اسلامیہ کراچی